

مولانا سید طاہر حسین گیاوی (انڈیا) کی کتاب

شہید کربلا اور کردارِ نرید

علمی و تحقیقی جائزہ

www.KitaboSunnat.com

شہید کربلا

اور کردارِ نرید

فہم کی کتاب تہذیبیہ اور تاریخی کاغذی جائزہ

مولانا سید طاہر حسین گیاوی

نعیمیہ

سازمانہ السنہ
دہلی

أَعِدُّوا لَهُ
أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى

اعداد و تعارف

تالیف

حادثہ پہلی کیشنر

حافظ عبید اللہ محمد نبی حارث

فائل وفاق المدارس العربیہ پاکستان



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

”شہیدِ کربلا اور کردارِ یزید“
کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف:

حافظ عبید اللہ

اعداد و تعارف:

محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

حارث پہلی کیشنز

جملہ حقوق اشاعت برائے حارث پہلی کیشنز محفوظ ہیں

”شہیدِ کربلا اور کردارِ یزید“

کا علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف:	حافظ عبید اللہ
اصداد و تعارف:	محمد فہد حارث
اشاعت اول:	جنوری 2020
تعداد کتب:	500
کمپوزنگ:	سز محمد عمران
قیمت:	1100/-

پبلشرز:
حارث پہلی کیشنز



شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
11	انتساب	1
13	از: محمد فہد حارث	2
31	از: حافظ عبید اللہ	3
47	کچھ مولانا سید طاہر حسین گیاوی اور ان کی کتاب کے بارے میں	4
52	محمد بن عمر الواقدی کا تعارف	5
63	ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا تعارف	6
68	ابو مخنف کے بارے میں علماء شیعہ کے اقوال	7
71	سیدنا حسین <small>ؑ</small> کا سہ ماہی شام بھیجے جانے کی روایات پر ایک نظر	8
79	محمد بن زکریا الغلابی کا تعارف	9
81	گیاوی صاحب کی کتاب کا نام ”شہید کربلا اور کردارِ یزید“ کیوں؟	10
91	گیاوی صاحب کی کتاب کا آغاز واقعہ حرہ سے	11
93	فاسق حاکم کے خلاف خروج کا حکم	12
98	ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی ایک روایت سے گیاوی صاحب کا استناد	13
104	کیا یزید عام طور پر تجربہ کار اور بوڑھے گورنروں کو ہٹا کر ان کی جگہ نا تجربہ کار اور نوجوانوں کو گورنر مقرر کیا کرتا تھا؟	14

110	یزید کی شراب نوشی بیان کرنے والی روایات کا جائزہ	15
112	محمد بن عمر الواقدی کی روایت	16
118	گیادوی صاحب کی ایک نادر تحقیق	17
120	محمد بن زکریا الغلابی کی روایت	18
129	عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان مکالمہ والی روایت	19
130	استدراک	20
135	دید اور شنید کا تقابل ہو تو ترجیح دید کو دی جاتی ہے	21
142	کیا عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں؟	22
145	گیادوی صاحب کی غلط بیانی	23
147	گیادوی صاحب سے ایک سوال	24
149	گیادوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی ایک کٹ جھتی	25
155	شراب نوشی کی حد سے متعلق سیدنا ابن مسعود <small>رضی اللہ عنہ</small> کی ایک روایت سے استدلال	26
159	گیادوی صاحب کی علمی خیانت	27
164	گیادوی صاحب کے مغالطے	28
165	مغالطہ نمبر ۱	29
166	مغالطہ نمبر ۲	30
168	مغالطہ نمبر ۳	31
168	مغالطہ نمبر ۴	32

173	گیاوی صاحب کے پیش کردہ مزید دلائل و شواہد کا جائزہ	33
	گیاوی صاحب کے اصول، اپنے لئے الگ، دوسروں کے لیے	34
176	الگ	
177	واقعہ حرہ سے متعلق چند روایات کی حقیقت	35
181	گیاوی صاحب کی ایک ناشائستہ تحریر	36
	سیدنا ابن عباس <small>رضی اللہ عنہما</small> کی طرف منسوب یزید کو لکھے گئے ایک خط کی	37
183	حقیقت	
185	سیدنا ابن عباس <small>رضی اللہ عنہما</small> کا یزید کے بارے میں ایک قول	38
187	کیا ابن زیاد نے یزید کے فاسق ہونے کی گواہی دی؟	39
191	یزید کے بیٹے کی طرف منسوب ایک جھوٹی روایت کی حقیقت	40
194	گیاوی صاحب کی بزم خود ایک اور صحیح روایت کا حال	41
195	"ابن عفیر" اور "ابن فلیح" کون؟	42
203	ایک کٹ جھتی اور اس کا جواب	43
205	کتب اسماء الرجال میں یزید کی شراب نوشی کی تصریحات کا داویلا	44
	زبیر بن بکار کی ایک غیر مستند روایت اور امام مالک کی طرف	45
207	منسوب ایک روایت	
210	گیاوی صاحب کی نئی اصطلاح "منقطع السند صحیح روایت"	46
	سیدنا معتقل بن سنان <small>رضی اللہ عنہ</small> کی طرف منسوب روایت اور گیاوی	47
212	صاحب کے مغالطے ورمغالطے	

218	تاریخ ابن عساکر کی ایک روایت پر ایک نظر	48
226	گیاوی صاحب کی تعلی	49
	گیاوی صاحب کا صحابہ کی تنقیص کے مرتکب ایک شخص کی کتاب سے	50
234	استدلال	
237	گیاوی صاحب کا پسندیدہ نعرہ	51
240	یزید کے بارے میں ایک شعر کی حقیقت	52
242	کیا کسی جم غفیر نے یزید کی شراب نوشی کی شرعی شہادت دی؟	53
249	گیاوی صاحب کا اقرار	54
249	گیاوی صاحب کی ایک اور تلبیس	55
	گیاوی صاحب کا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو خروج اور بغاوت	56
252	کرنے والا بتانا	
255	استخلاف یزید اور بیعت یزید کا مسئلہ	57
262	گیاوی صاحب کا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر ایک افتراء	58
267	آدم برسر مطلب	59
	کیا خلافت و امارت کا اہل ہونے کے لیے کسی کا اپنے زمانہ میں	60
278	افضل ترین ہونا ضروری ہے؟	
282	گیاوی صاحب کا ایک اعتراف اور ایک مغالطہ	61
	گیاوی صاحب کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر رشوت دینے اور	62
284	زور زبردستی کرنے کا الزام	

291	سیدنا سعید بن زید <small>رضی اللہ عنہ</small> کی طرف منسوب ایک روایت	63
295	سیدنا عمرو بن حزم <small>رضی اللہ عنہ</small> کی طرف منسوب ایک روایت	64
303	گیاوی صاحب کا علمی دھوکہ	65
304	گیاوی صاحب کا ایک اور علمی مغالطہ	66
307	گیاوی صاحب کی بدحواسی	67
314	سیدنا مسور بن مخرمہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کی طرف منسوب ایک روایت	68
316	گیاوی صاحب کا ایک اقرار	69
317	گیاوی صاحب کی ایک بار پھر غلط بیانی	70
317	بارہ خلفاء والی حدیث اور گیاوی صاحب کے مغالطے	71
323	گیاوی صاحب کی ایک اور علمی خیانت	72
330	گیاوی صاحب کے اصول، اپنے لئے اور، دوسروں کے لیے اور	73
74	قریشی بچوں کے ہاتھوں امت کی ہلاکت والی حدیث اور اس کا مفہوم	
339		
350	سنہ ۶۰ ہجری اور امارت صبیان	75
355	گیاوی صاحب کی ایک اور علمی خیانت	76
364	گیاوی صاحب کی ایک اور تلبیس	77
372	گیاوی صاحب کی تاریخ دانی کا ایک نمونہ	78
79	سیدنا ابو سعید خدری <small>رضی اللہ عنہ</small> کی ایک روایت کو یزید پر منطبق کرنے کی	
374	کوشش	

380	واقعہ حرہ..... اسباب و واقعات	80
	اطاعت امیر اور حاکم کے خلاف خروج کے بارے میں نبوی	81
385	ارشادات اور جمہور اہل سنت کا موقف	
394	اباحت مدینہ کا افسانہ	82
	گیاوی صاحب کا اقرار کہ یزید کا سیدنا حسین <small>ؑ</small> کے قتل کا حکم دینا یا	83
401	اس کام سے راضی ہونا ثابت نہیں	
402	گیاوی صاحب کی ایک قلابازی	84
403	جمل و صفین کے مقتولین اور حرہ کے مقتولین کا عددی موازنہ	85
406	مدینہ میں لوٹ مار مچانے اور عزتیں لوٹے جانے کا افسانہ	86
409	مسجد نبوی میں اذان و اقامت بند ہونے کا افسانہ	87
411	گیاوی صاحب کا ایک زبردست مغالطہ	88
414	کیا واقعہ حرہ میں اس وقت موجود تمام حدیسی صحابی شہید ہو گئے؟	89
418	واقعہ حرہ کے بعد بھی زندہ رہنے والے چند حدیسی صحابہ کرام <small>ؓ</small>	90
422	گیاوی صاحب کی پیش کردہ مقتولین حرہ کی فہرست پر ایک نظر	91
429	گیاوی صاحب سے ہمارا مطالبہ	92
432	گیاوی صاحب کی کتاب کی آخری سطر	93
433	ہماری آخری گزارش	94

انتساب

میں اپنی ان طالب علمانہ معروضات کا انتساب، نہ صرف برصغیر پاک و ہند، بلکہ عالم اسلام کے علمی افاق پر چمکتے دکتے دو علمی ستاروں کے نام کرنا چاہوں گا۔

ان میں سے پہلی شخصیت، مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۸۹۸ء - ۱۹۸۳ء) کی ہے، جو برصغیر کے علمی مرکز جسے ”ازہر الہند“ بھی کہا جاتا ہے یعنی دارالعلوم دیوبند کی مسند اہتمام پر تقریباً نصف صدی تک جلوہ افروز رہے اور جنہیں دنیا حکیم الاسلام کے نام سے جانتی ہے، میرے لیے یہ بات باعث صد اعزاز ہے کہ زمانہ طالب علمی کے اولین دور میں اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد میں قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مستفید ہوا تھا، وہ منظر آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے، اور قاری صاحب کا وہاں کیا گیا بیان جو میرے والد محترم نے ریکارڈ کیا تھا آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

دوسری شخصیت انہی قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر، محدث کبیر و فقیہ جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی (۱۹۰۰ء - ۱۹۹۲ء) نور اللہ مرقدہ کی ہے، جنہیں اگر اپنے زمانہ کا محدث اعظم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، فن حدیث کے علاوہ آپ فقہ و فتاویٰ کے بھی امام تھے، آپ کا تعلق اگرچہ ہندوستان کے ایک دور افتادہ قصبے منونا تھ بھجن، ضلع منو، ریاست اتر پردیش سے تھا لیکن آپ کے علمی جاہ کا ڈنکا پورے عالم

اسلام میں بجتا تھا، آپ کو علامہ زہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ العلامة الأوحّد والنحویر المفرد لکھا کرتے تھے، جنہیں شیخ الازہر، امام اکبر شیخ عبدالحلیم محمود رحمۃ اللہ علیہ نے "اکبر علماء العالم الاسلامی" (عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم) کا خطاب دیا تھا، آپ کی زیارت کے لیے علامہ الشام شیخ عبدالفتاح ابوعدہ رحمۃ اللہ علیہ تین تین بار سوچے دور افتادہ قصبہ میں تشریف لائے، جن کی خدمت میں مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر زمانہ نیاز مندوں کی طرح پیش آتے تھے، جن سے سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار، بڑے ہونے کے باوجود، علمی مسائل میں صرف استفادہ ہی نہیں بلکہ اپنی کتابوں پر نظر ثانی کی گذارش کرتے تھے، آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رکین بھی تھے۔

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ وہ علم و عمل کے ان دونوں شاہکاروں کی قبروں کو

منور فرمائیں۔

تغمدهما اللہ بغفرانہ وأسکنهما فیسیح جناتہ

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

تعارف

زیر نظر کتاب جو کہ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے ہندوستان کے ایک عالم محترم سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب ”شہید کربلا اور کردار یزید“ کا ناقدانہ جائزہ ہے۔ سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب کا پورا نام ”شہید کربلا اور کردار یزید“۔ محدث الاعظمیؒ کی کتاب ”تبرہ بر شہید کربلا اور یزید کا علمی محاسبہ“ ہے۔ جیسا کہ گیاوی صاحب کی کتاب کے عنوان سے ہی واضح ہے کہ ان کی کتاب محدث احناف ابوالمآثر علامہ حبیب الرحمن الاعظمیؒ صاحب کی کتاب کے ناقدانہ جائزہ پر مبنی ہے۔ گویا حافظ عبید اللہ ﷺ کی جو کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ علامہ حبیب الرحمن الاعظمیؒ کی کتاب کے جواب کا جواب الجواب ہے۔ اس مناسبت سے ہم بہتر خیال کرتے ہیں کہ علامہ حبیب الرحمن الاعظمیؒ کی کتاب پر ایک مفصل تبرہ ہدیہ قارئین کر دیا جائے تاکہ زیر نظر کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے قاری کا ذہن ہر ناحیہ پر غور کر سکے۔

علامہ الاعظمیؒ کی کتاب کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ

۱۹۵۰ء کی دہائی کے اواخر میں لکھی گئی علامہ محمود احمد عباسی کی مشہور زمانہ کتاب ”خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رضی اللہ عنہ“ کی اشاعت کے ساتھ ہی علمی حلقوں میں ایک بے چینی کی صورت نمودار ہو گئی۔ کچھ احباب نے اس کتاب کی تائید میں تبرے لکھے تو کچھ لوگ اس کتاب کی مخالفت پر کمر بستہ نظر آئے۔ اہل دیوبند میں بھی مخالفت و موافقت کا

سلسلہ نظر آیا۔ عباسی صاحب کار دیکھنے میں اہل دیوبند میں سے جن حضرات نے مستعدی دکھائی ان میں علامہ عبدالرشید نعمانی، قاری محمد طیب اور قاضی اطہر مبارکپوری پیش پیش تھے۔ قاری محمد طیب صاحب نے ”خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رضی اللہ عنہ“ کی اشاعت کے فوراً بعد سنہ ۱۹۶۰ء میں ”شہید کربلا اور یزید“ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ چونکہ یہ کتاب علامہ عباسی کی کتاب کے رد میں لکھی گئی تھی اور عباسی صاحب کی کتاب میں یزید کو امیر المؤمنین بنا کر پیش کیا گیا تھا سو رد عمل کے تحت قاری طیب صاحب نے یزید کو ”مذل المؤمنین“ ثابت کرنے پر پورا زور صرف کیا اور اپنی تحقیق کو مسلک دیوبند کی نمائندہ تحقیق و نظریہ قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اہل دیوبند میں سے ہی بہت سے محتاط اور انصاف پسند اہل علم و تحقیق کو اس کتاب کے مندرجات سے اختلاف پیدا ہوا جن میں سے ایک نام علامہ حبیب الرحمن الاعظمی صاحب کا ہے۔

علامہ حبیب الرحمن الاعظمی صاحب کا اصل مقدمہ اور کتاب پر نقد دراصل قاری طیب صاحب کے اس دعویٰ کے گرد گھومتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں پیش کردہ واقعہ کربلا کی تفصیل اور فسق یزید کے نظریے کو عقیدہ کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے اور یہ باور کروایا ہے کہ اس کے خلاف جو بھی بات کہے یا نظریہ رکھے تو وہ اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہے، گویا یزید کو فاسق و فاجر نہ کہنے والا یا واقعہ کربلا کو معرکہ حق و باطل ماننے کے بجائے ایک حادثہ فاجعہ جاننے والا شخص اہلسنت سے خارج ہے۔

علامہ الاعظمی اس بابت قاری محمد طیب صاحب سے سخت اختلاف کرتے ہوئے ان کی کتاب پر نقد آراء ہوتے ہیں۔ کتاب کا آغاز وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے لفظ ”خروج اور طلبِ امارت“ کے الفاظ کے استعمال کی بحث سے کرتے ہیں جس کو قاری

محمد طیب صاحب نے اہلسنت کی مخالفت سے تعمیر کیا ہے جبکہ الاعظمی صاحب نے متعدد حوالہ جات دیکر یہ ثابت کیا ہے کہ خود کئی صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہم نے ان الفاظ کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال فرمایا ہے حتیٰ کہ علامہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے تو ان الفاظ کے ساتھ پورا ایک عنوان قائم کیا ہے کہ

”قصۃ الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و سبب خروجه باہلہ من مکة

الی العراق فی طلب الامارۃ و کیفیۃ مقتلہ رضی اللہ عنہ“ ①

تو کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لے کر امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ تک سب اہلسنت سے معاذ اللہ خارج ہیں کہ انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے خروج اور طلب امارت کے الفاظ استعمال فرمائے جن کو کہ قاری صاحب اہلسنت کے عقائد و نظریات سے انحراف قرار دے رہے ہیں۔

اس کے بعد خلافت کے ذیل میں علامہ الاعظمی صاحب ”بارہ خلفاء کے ظہور تک دین کے قیام کی پیشین گوئی“ سے متعلق عنوان قائم کر کے بہت عمدہ بحث تفصیل دیتے ہیں اور بدلائل یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس حدیث کے تحت جمہور محدثین کے نزدیک یزید بن معاویہ ان بارہ خلفاء میں شامل ہے جس کے دور میں اسلام کے مامون رہنے کی پیشین گوئی آپ ﷺ نے فرمائی تھی۔

آگے جا کر علامہ الاعظمی ”علمۃ من قریش کا مصداق کون لوگ ہیں؟“ کے عنوان سے بحث قائم کرتے ہوئے قاری صاحب کی اس بات کا رد کرتے ہیں کہ وہ اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ کو قرار دیتے ہوئے کس طور سے اس نظریے کو

① البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۹۔

اہلسنت کے عقائد میں داخل بتاتے ہیں جبکہ اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں ایسا کچھ مذکور نہیں اور جب ایک عقیدہ ائمہ اربعہ اور سلف کی تشریحات سے ثابت ہی نہیں تو ۱۴۰۰ سالوں کے بعد اس کو اہلسنت کے عقائد میں شامل کرنا چہ معنی دارد۔

اسی طرح سے علامہ الاعظمیٰ ”سنہ ۶۰ ہجری اور امارۃ صبیان“ کی سرفنی قائم کر کے مفصل بحث کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ غلمۃ من قریش اور امارۃ صبیان والی روایات کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور ان دونوں روایات کو یزید کے ساتھ جزم سے جوڑنا عقلی و نقلی دونوں طور سے سخت غیر درست تحقیق ہے اور تصریح فرماتے ہوئے قاری طیب صاحب کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ

جب یزید کے عہد حکومت کے تمام امراء و عمال وہی تھے، جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے اور انہیں امراء و عمال کو قاری صاحب یزید کی صبیانی پارٹی فرماتے ہیں تو اللہ سے ڈریئے کہ نادانستگی میں ہی سہی لیکن قاری طیب صاحب اس صبیانی پارٹی کے قائم کرنے کا الزام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگا رہے ہیں، حالانکہ خود قاری صاحب کے بموجب صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقدس و احترام کے پیش نظر کسی مسلمان کو اس کا تصور بھی نہ کرنا چاہیے۔ اس بابت علامہ الاعظمیٰ نے بہت مفصل اور شافی کلام کیا ہے جو کہ قارئین کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد کے صفحات میں علامہ الاعظمیٰ ”فسق یزید کی بحث“ کا بحث قائم کر کے قطعیت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یزید کے فسق و فجور سے متعلق کوئی ایک روایت بھی ثابت نہیں اور نہ ہی کسی صحیح روایت سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ یزید کے خلاف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا خروج اس کے فسق کے سبب تھا۔ اور ساتھ ہی تفصیل سے ان

تمام تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال سے شروع ہو کر یزید کی بیعت سے لے کر واقعہ کربلا اور قتل حسین رضی اللہ عنہ پر منتج ہوتے ہیں۔ علامہ الاعظمی یزید کے فسق کے غیر ثابت شدہ نظریے کا ابطال کرتے ہوئے اپنی بحث کو ان جملوں کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ

”اگر یزید فاسق ہوتا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے فسق و فجور کو مٹانے کے لئے نکلے ہوتے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو واپس کروا دیتے؟ یا خود لوٹنے کا ارادہ کر سکتے تھے؟ یا یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر آمادگی ظاہر کر سکتے تھے؟ یا یہ کہہ سکتے تھے کہ مجھے یزید کے پاس روانہ کر دو..... اس وقت تک یزید کے فسق کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی، نہ اس کی شہادت ملتی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کے فسق کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے لئے نکلے تھے، بلکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے آپ کو یزید سے افضل اور اس سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں..... اس لئے آپ اپنے مقابل میں اس کو ہتھدار خلافت نہیں سمجھتے تھے اور اس کے بجائے اس بات کو ملت کے لئے بہتر سمجھتے تھے کہ خود اپنی امارت قائم کریں۔“

اس کے بعد علامہ الاعظمی بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں یزید کا کوئی ہاتھ نہ تھا اور مختلف روایتوں سے ثابت کیا ہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبر سن کر یزید سخت افسردہ ہوا اور عبید اللہ بن زیاد کو سخت ست سنائی۔ ساتھ ہی اس وجہ کو بھی پوری شرح و بسط سے بیان فرما دیا کہ یزید نے قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کو معزول کیوں نہیں کیا

اور سیدنا علیؑ اور قاضی عین عثمانؑ کے واقعہ کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ گویا ہمارے وہ بھائی جو کہ سیدنا علیؑ اور یزید بن معاویہ کی پالیسی کے تقابل کو ”بدترین عمل“ قرار دیتے ہیں، ان کی یہ چوٹ محدث احناف علامہ الاعظمی صاحب جیسے جلیل القدر عالم پر بھی پڑتی ہے۔ الغرض قتل حسینؑ سے یزید کی برات اور قصاص حسینؑ نہ لینے کے موضوع پر الاعظمی صاحب نے اتنا عمدہ بحث قائم کیا ہے کہ اپنے قارئین پر ایک طرح کی حجت تمام کر دی ہے۔

اس کے بعد اس رسالے کی سب سے عالمانہ بحث آتی ہے اور وہ قاری محمد طیب صاحب کی اس بات کا رد ہے جہاں قاری صاحب یزید کے فسق اور اس کی بد اعمالیوں کی شہرت کو تو اتر سے ثابت قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس موقع پر علامہ الاعظمی نے اتنا عمدہ بحث قائم کیا ہے اور اتنی عالمانہ بحث کی ہے کہ حقیقت میں اس مقام کو علامہ الاعظمیؑ کی کتاب کا سب سے بہترین بحث قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ بحث قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ ساتھ ان تمام لوگوں کے تو اتر کے اس دعویٰ کے تار بود اکھیر کر رکھ دیتا ہے جو صرف اس لئے فسق یزید کے قائل ہیں کہ امت کا جمہور اس نظریے کا قائل رہا ہے۔ آگے جا کر علامہ الاعظمی نے ”لعن یزید کا حکم“ کا عنوان قائم کر کے مختلف علماء کی تصریحات سے یہ بات ثابت کی ہے کہ اس امت کے جلیل القدر علماء یزید پر لعنت کے جواز کے قائل نہیں تھے اور اس بات کو اسلامی اصولوں کے خلاف سمجھتے رہے ہیں اور قاری طیب صاحب نے اپنی کتاب میں لعن یزید سے متعلق جو حوالہ جات دیئے ہیں تو ایسا کرتے ہوئے قاری طیب صاحب نے اپنے منصب سے بہت نیچے اتر کر لکھا ہے، اور علم و تحقیق کے علاوہ انصاف و دیانت کے بھی خلاف انہوں

نے عجیب باتیں لکھی ہیں۔ اور پھر علامہ الاعظمی صاحب نے مختلف مثالیں دے کر قاری محمد طیب صاحب کی حوالہ جات کی قطع و برید کو قارئین کے سامنے رکھا ہے۔

اپنی کتاب میں قاری محمد طیب صاحب نے ایک حیرت انگیز اصول دیا تھا جس کو آج کل کے بھی کئی حضرات بلا کسی سوچ و بچار کے دہراتے ہیں کہ ابو مخنف کی روایتوں کو رد کرنا ناصحیت ہے۔ علامہ الاعظمی قاری محمد طیب صاحب کے اس دعویٰ پر سخت شکوہ کناں ہوتے ہیں اور مختلف حوالہ جات سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین جیسے ابن کثیر و ذہبی نے بھی ابو مخنف کی بعض روایات کو رد کیا ہے تو کیا وہ ایسا کرنے سے ناصبی ہو گئے۔ اس کے آگے ہی دو بحث ”دندان شہید کربلا کے ساتھ گستاخی کس نے کی؟“ اور ”سر مبارک شام لے جایا گیا یا نہیں“ قائم کر کے پہلے کی نسبت یزید کی طرف کرنے کو غلط ثابت کرتے ہیں اور دوسرے کی بابت بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا حسین علیہ السلام کا سر شام نہیں لے جایا گیا اور اس سے متعلق بھی تاریخی حقائق مہیا کرنے میں قاری طیب صاحب نے سخت نا انصافی سے کام لیا ہے۔

قاری محمد طیب صاحب نے اپنی کتاب میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ یزید کے فسق پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق تھا جس پر نقد کرتے ہوئے علامہ الاعظمی صاحب نے صاف لکھا کہ مہتمم صاحب کی پوری کتاب پڑھ جائیے، یزید کے فسق پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق کا ایک ثبوت بھی انہوں نے پیش نہیں کیا ہے اور پیش کر بھی کیسے کر سکتے تھے جبکہ دو کے علاوہ تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور عقلاً و نقلاً کسی طرح یہ درست نہیں ہے کہ دو کے سوا سب صحابہ رضی اللہ عنہم ایک فاسق کی بیعت پر راضی ہو جائیں۔ بعینہ اسی طرح علامہ الاعظمی صاحب نے قاری محمد طیب صاحب کے اس دعویٰ کا ابطال

بھی واضح کیا ہے جہاں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یزید کے فسق پر سلف کا اتفاق تھا۔ اسی طرح ”یزید پر دعائے رحمت کا جواز“ سے متعلق صفحات بھی پڑھنے لائق ہیں۔

کتاب کا آخری مجلہ ”غزوہ قسطنطنیہ کی بشارت اور یزید“ کے عنوان سے ہے جو کہ تقریباً ۱۵ سے زیادہ صفحات پر محیط ہے میں تفصیل سے علامہ الاعظمی قاری محمد طیب صاحب کے ہر اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں جس کے تحت قاری طیب صاحب، یزید کو اس بشارت سے خارج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چونکہ علامہ الاعظمی محدث بھی تھے اور فقیہ بھی سو انہوں نے اپنی اس بحث کو محدثانہ اور فقیہانہ دونوں طرق سے سجایا ہے اور دلائل کے انبار لگا کر ثابت کر دیا ہے کہ کسی طور سے یزید کو جنت کی اس بشارت سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اس بشارت کے تحت ہی تھا کہ یزید قتل حسین ؑ میں شامل نہ ہو سکا اور نہ ہی اس سے فسق و فجور کا ارتکاب بن سکا کیونکہ اس بشارت کی برکت سے اللہ نے اس سے ان فتوح اعمال کی توفیق اٹھالی تھی۔

آخر میں ”خلاصہ بحث“ کے عنوان سے علامہ الاعظمی پانچ نکات کی صورت میں

اپنی کتاب کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ

(۱) سیدنا حسین ؑ باغی نہیں تھے۔

(۲) اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یزید نے سیدنا حسین ؑ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا۔

(۳) یزید کا فرود مرتد یا فاسق نہیں تھا۔

(۴) یزید نہ تو ائمہ علم میں سے تھا نہ ائمہ تقویٰ میں سے تھا بلکہ وہ مسلمانوں کا ایک عام

خلیفہ تھا۔

(۵) عقیدہ فسق یزید کا سنیت سے کوئی تعلق نہیں، نہ نفیاً نہ اثباتاً۔

المختصر علامہ حبیب الرحمن الاعظمی صاحب کی کتاب قاری محمد طیب صاحب جیسی جلیل القدر شخصیت کی کتاب پر نہ صرف ایک جامع نقد ہے بلکہ اپنے اسلوب تنقید میں ایک انتہائی سلیجی ہوئی تحریر بھی ہے جو کہ فسق یزید اور واقعہ کربلا سے متعلق ایک غیر جانبدار لیکن صائب تجزیہ فراہم کرتی نظر آتی ہے۔ قاری محمد طیب صاحب کا جو علمی مقام اہل دیوبند میں ہے، اس کے لئے بہتر تھا کہ انہیں کے مقام و مرتبہ کا کوئی شخص قاری صاحب کی کتاب ”شہید کربلا اور یزید“ کے تسامحات کا جواب لکھے اور علامہ الاعظمی صاحب کے اس رسالے نے یہ حق کما حقہ ادا کر دیا۔ واقعہ کربلا اور اس کے مباحث سے دلچسپی رکھنے والے تاریخ کے ہر طالب علم کو اس کتاب کا مطالعہ لازمی کرنا چاہیے۔

کتاب کے آخر میں علامہ محمود احمد عباسی کی کتاب ”خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید رضی اللہ عنہ“ کے نقد میں لکھی گئی ایک اور کتاب پر بھی تبصرہ ہے جو کہ قاضی اطہر مبارکپوری کے قلم سے بنام ”علی و حسین“ کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ علامہ الاعظمی کا اس کتاب پر تبصرہ بہت مختصر لیکن کافی سخت ہے کیونکہ بقول علامہ الاعظمی کہ جن بدعنوانیوں کی شکایات قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی اس کتاب میں علامہ عباسی کی جناب میں کی ہیں وہی ساری بدعنوانیاں ان کی اپنی کتاب ”علی و حسین“ میں بھی موجود ہیں یعنی عبارتوں کی قطع و برید، غلط ترجمے، سیاق و سباق سے کاٹ کر مفید مطلب ٹکڑوں کو نقل کرنا اور اپنے لئے مضمر ٹکڑوں کو حذف کرنا وغیرہ جن کے سامنے آنے کے بعد قاضی صاحب کی پوری کتاب خود ان کے فیصلہ کی رو سے ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں جیسا کہ قاضی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں عباسی صاحب کی کتاب کا رد کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

”جس شخص کی اس قدر خیانتیں اجاگر ہو چکی ہوں، اس کی ایک بات بھی

ماننے کے قابل نہیں رہ سکتی، جبکہ ایک کتاب میں دو چارجہ اس طرح کی
خیانت سے پوری کتاب مجروح ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی ایک سطر بھی
قابل اعتماد نہیں رہتی“ ①۔

اور اس کے بعد علامہ الاعظمی نے قاضی اطہر مبارکپوری کے کئے ہوئے غلط
تراجم، قطع و برید اور کتمان کو دلائل کے ساتھ مبرہن کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ عباسی
صاحب کی کتاب کے رد میں خود قاضی صاحب اعتدال سے کوسوں دور جا پہنچے۔
المختصر یہ تھا علامہ حبیب الرحمن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا مفصل تعارف جس کے
اد پر سید طاہر حسین گیاوی صاحب نقد آراء ہوئے اور یوں ان کی کتاب ”شہید کربلا
اور کردارِ یزید“ معرض وجود میں آئی۔ جس کسی نے علامہ حبیب الرحمن الاعظمی صاحب
کی کتاب پڑھ رکھی ہوگی وہ اس حقیقت سے آشنا ہوگا کہ الاعظمی صاحب کی کتاب کا
اسلوب نہ صرف عالمانہ و محققانہ ہے بلکہ اپنے اندر نہایت متانت و سنجیدگی بھی رکھتا ہے
اور قاری محمد طیب صاحب جیسے جلیل القدر عالم کی کتاب پر نقد آراء ہونے کے لئے جو
معیاری اسلوب درکار ہو سکتا تھا، علامہ الاعظمی صاحب کی کتاب اس اسلوب کی شہادت
دیتی نظر آتی ہے۔

علامہ الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کی اشاعت کے بعد عرصہ دراز تک کتاب پر کسی
جانب سے کوئی نقد یا تبصرہ نہیں آیا یہاں تک کہ سنہ ۲۰۱۸ء میں کتب خانہ نعیمیہ دیوبند،
ہندوستان سے ۱۵۲ صفحات پر مشتمل مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب بنام
”شہید کربلا اور کردارِ یزید“۔ محدث اعظمی کی کتاب ”تبصرہ بر شہید کربلا اور یزید“ کا
علمی محاسبہ شائع کی گئی۔ کتاب کا نام سنتے ہی مطالعہ کا شوق ہوا، کتاب اٹھائی اور
① علی و حسین صفحہ ۷

جیسے جیسے ورق گردانی کرتے گئے، شوق کا جوش ہوا ہوتا گیا۔ امید تو تھی کہ محدث الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر نقد ان کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا گیا ہوگا، جس میں ان سے علمی اختلاف کرنے کے باوجود ان کا احترام اور اسلوب بیان کی سنجیدگی کا خاص خیال پڑھنے کو ملے گا۔ لیکن افسوس کہ نہ ہر کوئی قاری محمد طیب ہوتا ہے اور نہ علامہ حبیب الرحمن الاعظمی۔ لوگ شخصیات پر نقد اپنے ظرف کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب میں علیت تو سرے سے موجود ہی نہ تھی، البتہ سنجیدگی و متانت سے بھی یہ کتاب عاری ہی نظر آئی جس میں محدث احناف علامہ الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کچھ اس طور سے کیا گیا ہے جیسے گلی محلے کی مسجد کے کسی عام مولوی کا تذکرہ ہو۔

گیاوی صاحب کی کتاب کے مندرجات تو دور کی بات صرف فہرست ہی دیکھ لی جائے تو معلوم چل جائے گا کہ اکابر اکابر کی رٹ لگانے والے اختلاف ہو جانے کی صورت میں سارا شرم و لحاظ اور مروت بالائے طاق رکھ کر خود اپنے اکابر کی کیسی مٹی پلید کرنے پر تمل جاتے ہیں۔ جب کہ اگر آپ علامہ حبیب الرحمن الاعظمی صاحب کی کتاب کا مطالعہ کریں تو آپ کو ادراک ہوتا ہے کہ کتاب شروع سے لے کر آخر تک نہ صرف اپنے اندر علیت و سنجیدگی رکھتی ہے بلکہ پوری کتاب میں کوئی ایک سطر ایسی نہیں نظر آتی جس میں قاری محمد طیب صاحب کی تنقیص یا ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ کئے بنا ان کے افکار پر نقد ہو جب کہ علامہ الاعظمی، قاری طیب صاحب کے ہم عصر اور تقریباً ہم عمر تھے، اور یہی ایک عالم خاصہ ہوتا ہے۔

دراصل جیسے یزید پر دشنام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گریبان تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ویسے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر نقد سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ اجمعین کی ذات پر

کلام کرنے کا راستہ مہیا کرتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں تینوں خلفاء کا انتخاب تھے۔ یہ روافض کی پرانی چال تھی، افسوس کہ اب اہلسنت بھی اس سے متاثر ہونے لگے ہیں۔ اسحق جہالوی، انجینئر محمد علی مرزا اور سلمان الحسینی ندوی اس کی جیتی جاگتی مثالیں ہیں جنہوں نے اہلحدیث اور دیوبندیوں میں ایک کثیر تعداد میں بڑی کامیابی سے رافضی کے جرائم منتقل کر دیئے ہیں اور یہ سب شروع ہوا تھا یزید پلید اور ملوکیت کے نعرے کی آڑ میں۔ حب اہل بیت کو جیسا کیش رافضی الفکر اہلسنت نے کیا ہے، اتنا تو شاید خود روافض بھی نہ کر سکے ہوں گے۔

یزید کا معاملہ صرف یزید تک رک جاتا تو کوئی بات بھی تھی، لیکن یہ معاملہ یزید سے ہوتا ہوا سیدنا عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عامر کریم رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کی تنقیص و تنقید تک پہنچ جاتا ہے جو کہ لامحالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن کو تر کرتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گرتے کو سامنے سے چاک کرنے کی جسارت کر بیٹھتا ہے۔ کسی کو یقین نہ آئے تو وہ ذرا سید مودودی کی ”خلافت و ملوکیت“، عبد المنان راسخ صاحب کی ”شان حسن و حسین رضی اللہ عنہما“ اور جلال الدین سیوطی کی ”تاریخ الخلفاء“ کی ورق گردانی کر جائے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ دشنام و تنقید کے اس سیلاب کو یزید پر ہی روک دینا چاہیے۔

پرافسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گیاوی صاحب کی کتاب میں بھی یہی اسلوب نظر آتا ہے جہاں وہ یزید کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو مجروح کرتے محسوس ہوتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی شراب نوشی اور بری عادات کا علم تھا اور انہوں نے اس کو یہ سب کھلے عام کرنے کے بجائے رات کے اندھیرے میں کرنے کی

ترغیب دی، اور انہوں نے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لیے طاقت اور مال دونوں کا استعمال کیا وغیرہ وغیرہ۔ گویا یزید کو پلید ثابت کرنے کے چکر میں گیا وی صاحب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی معاذ اللہ ثم معاذ اللہ بے کردار و بے ضمیر اور رشوت دینے والا ثابت کرنے پر متل گئے۔ پھر بات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تک ہی نہیں رکی بلکہ واقعہ حرہ کی تفصیلات میں تو گیا وی صاحب نے صحابہ و کبار تابعین پر مشتمل یزید کی شامی افواج کو بد کردار اور جنسی درندگی کا مرتکب تک قرار دے دیا اور ان پر مدینے کی ہزار خواتین کی عصمت درمی کا الزام تک دھر دیا جن میں گیا وی صاحب کے خیال میں کئی صحابیات بھی شامل تھیں۔ پھر اس الزام میں گیا وی صاحب اکیلے نہیں بلکہ موجودہ دور کے بہت سے مفکرین واقعہ حرہ سے متعلق یہ الزام دہراتے نظر آتے ہیں۔

یہ سارے حضرات بغض بنو امیہ میں ہر اس غیر ثابت روایت کی تشہیر کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں جس سے بنو امیہ کا بالعموم اور یزید کا بالخصوص دامن داغدار ہوتا ہو۔ یہ تمام حضرات اس غم میں ہلکان ہوئے جا رہے ہیں کہ واقعہ حرہ کے موقع پر شامی فوجوں نے مدینہ میں ایک ہزار عورتوں کی نہ صرف عصمت درمی کی بلکہ ان ایک ہزار عورتوں سے کئی ہزار بچے بھی متولد کروائے۔ قطع نظر اس بات کے کہ ہزار عورتوں کی عصمت درمی کی ان غیر ثابت روایتوں میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس کو صحیح تو دور کی بات حسن لغیرہ بھی کہا جاسکے، کیا کبھی ان حضرات نے خود سے اس واقعہ کے مندرجات کی تحقیق کرنے کی کوشش کی کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں سے ایک قرن کے مسلمانوں کو بدترین قسم کے فوجی جرائم میں ملوث قرار دینے والی اس کہانی کی اسنادی حیثیت کیا ہے، یہ ہم تک کس ذرائع سے پہنچی ہے اور اس کی صداقت کا اثبات تو

کجا محض امکان ہی کس حد تک قابل تسلیم ہے؟

حکومت قائمہ کی اطاعت سے انکار کرنے والے ایک قلیل گروہ کی سرکوبی کو اگر جنگ کہا جاسکتا ہے تو چلے اہل مدینہ کے باغیوں کے خلاف یزید کا عسکری اقدام جنگ ہی سہی، مگر یہ کوئی نئی جنگ تو نہ تھی جس کو خیر القرون کے مسلمانوں نے پہلی دفعہ لڑا ہو۔ اس سے آگے پیچھے مسلمانوں نے کئی جنگیں لڑیں، کفار کے خلاف ان کے دیار و امصار میں جا کر جہاد تک کیا لیکن ایسی قتل و غارت گری اور شہر کو مباح کرنے کی داستا نہیں، جیسے کہ واقعہ حرہ کے سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں، کبھی کفار کے خلاف جنگوں میں نہ سنائی دی گئیں۔ یہ وہی زمانہ تھا جب کچھ ہی دن ہوئے اسلام کے لشکر کافروں کی مملکتوں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، لیکن مفتوح قوموں کی حسیناؤں اور پری جمالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر تک نہ دیکھا، نہ ان کے شہروں کو مباح الدم قرار دیا، وہاں فاتحانہ داخل ہونے کے باوجود لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کی اجازت بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکی اور نہ ہی کسی کے ضمیر نے ایسا کرنا گوارا کیا تو پھر یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ اسی زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی سرکردگی میں مستغلبین کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے والے مسلمان مجاہدین اچانک ایسے بے حیا، بدکار اور سفاک ہو گئے کہ دیار رسول ﷺ میں لوٹ کھسوٹ، قتل عام اور بقول بعض پاک بیبیوں کی عصمتوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیں۔ حد ہوتی ہے ناسمجھی اور تعصب کی بھی۔ اللہ دروغ بانوں کو سمجھے، بڑی ہی ناپاک اور گھٹائی داستان ہے جو انہوں نے اہل بیت کی غالی عقیدت میں بنو امیہ کو ذلیل و رسوا کرنے کی خاطر گھڑی اور اس بات کا خیال بھی نہ کیا کہ بنو امیہ و یزید کو ظالم ثابت کرنے کے چکر میں اسلام کی بے مثال عسکری تاریخ کا دامن اس افسانہ طرازی کے ہاتھوں کیسا داغدار ہوا جاتا ہے۔

افسوس تو سید طاہر حسین گیا وی صاحب اور ان جیسے لوگوں پر ہے جو بعض علماء کے ان علمی تسامح کو اپنے استدلال کے لئے لے کر آتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ مدینہ پر لشکر کشی کرنے والی فوج میں بیشتر حضرات صحبت رسول ﷺ سے متصف تھے اور باقی کی اکثریت جلیل القدر تابعین پر مشتمل تھی۔ بقول مورخ المسعودی فبعث الیہم یزید مسلم بن عقبہ المری فی اربعة الاف ① یعنی یزید نے مسلم بن عقبہ المری کو چار ہزار فوج لے کر بھیجا۔ ان مسلم بن عقبہ المری کو بعض اہل علم نے صحابی بتایا ہے جبکہ ان کے زیر کمان جو دوسرے افسران ایک ایک ہزار کے دستوں کی قیادت کر رہے تھے ان میں سے سیدنا عبداللہ بن سعدۃ الفزازی رضی اللہ عنہ جو کہ مجاہدین دمشق کے کماندار تھے، کی بابت ابن حجر نے صحابیت کا امکان ظاہر کیا ہے جبکہ دوسری ہزار پر متعین کماندار سیدنا حصین بن نمیر السکونی کو ابن عساکر، ابوعلی مسکویہ، امام قرطبی وغیرہ نے صحابی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی کتابت کرنے والا بتایا ہے جس کی بابت ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ جلد اول میں حصین بن نمیر کے ترجمہ میں نشاندہی کی ہے، اسی طرح تیسری ہزار پر متعین سیدنا عبداللہ بن عصام الاشعری رضی اللہ عنہ جو کہ اہل اردن کے کماندار تھے، انکا ذکر ابن حجر نے الاصابہ میں صحابہ کے ذیل میں کیا ہے۔ اب جس فوج میں چار کماندار شرف صحابیت سے متصف ہوں، ان کی بابت یہ قیاس کرنا کہ انہوں نے اپنی فوج کو مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کی اجازت دے رکھی تھی جس کے تحت افواج شام نے تین دن تک مدینہ میں قتل و غارتگری کا بازار گرم رکھا تھا، شرف صحابیت سے بے اعتنائی اور سبائی پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے کا شاخسانہ ہی ہو سکتا ہے اور افسوس کہ گیا وی صاحب کی پوری کی پوری کتاب اسی سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کا بدیہی نتیجہ ہے۔

① التنبیہ والاشراف صفحہ ۳۰۴.

آمد برسر مطلب! سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب پڑھتے ہی ارادہ کیا کہ اس کتاب پر نقد لکھا جائے کیونکہ کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی ایک مخصوص طبقے کی طرف سے اس کتاب سے متعلق کافی شور شرابہ شروع کر دیا گیا تھا کہ محدث الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا شافی و کافی جواب گیاوی صاحب نے دے دیا ہے اور اس سلسلے میں علامہ الاعظمی صاحب کے سارے مغالطے رفع کر دیئے گئے ہیں۔ جب ایسے بلند باگ دعوے سننے کو ملے تو پھر سوچا کہ گیاوی صاحب کی کتاب کی علمی حیثیت کی اچھے سے وضاحت کر دی جائے۔ لیکن ابھی یہ ارادہ دل سے نکل کر قسط اس پر منتقل نہ ہونے پایا تھا کہ حافظ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس متعلق سلسلہ وار تحاریر پڑھنے کو ملیں۔ تحاریر پڑھتے جاتے اور حافظ عبید اللہ کو دل سے دعائیں دیتے جاتے کہ انہوں نے گیاوی صاحب کے بودے استدلال کے تار بود تسلی و تھنی کے ساتھ اکھیز کر رکھ دیئے ہیں۔ سو خود کتاب پر نقد لکھنے کا ارادہ ملتوی کیا اور حافظ عبید اللہ صاحب سے اجازت چاہی کہ وہ اس سلسلہ تحاریر کو حارث پہلی کیشنز کی طرف سے شائع کرنے کی اجازت دیں جو کہ انہوں نے بخوشی عنایت کر دی اور سو یوں یہ واقعہ نقد بصورت کتاب آپ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ سکا۔

حافظ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ مشہور حنفی عالم مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے سن ۱۹۸۹ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی سے گریجویٹیشن کیا۔ کچھ عرصے اسلام آباد کی ایک اسلامی جامعہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور پھر معاش کے سلسلے میں ابوظہبی متحدہ عرب امارات منتقل ہو گئے جہاں سترہ سال تک آپ بطور ہیومن

ریسورس کو آرڈینیٹر مختلف حکومتی اداروں میں کام کرتے رہے۔ آپ کی اب تک تین عدد علمی و وسیع کتب شائع ہو کر علمی حلقوں سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں جن میں ”مطالعہ قادیانیت“، ”روایات نزول عیسیٰ ابن مریم اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ“ اور ”تعارف حضرت مہدی علیہ الرضوان اور مرزا قادیانی کے دعوائے مہدیت کی حقیقت“ شامل ہیں جبکہ حارث پبلی کیشنز سے آپ کی ایک کتاب ”جدید سبائی گروہ کا علمی تعاقب“ بصورت پی ڈی ایف شائع کی جا چکی ہے۔

تاریخ آپ کا خاص میدان ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ اس سلسلے میں اب استناد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مشاجرات صحابہ سے متعلق نہایت نئی تلی اور محتاط گفتگو کرنے کے قائل ہیں اور اسی ضمن میں آپ کے اکثر مضامین فیس بک پر نشر ہوتے رہتے ہیں۔ حارث پبلی کیشنز کے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ آپ کی تحقیق ادارے سے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے اول اس اللہ عزوجل کے حضور شکر گزار ہوں کہ اس مالک نے اس احقر کو اس قابل بنایا کہ وہ یہ کام کر سکے۔ اگر اس کی مدد شامل حال نہ ہو تو کوئی کام ممکن نہیں۔ اسی کے کرم سے یہ کام ہو سکا ہے اور اس کام کی ہر اچھائی صرف اسی ذات باری تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ اس مالک گل کے شکر یہ کے بعد اپنے عزیز دوست محترم راشد جمال، محمد صہیب نذیر اور بلال احمد رادو کا شکر یہ ادا کروں گا کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچانا ناممکن تھا۔ ان کی ہمت اور ساتھ رہا کہ یہ کام ہو سکا۔ اللہ اس دوستی اور ساتھ کو ہمیشہ بنائے رکھے۔ ساتھ ہم محترم جناب حافظ عمران رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت ممنون ہیں کہ انہوں نے نہایت وقت

نظری سے تحریری مواد کی فارمیٹنگ کر کے نہایت کم وقت میں جدید کمپیوٹرائز کمپوزنگ کے قالب میں ڈھالا۔ اس کے لئے ہم ان کے بے حد شکرگزار ہیں۔

کسی بھی کام میں کمال صرف اس ذاتِ بے ہمتا کو ہی سزاوار ہے، مخلوق کا کام تو غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی کوئی کمی نہ رہ جائے، تاہم اس کے باوجود اگر کوئی کمی یا غلطی رہ جائے تو قارئین سے التماس ہے کہ اس بابت مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر تنقید کو سر آنکھوں پر رکھا جائے گا۔

محمد فہد حارث

۱۸ نومبر ۲۰۱۹ء

دہلی، متحدہ عرب امارات

پیش لفظ

قارئین محترم! کافی عرصہ سے شنید تھی کہ مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شہید کربلاء و یزید پر انہی کے ہم عصر محدث جلیل و محقق کبیر اور قاری صاحب کے دور اہتمام میں ہی ممبر مجلس شوری دارالعلوم دیوبند علامہ حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کیے گئے خالص علمی و تحقیقی تبصرہ کا جواب کوئی صاحب لکھ رہے ہیں، آخر کار ایک کتاب موصول ہوئی جس کا نام ہے:

”شہید کربلا اور کردار یزید۔ محدث اعظمی کی کتاب“ تبصرہ بر شہید کربلا و یزید کا علمی محاسبہ“
مصنف کا نام لکھا ہے:

”مولانا سید طاہر حسین گیاوی“ اور ”مکتبہ نعیمیہ دیوبند“ سے ۲۰۱۸ء مطابق ۱۴۳۹ ہجری میں شائع ہوئی ہے، کتاب ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور کتاب کی پشت پر قیمت لکھی ہے ۱۴۰ (انڈین روپے)۔

توقع تھی کہ جیسے محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا، قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر کیا گیا تبصرہ خالص علمی، تحقیقی، محدثانہ اور فقہانہ تھا، اسی طرح گیاوی صاحب کی کتاب بھی ”علمی و تحقیقی“ ہوگی، لیکن کتاب کی پہلی بحث میں ہی مصنف نے متفق علیہ کذاب، متروک، جلا بھنا شیعہ (بعض کے نزدیک رافضی)، تالف اور ہالک لوط بن یحییٰ المعروف بابی مخنف کی ایک روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ:

”اس میں ایک راوی ابو مخنف ہے جس کا اصل نام لوط بن یحییٰ ہے اور وہ غیر معتبر راوی ہے (صرف غیر معتبر نہیں بلکہ کذاب ہے۔ ناقل) اس کے بارے میں ابن عدی فرماتے ہیں شیعی محترق کہ جلا بھنا شیعہ ہے، لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سند پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ خاموشی سے گزر گئے جو روایت قبول کرنے کی علامت ہے“^①۔

تو اندازہ ہو گیا کہ یہ کیسا ”علمی محاسبہ“ ہوگا، کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صرف طبری کی ایک روایت کی طرف اشارہ فرمایا تھا، کہ طبری نے ایک روایت ذکر کی ہے، اور طبری میں اس روایت کا راوی ”ابو مخنف لوط بن یحییٰ کذاب“ تھا، تو گیا وی صاحب نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس روایت کی طرف اشارہ فرمانے کو ”روایت قبول کرنے کی علامت“ قرار دے دیا..... اور پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ اگلے دو تین صفحات گیا وی صاحب نے یہ ثابت کرنے پر سیاہ کر ڈالے کہ اس ”ابو مخنف“ میں صرف ”تشیع“ تھا، وہ رافضی نہ تھا، کیونکہ یہ سنہ ۷۰ ہجری (درست ۱۷۰ ہجری ہے، شاید کتابت کی غلطی ہے۔ ناقل) سے پہلے انتقال کر چکا ہے اور دوسری صدی ہجری سے پہلے جو شیعہ راوی گزرے ہیں وہ رافضی نہیں تھے اور محدثین نے دوسری صدی سے پہلے والے شیعہ کی روایت کو قبول فرمایا ہے (پھر ایک راوی ”ابان بن تغلب“ کی مثال دینے کے بعد کہ محدثین نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے، گیا وی صاحب اپنا استدلال یوں قائم کرتے ہیں کہ)

”ابان بن تغلب جس کی وفات ۲۳۰ یا ۲۳۱ ہجری میں ہوئی اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ جس کی وفات ۱۷۰

① گیا وی صاحب کی کتاب، صفحہ ۱۳.

ہجری سے کچھ قبل ہی ہوئی اس کی روایت کیوں قبول نہ کی جائے گی حالانکہ

وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے۔^①

پھر جوں جوں اگلے صفحات الٹتا گیا، میرا اندازہ درست ثابت ہوتا گیا، ”علمی محاسبہ“ کے نام پر تلبیس اور باطل روایات کو صحیح ثابت کرنے پر اصرار ہی نظر آیا، اور کتاب کے آخری صفحات میں جب میں نے گیاوی صاحب کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھے گئے یہ الفاظ پڑھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کے لیے ”زور اور زر کا بھی استعمال کیا“۔^② تو میں سمجھ گیا کہ گیاوی صاحب کے خیالات و نظریات کیا ہیں، اس لیے مجبوراً مجھے قلم اٹھانا پڑا تاکہ یزید کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر کچھ اچھالنے والوں کے دلائل کا صحیح معنوں میں علمی محاسبہ کرویا جائے، و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

گیاوی صاحب نے ایک جگہ ”محمد بن عمر واقدی“ (وضاح، کذاب، بالاجماع ضعیف اور متروک الحدیث) کی ایک روایت سے استدلال کر کے، یہ الفاظ لکھے ہیں:

”محمد بن عمر واقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر اور بالکل کنڈم راویوں میں سے نہیں ہیں، اس کی ایک سند میں ابوحنیف لوط بن یحییٰ بھی ایک راوی گذر چکے ہیں (جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں عام ضعیف نہیں بلکہ جھوٹے اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے ہیں۔ ناقل) اور یہ قاعدہ اصول حدیث کا آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب دو مختلف سندوں میں الگ الگ دور راوی ضعیف ہوں تو تعدد طرق کی بنیاد پر روایت قابل اعتبار ہو

① صفحہ ۱۲۱

② گیاوی صاحب کی کتاب: ص ۱۳.

جاتی ہے اور ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے احکام میں استدلال کرنا جائز ہو جاتا ہے۔^①

ملاحظہ فرمائیں! یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب دو ’کذاب اور جھوٹے‘ راوی ایک ہی بات الگ الگ روایت میں بیان کریں تو یہ ’دونوں جھوٹے‘ مل کر اس روایت کو ’قابل اعتبار‘ بنا دیتے ہیں، اور پھر اس روایت سے صرف تاریخی واقعات میں نہیں بلکہ ’احکام‘ میں بھی استدلال جائز ہو جاتا ہے۔ یہ پڑھ کر میرا اندازہ یقین میں تبدیل ہو گیا کہ یہ ’علمی محاسبہ‘ ہرگز نہیں، بلکہ صرف صفحات کا پیٹ بھرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ’ہم نے محدث اعظمی کے تبصرہ کا جواب دے دیا ہے‘۔

بہر حال! سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی ان سب باتوں کا ’حقیقی علمی و تحقیقی محاسبہ‘ تو ان شاء اللہ آگے آئے گا، واضح رہے کہ یہی گیاوی صاحب، محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک جگہ مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

”..... جو اباً عرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جو جملہ نقل فرمایا ہے کیا اس واقعہ کے لئے کوئی قابل اعتبار سند ذکر کی ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرمائیں۔“^②

لہذا ہم بھی گیاوی صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ بھی اپنی کتاب میں پیش کردہ روایات کی قابل اعتبار اسناد اور راویوں کی حیثیت واضح فرمائیں۔

میرا یہ مضمون چونکہ سید طاہر حسین گیاوی صاحب کی کتاب کا کوئی مفصل جواب

① صفحہ ۵۹۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: ص ۲۲۔

یا رد نہیں ہے بلکہ ان کی کتاب پر ایک ”تبصرہ“ یا ”نقد“ ہے، اس لیے ہم اس مضمون کو حتی الامکان مختصر رکھنے کی بھی کوشش کریں گے اور صرف گیاوی صاحب کی پیش کردہ ”تحقیقات“ اور ”استدلالات“ پر ہی توجہ مبذول رکھیں گے، تاہم مضمون شروع کرنے سے پہلے چند اہم باتیں پیش نظر رہنی ضروری ہیں۔

۱۔ مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک دوسرے کے ہم عصر اور تقریباً ہم عمر تھے، قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے تین چار سال بڑے تھے، کیونکہ قاری طیب صاحب کی ولادت سنہ ۱۸۹۸ء کی ہے اور محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ۱۹۰۱ء کی ہے، قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی دارالعلوم کی مجلس شوری کے رکن رہے، جبکہ ہماری زیر تبصرہ کتاب کے مصنف مولانا سید محمد طاہر حسین گیاوی صاحب کی ولادت ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۳۷ء کی ہے (جیسا کہ اسی کتاب کے تعارف میں مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی صاحب نے لکھا ہے)، لہذا مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر تبصرہ ”ایک ہم عصر عالم“ کا تبصرہ ہے، اور گیاوی صاحب کا تبصرہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر ان سے تقریباً نصف صدی بعد میں پیدا ہونے والے ایک آدمی کا تبصرہ ہے، یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ کوئی مجھ پر یہ اعتراض نہ کرے کہ تم مولانا سید محمد طاہر گیاوی صاحب جیسے بزرگ کی کتاب پر تبصرہ کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

۲۔ گیاوی صاحب کی کتاب کے شروع میں کسی ”مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی“ صاحب نے کتاب کا تعارف کروایا ہے، جس میں لکھا ہے کہ ”مولانا محمد طاہر حسین صاحب

گیا وی علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس محدث جلیل اور محقق کبیر علامہ حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا مولانا گیا وی صاحب (بزعم خود) علمی محاسبہ فرما رہے ہیں، ان کا مختصر تعارف بھی جان لیا جائے کہ وہ کون تھے؟

یہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں:

جنہیں علامہ زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ "العلامة الاوحد والنحیر المفرد" لکھا کرتے تھے۔

جنہیں شیخ الازہر، امام اکبر شیخ عبداللطیم محمود رحمۃ اللہ علیہ نے "اکبر علماء العالم الاسلامی" (عالم اسلام کے سب سے بڑے عالم) کا خطاب دیا تھا۔

جنہوں نے اپنی پہلی ملاقات میں "أنا حبیب الرحمن الاعظمی من الہند" کہہ کر اپنا تعارف کروایا تو ان کے لیے علامہ مجد شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ احتراماً اپنی نشست سے کھڑے ہو گئے اور مولانا اعظمی کو اپنی نشست پر بٹھایا۔

جن کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ولی اللہ ثانی کہا۔

جن کے بارے میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تجویز منظور کروائی کہ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے جب بھی کوئی فقہی مسئلہ پیش ہو تو محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی سے استصواب رائے کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

جنہیں محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ "اپنے وقت کا عظیم محدث" فرمایا کرتے تھے۔

جنہیں استاذی المکرم شیخ عبد الحمید سواتی نور اللہ مرقدہ نے ”فخر المحدثین، سید الفقہاء، تاج العلماء اور رئیس المحدثین“ لکھا۔^①

۳۔ تیسری بات یہ ذہن میں رہنی ضروری ہے کہ جب محدثین یا محققین کسی روایت کے بارے میں ”اسنادہ صحیح“ کہیں یا یوں کہیں کہ ”اس کے تمام راوی ثقہ ہیں“ تو اس کا لازماً یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث یا روایت ”صحیح“ بھی ہے۔ یہ اصول حدیث سے نا بلند کئی لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ ”صحیح الاسناد“ اور ”صحیح“ حدیث کا فرق بھی نہیں جانتے۔ محدثین کے نزدیک ”اسنادہ صحیح“ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ حدیث صحیح بھی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لَا تَنْهَى لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ رِجَالِهِ ثِقَاتٍ أَنْ يَكُونَ صَحِيحًا“

یعنی روایت کے تمام راوی ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت بھی صحیح ہے۔^②

اسی طرح علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”وَقَدْ يَكُونُ الْإِسْنَادُ كُلُّهُ ثِقَاتٍ وَيَكُونُ الْحَدِيثُ مَوْضُوعًا“^③

کبھی کسی سند کے سارے راوی ثقہ ہوتے ہیں لیکن حدیث اس کے باوجود موضوع ہوتی ہے۔

لہذا یہ عین ممکن ہے کہ کسی روایت کی جتنی سند ذکر کی گئی ہو وہ تمام راوی تو ثقہ ہوں لیکن مثلاً جو واقعہ اس روایت میں بیان ہو رہا ہے وہ بیان کرنے والے راوی نے

① بحوالہ: حیات ابوالعالمین طبع مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، صو، انڈیا۔

② التلخیص الحبیبر، جلد ۳ صفحہ ۳۸ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت۔

③ الموضوعات لابن الجوزی، جلد ۱ صفحہ ۹۹ طبع المكتبة السلفية، المدينة المنورة۔

اس کا زمانہ پایا ہی نہ ہو، یا کوئی مؤرخ یا مصنف کسی راوی کے حوالے سے کوئی روایت نقل کرے اور پھر اس سے آگے کی سند تو ذکر کرے اور وہ تمام راوی ثقہ بھی ہوں، لیکن اس مصنف یا مؤرخ نے جو سب سے پہلا راوی ذکر کیا ہے اس کے اور مصنف کے درمیان ایک طویل زمانہ ہو اور اس کی سند غائب ہو، تو ایسی روایت باوجود اس کے کہ اس کی جو سند نقل کی گئی ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہوں لیکن یہ روایت صحیح شمار نہ ہوگی۔ یہ بات میں نے اس لیے بیان کرنا ضروری سمجھا کہ مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے یہ غلط فہمی دینے کی کوشش کی ہے یا خود انھیں یہ غلط فہمی لگی ہے کہ ایک روایت نقل کرتے ہیں اور پھر بڑا زور دے کر لکھتے ہیں کہ

”اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔“

اور اس کے بعد اس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ

”یہ روایت صحیح ہے“..... جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس روایت میں انقطاع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ روایت قابل قبول اور صحیح شمار نہیں ہو سکتی۔ بلکہ گیاوی صاحب نے تو ایک نئی اصطلاح ”صحیح منقطع السند روایت“ کی بھی ایجاد کی ہے (اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی)۔

۴۔ چوتھی بات یہ بھی جانتا از حد ضروری ہے کہ علم جرح و تعدیل میں صرف ان اشخاص سے بحث کی جاتی ہے جنہوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ لیا ہے، اور جن لوگوں نے احادیث روایت کرنے میں حصہ نہیں لیا ان سے عام طور پر اس فن میں بحث نہیں ہوتی، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، نیز کسی بھی راوی کو ثقہ کہنے کے لیے دو چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، نمبر ۱: عدالت اور نمبر ۲: ضبط۔ عام طور پر ان دونوں چیزوں کا فیصلہ راوی کی بیان کردہ روایات (مرویات) کو

دیکھ کر ہوتا ہے، جب ایک راوی ایسی روایات بیان کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایات کے مطابق ہوں تو ایسے راوی کو ثقہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ روایات کی موافقت جہاں اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ راوی ”ضابط“ ہے یعنی اس کا حافظہ ٹھیک ہے، وہیں اس بات کی بھی دلیل ہوتی ہے کہ راوی عادل بھی ہے کیوں کہ اس نے روایات میں تبدیلی نہیں کی، یعنی عام طور پر راوی کی عدالت اور ضبط کا فیصلہ اس کی مرویات کی بنا پر ہی ہوتا ہے، جب راوی کی توثیق یا تضعیف کے لئے عام طور سے راوی کی مرویات کو ہی بنیاد بنایا جاتا ہے تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ کسی راوی کی توثیق و تضعیف کے لیے ضروری نہیں ہے کہ توثیق یا تضعیف کرنے والا اس راوی کے دور کا ہو، کیوں کہ جب روایات دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی دور کا ناقد محدث کسی بھی دور کے راوی کی مرویات کا استقراء کر کے اس کے بارے میں ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ راوی کی روایات کو پرکھ کر راوی کے بارے میں فیصلہ دینا اجتہادی معاملہ ہوتا ہے اور فقہی اجتہاد کی طرح جرح و تعدیل کے اس اجتہاد میں بھی مجتہد سے خطا و صواب دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی راوی سے متعلق ناقدین کے اقوال میں اختلاف ہو جاتا ہے کیوں کہ ہر ناقد اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ دیتا ہے، یہ بات علماء اسماء الرجال نے وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔

مثلاً امام بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فَلَا شَكَّ أَنْ فِي الْجُرْحِ وَالتَّعْدِيلِ صَرْبَيْنِ مِنَ الإِجْتِهَادِ وَأئِمَّةِ النُّقْلِ

يَخْتَلِفُونَ فِي الْأَكْثَرِ لِبَعْضِهِمْ يُوَلِّقُ الرَّجُلَ إِلَى الْغَايَةِ وَيَعْضُهُمْ يُوَهِّنُهُ إِلَى الْغَايَةِ وَهِيَ إِمَامَانِ إِلَيْهِمَا الْمَرْجِعُ فِي هَذَا الشَّأْنِ قَالَ التِّرْمِذِيُّ اخْتَلَفَ الْأَيْمَّةُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَضْعِيفِ الرِّجَالِ كَمَا اخْتَلَفُوا فِي مَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْعِلْمِ ①

”اس میں شک نہیں کہ جرح و تعدیل میں بھی دو طرح کا اجتہاد ہوتا ہے اور ائمہ نقل کا اکثر اختلاف ہو جاتا ہے، چنانچہ ان میں سے کوئی ایک راوی کی حد درجہ توثیق کر دیتا ہے اور کوئی دوسرا اسی راوی کی حد درجہ تضعیف کر دیتا ہے، جبکہ وہ دونوں اس فن کے امام اور مرجع شمار ہوتے ہیں، امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ رجال (راویوں) کی تضعیف میں ائمہ کا اختلاف ایسے ہی ہے جیسے اس کے علاوہ دوسرے علوم میں ان کا اختلاف ہے۔“

تاہم کبھی کبھار راوی کی عدالت کے سلسلے میں راوی کے اخلاق اور ذاتی کردار کو بھی پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں یہ شہادت مل جائے کہ وہ دین دار اور متقی تھا تو اس کی تعدیل کی جاتی ہے، یا اس کے برعکس کسی راوی کے بارے میں یہ مل جائے کہ وہ فاسق یا شرابی یا زانی یا بددین تھا وغیرہ تو اس پر جرح کی جاتی ہے اور یہ معاملہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اجتہاد پر، اس لئے اس معاملے میں شہادت اور گواہی کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے، نیز اس طرح کی شہادت اور گواہی دینے کا حق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جو راوی کے ہم عصر ہوں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شہادت کو بنیاد بنا کر جب محدثین جرح و تعدیل کرتے ہیں تو اس بارے میں صرف معاصرین ہی کی

① النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح، ج ۳ ص ۳۱ طبع الرياض.

شہادت و گواہی قبول کرتے ہیں، نیز معاصرین سے بھی اس کا بسند صحیح نقل ہونا ضروری سمجھتے ہیں، بصورت دیگر اس طرح کی باتوں کو رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کی ہم نوائی بعد کے کسی بڑے سے بڑے امام ہی نے کیوں نہ کی ہو۔

۵۔ پانچویں بات یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی ذات اور کردار پر کوئی الزام ثابت کرنے کے لیے قطعی، قوی اور شریعت کے ضابطہ کے مطابق ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ اس الزام سے اس کی براءت کے لیے شک اور احتمال ہی کافی ہوتا ہے، لہذا قطعی و قوی ثبوت الزام لگانے والے کو فراہم کرنا ہوتا ہے، نہ یہ کہ ملزم سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی براءت کے لیے قطعی ثبوت فراہم کرے، مثلاً اگر کوئی کسی پر یہ الزام لگائے کہ یہ ”شرابی“ ہے تو اس کا قطعی و شرعی ثبوت اور شہادت الزام لگانے والے کے ذمہ ہے، اگر وہ ایسا ثبوت یا قطعی شہادت پیش کر دے تو ملزم پر شرعی حد جاری ہوگی، لیکن اگر الزام لگانے والا کوئی قطعی ثبوت یا شرعی شہادت پیش نہ کر سکے تو الٹا شریعت اس پر حد قذف لگاتی ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ کوئی کسی پر ”شرابی“ ہونے کا الزام لگائے اور جب اس سے شرعی ثبوت مانگا جائے تو وہ الٹا یہ مطالبہ کرے کہ:

”میں نے جس پر الزام لگایا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ شرابی نہیں بلکہ ایک نیک آدمی ہے، اور اگر وہ اپنا نیک ہونا ثابت نہ کر سکے تو میرا الزام درست سمجھا جائے۔“

۶۔ چھٹی بات یہ مد نظر رہے کہ غلط فہمی کسی کو بھی ہو سکتی ہے، حتیٰ کہ صحابی کو بھی ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر ایک صحابی سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کے پاس صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، وہ

لوگ آپ کے استقبال کے لیے اپنے اسلحہ کے ساتھ نکلے تو سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کو شاید کسی نے یہ کہہ دیا کہ یہ لوگ آپ سے لڑائی کے لیے نکلے ہیں، چنانچہ آپ وہیں سے واپس ہو گئے اور آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے آکر خبر دی کہ وہ مرتد نہیں ہوئے بلکہ اسلام پر ہی ہیں۔

"أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَهُ مَصْدَقًا إِلَى بَنِي الْمِصْطَلِقِ، فَعَادَ، فَأَخْبَرَ عَنْهُمْ أَنَّهُمْ ارْتَدَوْا وَمَنَعُوا الصَّدَقَةَ، وَكَانُوا خَرَجُوا يَتَلَقُونَهُ وَعَلَيْهِمُ السَّلَاحُ، فَظَنُّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا يِقَاتِلُونَهُ، فَرَجَعَ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فَأَخْبَرَهُ بِأَنَّهُمْ عَلَى الْإِسْلَامِ" ①

مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی واقعہ میں سورۃ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْحَبُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ لِيَصِحَّ لِلَّذِينَ آمَنُوا ②﴾

لہذا جب صحابی کو کسی معاملے میں غلط فہمی لگ سکتی ہے تو غیر صحابی کو بطریق اولیٰ لگ سکتی ہے۔ نیز واقعہ اقلک میں (جب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی، جس کا ذکر سورۃ النور میں ہوا ہے) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان منافقین کے پر و پیگندہ سے متاثر ہو جانا بھی ثابت و مسلم ہے۔

نوٹ: سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ سے متعلقہ مذکورہ واقعہ کے ثبوت پر سنداً و امتناً کسی لوگوں نے اشکال پیش کیا ہے اور بعض نے اس واقعہ کا سرے سے انکار کیا ہے، ہم نے

① الاصابہ فی تمييز الصحابة، ج ۶، ص ۸۱، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

یہاں یہ بات گیاوی صاحب کے موقف کو سامنے رکھتے ہوئے ذکر کی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک کسی روایت کے بہت سے ضعیف طرق ہوں تو وہ سب مل کر روایت میں قوت پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے:

”محمد بن عمرو اقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر اور بالکل کنڈم راویوں میں سے نہیں ہیں، اس کی سند میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ بھی ایک ضعیف راوی گذر چکے ہیں اور یہ قاعدہ اصول حدیث کا آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب دو مختلف سندوں میں الگ الگ دو راوی ضعیف ہوں تو تعدد طرق کی بنیاد پر روایت قابل اعتبار ہو جاتی ہے اور ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے احکام میں استدلال کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس لیے ابو مخنف کے ساتھ اقدی کا ہونا سند میں قوت پیدا کر دیتا ہے“۔^①

لہذا اور کسی کو اس واقعہ پر کوئی اشکال ہو یا نہ ہو، گیاوی صاحب کے لیے اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، نیز گیاوی صاحب کے مدوح سید لعل شاہ صاحب بخاری (جن کی کتاب سے گیاوی صاحب نے خوب استفادہ کیا ہے) انہوں نے سورۃ الحجرات کی آیت مذکورہ کا شان نزول سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہی تسلیم کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ آیت میں ”فاسق“ سے مراد، سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ وہ شخص ہے جس نے انہیں یہ غلط خبر دی تھی کہ بنی المصطلق مرتد ہو چکے ہیں۔^②

لہذا یہ مثال ہم گیاوی صاحب اور ان کے مدوح لعل شاہ صاحب کے موقف کے پیش نظر پیش کر رہے ہیں۔

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۲۔

② دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۵۵-۵۶۔

۷۔ ساتویں بات یہ یاد رکھنی چاہیے کہ ضروری نہیں کہ ہر وہ بات جو لوگوں میں مشہور ہو جائے وہ سچ بھی ہو، بعض روایتیں بہت مشہور ہوتی ہیں اور واعظین و خطباء انہیں اکثر بیان کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ضعیف یا موضوع ہوتی ہیں، اس کی مثالیں تو بہت سی ہیں، لیکن ہم یہاں گیاوی صاحب کے مدوح سید لعل شاہ صاحب کی پیش کردہ دو مثالیں ہی ذکر کرتے ہیں، پہلی مثال تو شاہ صاحب نے وہ روایت پیش کی ہے جس میں ہے:

"اصحابی کالنجوم باہم اقتدیتم اہتدیتم"

لعل شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

"یہ روایت عرفاً مشہور ہے یعنی زبان زد خلایق ہے"

مگر محدثین کے نزدیک اصطلاحی مشہور نہیں بلکہ خبر واحد ہے اور ضعیف ہے، تمام محدثین کا اس روایت کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے اور بعض ائمہ نے اسے موضوع بھی کہا ہے۔

جبکہ دوسری مثال وہ روایت پیش کی ہے جس میں ہے کہ

"سیدنا علیؑ کے لیے سورج بعد غروب ہونے کے لوٹا یا گیا تھا"

اور لکھا ہے کہ:

"یہ روایت بھی زبان زد خلایق ہے بہت سے لوگ اسے مشہور سمجھتے ہیں،

امام طحاوی نے اس کی تصحیح بھی کی ہے حالانکہ یہ روایت ساقط الاعتبار ہے،

اس روایت کے اکثر رواۃ مجاہل، مجروحین اور بد عقیدہ رافضی ہیں" ①

لہذا کسی بات کا صرف مشہور ہو جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسے متواتر کا نام

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۳-۳۴

دے کر عقیدہ کا درجہ دے دیا جائے۔

۸۔ آخوس بات یہ ملحوظ رہے کہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ
أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۗ﴾^①

”اے ایمان والو مضبوط کھڑے رہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے، اگرچہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔“

نیز دوسری جگہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَتَانُ قَوْمٍ عَلَىٰ الْآخَرِينَ لَوْ عَادَلُوا وَعَدِلْتُمْ ۚ إِنَّهُم قَوْمٌ يَتَّقُونَ...﴾^②

”اے ایمان والو کھڑے ہو مضبوط اللہ کے لیے انصاف کے گواہ بن کر اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے، انصاف ہی کرو کہ یہ قرین تقویٰ ہے“

اسلام کی اس واضح اور صریح تعلیم کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں تو اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ صحابی اور غیر صحابی کے لیے ہمارے پاس الگ الگ ترازو اور الگ الگ باٹ ہوں، ہاں شرف صحابیت اور مقام صحابیت اور صحابہ کے فضائل و مناقب اپنی جگہ حق ہیں، لیکن جہاں احکام شریعت اور دین کے اصول و ضوابط کی بات آئے گی تو ان کا اطلاق ہر مسلمان پر ہوگا۔

قارئین محترم! یہ تمام نکات اگر آپ کے ذہن میں مستحضر رہیں تو آئندہ سطور

① النساء: ۱۳۵۔

② المائدہ: ۸۔

میں جو ہم مولانا سید طاہر حسین گیاومی صاحب کی کتاب اور ان کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لینے جا رہے ہیں اسکے بارے میں آپ درست طور پر فیصلہ کر سکیں گے کہ ہمارا جائزہ اور نقد اصولی اور عدل و انصاف پر مبنی ہے یا نہیں۔

حافظ عبید اللہ

اسلام آباد ۲۷ ستمبر ۲۰۱۹

h.ubaid153@gmail.com

کچھ مولانا سید طاہر حسین گیاوی اور ان کی کتاب کے بارے میں

قارئین محترم! مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے اپنی کتاب کا نام یوں لکھا ہے:

”شہید کربلا اور کردار یزید“

محدث اعظمی کی کتاب ”تبرہ بر شہید کربلا اور یزید کا علمی محاسبہ“

کتاب کے شروع میں ”مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی“ نے چار صفحات، کتاب

اور صاحب کتاب کے تعارف میں لکھے ہیں، جس میں انہوں نے لکھا ہے:

”مولانا سید طاہر حسین گیاوی علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں،

انہوں نے اپنی زندگی صراط مستقیم کی وضاحت، اہل سنت والجماعت کے

افکار و نظریات کی تشریح اور باطل نظریات کی تردید اور ان کا لوہا پالنے

میں گذاری ہے، انہوں نے اس اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے

حقیقی موقف کا جائزہ لیا ہے اور اس شان کی تحقیق پیش کی ہے کہ منصف

انسان اسے قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا، تاریخی روایتوں میں رد و قدح کا

انداز خالص علمی ہے..... مولانا نے روایتوں کے فرض و قبول میں

جانبداری سے گریز کیا ہے اور بہت حد تک اعتدال کا دامن تھام رکھا

ہے..... میں نے ان روایتوں کی اصل مراجع سے مطابقت کے لیے نظر ثانی

کی ہے..... حق بات یہ ہے کہ اس شان کی کتاب محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی

طرف سے آئی چاہئے تھی وہ اس کے حق دار تھے کہ روایتوں میں صحیح اور

سقیم کا فرق کرتے اور معتدل انداز گفتگو اختیار کرتے جو ان کی شناخت

رہی ہے لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہو سکا“^①۔

قارئین محترم! کتاب کا تعارف کروانے والے مولانا نوشاد نوری قاسمی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب نے اس کتاب میں ایسی تحقیق پیش کی ہے کہ منصف انسان اسے قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۲۔ تاریخی روایتوں میں رد و قدح کا ان کا انداز خالص علمی ہے۔

۳۔ انہوں نے روایتوں کے رفض و قبول میں جانبداری سے گریز کیا ہے اور بہت حد تک اعتدال سے کام لیا ہے۔

۴۔ دراصل محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو چاہیے تھا کہ وہ روایتوں میں صحیح و سقیم کا فرق کرتے اور اعتدال سے کام لیتے جو کہ ان کی شناخت رہی ہے لیکن افسوس انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

اس کے بعد خود مصنف کتاب (مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب) نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

۵۔ ”ان کا (یعنی مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ ناقل) یہ تبصرہ (جو قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر انہوں نے کیا۔ ناقل) تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہے، ولی اللہی جماعت اس تبصرہ کو رد کرتی ہے، اور اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں“^②۔

اور پھر خود یہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ:

۶۔ ”کسی بھی تصنیف کا حرف بحرف صادق ہونا ضروری نہیں ہے، اس میں کہیں نہ کہیں

① ایضاً صفحہ ۱۰۔

② گیاوی صاحب کی کتاب، صفحہ ۷۔

کوئی خامی یا کمزوری یا خلاف واقعہ باتیں آ ہی جاتی ہیں جن کا رد ایک ضروری امر ہے“۔^①

پھر یہی گیاوی صاحب اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۷۔ ”جو با عرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جو جملہ نقل فرمایا ہے کیا اس واقعہ کے لیے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرمادیں“۔^②

اور پھر اسی سیاق میں لکھتے ہیں:

۸۔ ”اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ یا امام غزالی یا ملا علی قاری یا کسی عالم یا محقق کی تحریر پیش کر دینے سے کوئی حقیقت نہیں بدل جاتی“۔^③

قارئین محترم! ہم انہی مندرجہ بالا آٹھ نکات کو سامنے رکھ کر ہی مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب کی اس کتاب کا مختصر جائزہ لیں گے کیونکہ یہ نکات خود انہوں نے اور ان کی کتاب کا تعارف کروانے والے مولانا نوشاد صاحب نے لکھے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہم اسی کو معیار اور کسوٹی بنا کر گیاوی صاحب کی اس کتاب میں پیش کردہ روایات کا فرداً فرداً جائزہ لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آیا واقعی روایات کے رد و قدح میں ان کا انداز خالص علمی ہے؟ اور کیا واقعی انہوں نے روایات کے رفض و قبول میں جانبداری سے گریز کیا ہے اور اعتدال سے کام لیا ہے؟ اور کیا انہوں

① ایضاً صفحہ ۵۷۔

② گیاوی صاحب کی کتاب، صفحہ ۱۰-۱۱۔

③ ایضاً صفحہ ۵۹۔

نے اس کتاب میں جو تحقیق پیش کی ہے ہر مصنف انسان اسے قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا؟ آگے بڑھنے سے پہلے ہم گیاوی صاحب کے اس دعوے کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے بڑے تحد یا نہ انداز میں کیا ہے کہ:

”مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر کیا گیا تبصرہ تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہے، ولی اللہی جماعت اس تبصرہ کو رد کرتی ہے، اور اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں“۔^①

قارئین محترم! گیاوی صاحب کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل علم کی اکثریت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تبصرہ کو ایک اعلیٰ درجہ کا علمی و تحقیقی اور دلائل کی بنیاد پر مضبوط نقد سمجھتی ہے، ہم تفصیل میں جائے بغیر یہاں دارالعلوم دیوبند کا ہی ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں، غور سے پڑھیں:

سوال ۱۶۶۱۲۵:

میرا سوال تاریخ کے حوالے سے ہے، کیا اہل سنت والجماعت کی کوئی کربلا کی معتبر تاریخ ہے؟ اگر ہے تو اس تاریخ کی کتاب کا نام اور اس کے مصنف کا نام بتائیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی، میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ یزید کے بارے میں کیا کہنا چاہئے؟ میں نے سنا ہے کہ یزید کے بارے میں بخاری شریف میں ایک مغفرت کے بارے میں حدیث ہے جو کہ جنگ کے متعلق دی گئی ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ براہ کرم، جواب دیں۔

① نکتہ نمبر: ۵.

جواب ۱۶۶۱۲۵:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”کربلا“ کی تاریخ کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کی بہت سی کتابیں ہیں چند کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں:

- (۱) شہید کربلا: مصنف مفتی شفیع صاحب سابق مفتی اعظم پاکستان۔
 - (۲) تبصرہ بر شہید کربلا اور یزید: مصنف محدث کبیر مفتی حبیب الرحمن اعظمی۔
 - (۳) شہید کربلا اور یزید: مصنف حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب۔
- مکمل فتویٰ انٹرنیٹ کے درج ذیل لنک پر پڑھا جاسکتا ہے:

<http://www.darulifta-deoband.com/home/ur/History-Biography/166125>

ملاحظہ فرمائیں! دارالعلوم دیوبند کے مفتی صاحبان جہاں قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پڑھنے کی ترغیب دے رہے ہیں وہیں اسی کتاب پر محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ پڑھنے کی بھی ترغیب دے رہے ہیں، تو اگر دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کے نزدیک محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تبصرہ غلط ہوتا اور اہل سنت والجماعت اس تبصرہ کی مخالفت پر متفق اللسان ہوتے تو دارالعلوم دیوبند کے مفتیان اس کتاب کے مطالعہ کا کہتے یا اس سے بچنے کی نصیحت کرتے؟؟ ہاں اگر گیاوی صاحب کے نزدیک اہل سنت والجماعت اور اہل علم صرف وہ لوگ ہیں جو گیاوی صاحب کی تحقیق اور ان کے خیالات و نظریات سے متفق ہوں تو الگ بات ہے، لہذا معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ گیاوی صاحب کا یہ کہنا کہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ تمام اہل علم کے نزدیک غلط ہے، سراسر خلاف حقیقت ہے اور ایسا لگتا ہے کہ گیاوی صاحب نے غصہ میں آکر ایسا لکھ دیا ہے۔

محمد بن عمر الواقدی، لوط بن یحییٰ ابوحنیف اور محمد بن زکریا الغلابی کا تعارف

قارئین محترم! چونکہ مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب نے اپنی کتاب میں خاص طور پر مذکورہ بالاتین راویوں کی روایات پیش کی ہیں اور پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان تینوں راویوں میں عام قسم کا ہلکا سا ضعف پایا جاتا ہے، لہذا اگر کوئی روایت الگ الگ ان تینوں سے مروی ہو تو یہ تینوں ضعیف راوی مل کر اس روایت کو قابل اعتماد بنا دیتے ہیں (تفصیل آگے آئے گی) تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم شروع میں ہی ان تینوں صاحبان کا تعارف کروادیں تاکہ قارئین کے ذہن میں رہے کہ ان تینوں (واقدی، ابوحنیف اور محمد بن زکریا الغلابی) کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل نے کیا کہا ہے، اور گیاوی صاحب جیسے مناظر کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنا مقدمہ ثابت کرنے کے لیے ان کی وکالت کریں یا ان کی روایات کو اپنے حق میں گواہی کے طور پر پیش کریں۔

محمد بن عمر الواقدی:

آئیے پہلے دیکھتے ہیں کہ ان واقدی صاحب کے بارے میں علماء جرح و تعدیل نے کن الفاظ کے ساتھ جرح کی ہے:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ:

”کذب الواقدی کذب“^①

واقدی کی کتابیں (کذب) جھوٹ ہیں۔

① تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۲۰، طبع دار الغرب الاسلامی بیروت.

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"لیس بشيء" یہ کچھ بھی نہیں۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ

"الواقدي ضعيف" واقدي ضعیف ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں "لا ینکتب حدیثہ" اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔^①

علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

'محمد بن عمر الواقدي ليس بموضع للرواية ولا يروى عنه'^②

واقدي سے روایت نہ لی جائے، یہ روایت لینے کے لائق ہی نہیں۔

یہی علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الهيثم بن عدی أوثق عندي من الواقدي، ولا أَرْضاهُ فِي الْحَدِيثِ، وَلَا

فِي الْأَنْسَابِ، وَلَا فِي شَيْءٍ"^③

یثیم بن عدی میرے نزدیک واقدي سے زیادہ ثقہ ہے، میں نہ اسے (واقدي

کو) حدیث میں پسند کرتا ہوں، نہ انساب میں اور نہ کسی بھی چیز میں۔

واضح رہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن المدینی کی یہ بات نقل کر کے اس پر

اپنی تعلیق میں لکھا ہے:

"قُلْتُ: أَجْمَعُوا عَلَيَّ ضَعْفَ الْهَيْثِمِ"^④

میں کہتا ہوں کہ (ائمہ جرح و تعدیل) کا اس پر اجماع ہے کہ یثیم (بن

① تاریخ بغداد، ج ۴ ص ۲۰.

② تاریخ بغداد، ج ۱۶ ص ۷۶.

③ سیر اعلام النبلاء، ج ۹ ص ۳۶۲ طبع مؤسسة الرسالة بیروت.

عدی) ضعیف ہے۔

اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ نے واقدی کے بارے میں فرمایا:

”وَكَانَ عِنْدِي مِمَّنْ يَضَعُ“^①

میرے نزدیک (واقدی) ان لوگوں میں سے تھا جو حدیثیں گھڑتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”هُوَ كَذَّابٌ“ وہ بڑا جھوٹا ہے۔^②

امام بخاری رضی اللہ عنہ واقدی کے بارے میں کہتے ہیں:

”مَشْرُوكُ الْحَدِيثِ، تَرْكُهُ أَحْمَدُ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَإِسْمَاعِيلُ

بْنُ زَكْرِيَّا“^③

واقدی ”متروک الحدیث“ ہے، امام احمد، ابن نمیر، ابن مبارک اور

اسماعیل بن زکریا نے اسے ترک کر دیا ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

”مَا عِنْدِي لِلْوَاقِدِيِّ حَرْفٌ“^④

میرے پاس اس کے لیے کہنے کو ایک حرف بھی نہیں۔

ابوزرعہ رازی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”يَهْ ضَعِيفٌ“^⑤۔

① تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۲۰۔

② تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۲۰۔ الضعفاء للعقيلي، ج ۳ ص ۱۰۷ طبع بیروت۔

③ الضعفاء للعقيلي، ج ۳ ص ۱۰۷۔

④ سير اعلام النبلاء، ج ۹ ص ۳۶۳، طبع مؤسسة الرسالة بیروت۔

⑤ الحجرج والتعديل، ج ۸ ص ۲۱ طبع حیدرآباد دکن۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”أبو عبد الله محمد بن عمر بن واقد الواقدي قاضي بغداد متروك

الحدیث“^①

واقدي متروك الحدیث ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”لا أكتب حدیثه“ کہ میں اس کی حدیث نہیں لکھتا۔^②

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

”الكذابون المعروفون بوضع الحدیث علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

أربعة... والواقدي ببغداد“^③

اللہ کے رسول پر جھوٹ گھڑنے والے بڑے جھوٹے چار ہیں، ان میں

سے ایک واقدي ہے۔

نیز امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متروك الحدیث بھی لکھا ہے۔^④

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

”الواقدي ضعیف“، واقدي ضعیف ہے۔^⑤

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

”الواقدي لا یختص بہ“

واقدي سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

① الكنى والأسماء، ج ۱ صفحہ ۳۹۹ طبع المدینة المنورة.

② ایضاً، ج ۱ ص ۲۰۷.

③ تاریخ بغداد، ج ۳ صفحہ ۲۰.

④ الضعفاء والمتروكون للنسائي، ص ۹۲ طبع دار الوعی حلب.

⑤ سنن الدارقطنی، ج ۳ ص ۱۱۳ او ص ۷۰ او ص ۲۰۷ طبع مؤسسة الرسالة بیروت.

نیز فرماتے ہیں:

"لَيْسَ بِالْقَوِيِّ"

وہ قوی نہیں ہے۔^①

اور ایک مقام پر یہی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ واقدی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لَا يَخْتَجُّ بِرِوَايَتِهِ فِيمَا نَسَبَهُ، فَكَيْفَ بِمَا يَنْسَبُهُ"^②

اس کی جو روایت مسند ہو اس میں یہ حجت نہیں ہے تو اس کی مرسل روایت کیسے قبول ہوگی؟

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"قَالَ أَحْمَدُ هُوَ كَذَّابٌ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ وَالرَّازِيُّ وَالْتَسَائِيُّ مَشْرُوكٌ"^③

امام احمد نے اسے کذاب اور امام بخاری نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو هُوَ الْوَاقِدِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ"^④

محمد بن عمرو واقدی ضعیف ہے۔

ایک جگہ ایک سند جس میں واقدی ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لَإِنَّ ذَاكَ فِيهِ الْوَاقِدِيُّ وَقَدْ كَذَّبُوهُ"^⑤

① السنن الكبرى للبيهقي، ج ۱ ص ۶۲ و ج ۲ ص ۱۸۹ طبع دار الكتب العلمية بيروت.

② معرفة السنن والآثار للبيهقي، ج ۳ ص ۷۹ دار قتيبة بيروت.

③ التحقيق في مسائل الخلاف لابن الجوزي، ج ۲ ص ۵۲ دار الكتب العلمية بيروت.

④ التحقيق في مسائل الخلاف، ج ۲ ص ۸۶.

⑤ ايضاً، ج ۲ ص ۲۷۷.

اس سند میں واقدی ہے اور اسے (ائمہ نے) جھوٹا کہا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

”مُحَمَّدُ بْنُ عَمَرَ الْوَاقِدِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ بِإِتِّفَاقِهِمْ“^①

واقدی بالاتفاق ضعیف ہے۔

بندار بن بشار نے کہا:

”ما رأيت أكذب شفتين من الواقدي“^②

میں نے واقدی سے زیادہ جھوٹے ہونٹ نہیں دیکھے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وَحَاصِلُ الْأَمْرِ أَنََّّهُ مُجْمَعٌ عَلَى ضَعْفِهِ“^③

خلاصہ کلام یہ ہے کہ واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔

اسی جگہ لکھتے ہیں:

”وَقَدْ وَثَّقَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ لَكِنْ لَا عَجْرَةَ بِقَوْلِهِمْ مَعَ تَوَافُرِ مَنْ تَرَكَهُ“^④

کئی ایک لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں

کیونکہ جنہوں نے اسے ترک کیا ہے وہ وافر تعداد میں ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”وَاسْتَقْرَأَ الْجَمَاعَ عَلَى وَهْنِ الْوَاقِدِيِّ“^⑤

واقدی کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے۔

① المجموع شرح المہذب، ج ۵ ص ۲۹ طبع دار الفکر بیروت.

② تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۲۰.

③ تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۵ ص ۱۸۲ دار الغرب الاسلامی.

④ میزان الاعتدال، ج ۳ ص ۲۶۶ دار المعرفۃ بیروت.

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”قَدْ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ الْيَوْمَ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ، وَأَنَّ حَدِيثَهُ فِي عِدَادِ
الْوَاهِي“^①

آج اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ وہ (واقدی) حجت نہیں ہے
اور اس کی بیان کردہ حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔

ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”الْوَاقِدِيُّ لَا يَخْتَجُّ بِهِ“^②

واقدی سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

ابن الملقن رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وَالْوَاقِدِيُّ كَذَّابٌ قَالَهُ أَحْمَدُ، وَزَادَ النَّسَائِيُّ وَضَّاعٌ“^③

اور واقدی تو بڑا جھوٹا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے ایسا فرمایا ہے، اور امام
نسائی رحمہ اللہ نے اسے وضاع حدیثیں گھڑنے والا کہا ہے۔

نیز کہتے ہیں:

”وَالْوَاقِدِيُّ لَا يَخْتَجُّ بِرَوَايَاتِهِ الْمُتَّصِلَةِ، فَكَيْفَ بِمَا يُزِيلُهُ أَوْ يَقُولُهُ عَنِ
نَفْسِهِ؟“^④

واقدی کی وہ روایات بھی حجت نہیں جو متصل ہوں، تو اس کی مرسل
روایت یا جو بات وہ اپنی طرف سے کہے کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

① سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۳۶۹ مؤسسه الرسالة بیروت.

② العنار العنيفة، ص ۲۳ مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب.

③ البدر المتین، ج ۳ ص ۵۳۲ طبع دار الهجرة، الرياض.

④ ایضاً ج ۱ ص ۳۹۱.

امام بیہمی ایک روایت کے بارے میں جس کی سند میں واقدی ہے لکھتے ہیں:

”وَفِيهِ الْوَأَقِدِيُّ، وَهُوَ كَذَّابٌ“^①

اس میں واقدی ہے، اور وہ بڑا جھوٹا ہے۔

امام بوصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِوِ الْوَأَقِدِيِّ كَذَّابٌ“^②

محمد بن عمرو واقدی بڑا جھوٹا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وَالْوَأَقِدِيُّ لَيْسَ بِمُعْتَمَدٍ“^③

واقدی معتد نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”الْوَأَقِدِيُّ لَا يَحْتَجُّ بِهِ“^④

واقدی سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ حافظ مغلطائی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لَكِنَّ فِي الْأَسَانِيدِ الثَّلَاثَةِ الْوَأَقِدِيُّ وَلَيْسَ بِحُجَّةٍ وَقَدْ تَعَصَّبَ مَغْلَطَاي

لِلْوَأَقِدِيِّ فَنَقَلَ كَلَامَ مَنْ قَوَّاهُ وَتَفَقَّهُ وَسَكَتَ عَنْ ذِكْرِ مَنْ وَهَّاهُ وَاتَّهَمَهُ وَهُمْ

أَكْثَرُ عَدَدًا وَأَشَدُّ إِتْقَانًا وَأَقْوَى مَعْرِفَةً بِهِ مِنَ الْأَوْلِيَيْنِ“^⑤

ان تینوں سندوں میں واقدی ہے جو کہ حجت نہیں ہے، مغلطائی نے واقدی

① مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۱ ص ۲۵۲ طبع مکتبۃ القدسی القاہرۃ.

② اتحاف الخیرۃ المہرۃ یزید المساند العشرۃ ج ۳ ص ۲۹۱ دار وطن، الریاض.

③ فتح الباری ج ۱ ص ۴۱۷ طبع دار المعرفۃ بیروت.

④ ایضاً ج ۳ ص ۷۳.

⑤ ایضاً ج ۹ ص ۱۱۳.

کے حق میں تعصب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان لوگوں کا کلام تو نقل کیا ہے جنہوں نے واقدی کی توثیق کی ہے لیکن ان حضرات کے ذکر سے خاموشی اختیار کی ہے جنہوں نے واقدی کو واہی بتایا ہے اور اسے متہم بتایا ہے، جبکہ یہ (واقدی کو واہی اور متہم بتانے والے) تعداد میں زیادہ ہیں، اقلان میں زیادہ پختہ ہیں اور پہلے والوں (یعنی جنہوں نے اس کی توثیق کی ہے) کے مقابلے میں واقدی کی زیادہ معرفت رکھتے ہیں۔

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:

”قُلْتُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو هُوَ الْوَاقِدِيُّ ضَعِيفٌ جَدًّا“^①

میں کہتا ہوں کہ محمد بن عمر سے مراد واقدی ہے، اور وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”محمد ابن عمر ابن واقد الأسلمي الواقدي المدني القاضي القاضي نزيل بغداد متروك مع سعة علمه“^②

محمد بن عمر بن واقد اسلمی واقدی مدنی قاضی، نزیل بغداد، وسیع علم رکھنے کے باوجود متروک ہے۔

امام سخاوی ایک روایت کی سند کے پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وفيه الواقدي وهو ضعيف“^③

اس میں واقدی ہے اور وہ ضعیف ہے۔

① المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة، ج ۳ ص ۲۱ طبع دار العاصمة، السعودیة.

② تقریب التہذیب، ص ۳۹۸ دار الرشید، سوریا.

③ المقاصد الحسنیة، ص ۳۱۹ دار الکتب العربی، بیروت.

عبدالرؤف المناوی بھی ایک روایت پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَفِيهِ الْوَأَقْدِي كَذَّابٌ“^①

اس کی سند میں واقدی ہے جو کہ بڑا جھوٹا ہے۔

قاضی شوکانی بھی ایک سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

”فِيهِ الْوَأَقْدِي وَهُوَ مَضْرُوكٌ“^②

اس میں واقدی ہے جو کہ متروک ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تو واقدی پر مفسر جرح کی ہے ابو حاتم رازی نے ان

کی جرح کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:

”كان الواقدي يقلب الاحاديث يلقى حديث ابن اخي الزهري علي

معمر ونحو هذا، قال اسحاق ابن راهويه كما وصف وأشد لانه عندي

ممن يضع الحديث“^③

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: واقدی احادیث کو الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا

(یعنی احادیث کی سندوں کو) وہ زہری کے بھائی کے بیٹے کی حدیث کو معمر

کے ساتھ جوڑ دیا کرتا تھا۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

ہاں بات ایسی ہی ہے جیسے امام احمد نے بیان کی، بلکہ اس سے بھی زیادہ

سنگین ہے، وہ (واقدی) میرے نزدیک تو ان لوگوں میں سے جو حدیثیں

① التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج ۱ ص ۵۱۴ مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض.

② نیل الاوطار، ج ۳ ص ۱۱۱ طبع دار الحدیث مصر.

③ الجرح والتعديل، جلد ۸ صفحہ ۲۱ حیدرآباد دکن.

گھڑا کرتے ہیں۔

اسی طرح امام بیہقی بن معین کی جرح بھی واقدی پر ”مفسر“ ہے، کہ وہ مجہول لوگوں سے منکر احادیث روایت کرتا تھا۔

”نظرنا في حديث الواقدي فوجدنا حديثه عن المدنيين عن شيوخ مجهولين احاديث مناكير فقلنا يحتمل ان تكون تلك الاحاديث المناكير منه ويحتمل ان تكون منهم، ثم نظرنا إلى حديثه عن ابن ابي ذئب ومعمرفانه يضبط حديثهم فوجدناه قد حدث عنهما بالمناكير فعلمنا انه منه فتر كنا حديثه“^①

یاد رہے! کسی ایک معروف امام جرح و تعدیل نے یہ نہیں لکھا کہ ”یہ حدیث میں تو کذاب و وضاع ہے لیکن تاریخ کی روایات میں یہ قابل قبول اور ثقہ ہے۔“

..... جو آدمی نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہو، اور جو حدیث کی سند بدل دیتا ہو اس کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ یہ آدمی تاریخی روایات میں کبھی جھوٹ نہیں بولے گا، یہ دھوکہ اور فریب ہے اور کچھ نہیں، نیز جرح و تعدیل کا معروف اصول ہے کہ ”جرح مفسر“ کے مقابلے میں تعدیل قابل قبول نہیں ہوتی.....

قارئین محترم! یہ ہے تعارف ”محمد بن عمر واقدی“ کا، اسے صرف ”ضعیف“ نہیں کہا گیا بلکہ ”کذاب“ اور ”وضاع“ کہا گیا ہے، بلکہ امام نسائی نے تو اسے ”اللہ کے رسول پر جھوٹ بولنے والوں“ میں شمار کیا ہے۔

① الجرح والتعديل، جلد ۸ صفحہ ۲۱ حیدرآباد دکن.

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا تعارف:

آئیے اب ان صاحب کا تعارف کرواتے ہیں:

امام ابو حاتم رازی (م ۲۷۷ ہجری) نے اسے "متروک الحدیث" کہا۔^①
امام یحییٰ بن معین (م ۳۲۷ ہجری) کے شاگرد عباس الدوری بیان کرتے ہیں

کہ:

"سَمِعْتُ يَحْيَى يَقُولُ أَبُو مَخْنَفٍ وَأَبُو مَزَيْمٍ وَعَمْرُو بْنُ شَمْرٍ لَيْسُوا هُمْ
بِشَيْءٍ قُلْتُ لِيَحْيَى هُمْ مِثْلُ عَمْرُو بْنِ شَمْرٍ قَالَ هُمْ شَرُّ مَنْ عَمْرُو بْنُ
شَمْرٍ"^②

میں نے یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا کہ: ابو مخنف، ابو مزیم، اور عمرو بن شمر
کچھ بھی نہیں، (دوری کہتے ہیں) میں نہ یحییٰ سے کہا: کیا وہ (یعنی ابو مخنف
اور ابو مزیم) عمرو بن شمر جیسے ہیں؟ تو یحییٰ بن معین نے فرمایا: وہ عمرو بن
شمر سے بھی برے ہیں۔

یہی عباس دوری کہتے ہیں کہ، میں نے امام یحییٰ بن معین کو یہ فرماتے سنا کہ:

"أَبُو مَخْنَفٍ لَيْسَ بِشَيْءٍ"^③

ابو مخنف ثقہ نہیں ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

"وَأَبُو مَخْنَفٍ لَيْسَ بِشَيْءٍ"^④

① الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ج ۷ ص ۱۸۲ طبع حيدرآباد دکن.

② تاریخ ابن معین بروایة اللوری، ج ۳ ص ۳۳۹ طبع مكة المكرمة.

③ ایضاً، ج ۳ ص ۳۶۶.

④ تاریخ ابن معین بروایة اللوری، ج ۳ ص ۲۸۵.

ابومخنف کچھ بھی نہیں۔

نوٹ: امام یحییٰ بن معین نے ابومخنف کو عمرو بن شمر سے بھی بُرا بتایا۔

آئیے دیکھتے ہیں یہ عمرو بن شمر کون ہے؟

امام جوزجانی اس کے بارے میں کہتے ہیں:

"زائف کذاب"، گمراہ اور جھوٹا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"رافضی یشتم الصحابة ویروی الموضوعات عن الثقات"

رافضی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا ہے اور ثقہ لوگوں سے موضوع

روایات بیان کرتا ہے۔

اور سلیمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"کان یضع للروافض"①

یہ عمرو بن شمر رافضیوں کے لئے روایتیں گھڑتا تھا۔

اب خود اندازہ کر لیں کہ اگر یحییٰ بن معین نے ابومخنف کو اس عمرو بن شمر سے بھی

برا کہا ہے تو وہ کیا چیز ہوگا؟۔

ابن عدی (م ۳۶۵ ہجری) نے ابومخنف کا تعارف یوں کروایا ہے:

"شیعی محترق صاحب اخبار ہم"②

جلا بھنا شیعہ ہے اور شیعہ کا راوی ہے۔

تو ام السنۃ اسماعیل الاصبہانی (م ۵۳۵ ہجری) نے فرمایا:

① دیکھیں: لسان المیزان لابن حجر ج ۶ ص ۲۱۰ طبع دار البشائر الاسلامیۃ.

② الکامل فی ضعفاء الرجال، ج ۷ ص ۲۳۱ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت.

”فَأَمَّا زَوْاَهُ أَبُو مَخْنَفٍ وَغَيْرُهُ مِنَ الرُّوَاِضِ فَلَا اِعْتِمَادَ بِرِوَايَتِهِمْ“^①
 جو ابو مخنف اور دوسرے رافضی روایت کریں تو ان کی روایت پر کوئی
 اعتماد نہیں۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۸۵ ہجری) لکھتے ہیں:

”لَوْ طَبَنَ يَحْيَى الكُوفِي أَبُو مَخْنَفٍ إِخْبَارِي- ضَعِيفٌ“^②
 لو ط بن یحییٰ کوئی ابو مخنف تاریخی روایات بیان کرنے والا ضعیف ہے۔

امام ابن شامین (م ۳۸۵ ہجری) لکھتے ہیں:

”قال ابن معين: أبو مخنف- ليس حديثه بشيء- يعني لو ط بن يحيى-

وقال مرة أخرى: ليس بثقة“^③

ابن معین نے کہا کہ ابو مخنف یعنی لو ط بن یحییٰ کچھ بھی نہیں، اور دوسری بار کہا
 کہ وہ ثقہ نہیں۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ ہجری) نے ایک روایت کے بارے میں کہا:

”وفي حديث ابن عباس أبو صالح الكلبي وأبو مخنف وكلهم كذابون“^④

ابن عباس کی اس حدیث کی سند میں ابو صالح کلبی اور ابو مخنف ہے، اور یہ

سب کذاب ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ ہجری) روافض کے علماء کا ذکر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

① الحجفة في بيان المحجة، ج ۲ ص ۵۶۸ طبع دار الراية السعودية.

② الضعفاء والمتروكون للدارقطنی، ج ۳ ص ۲۸ طبع المدينة المنورة.

③ تاریخ اسماء الضعفاء والكذابين، ص ۱۶۲.

④ الموضوعات لابن الجوزي، ج ۱ ص ۳۰۶ طبع المكتبة السلفية، المدينة المنورة.

”وَعَلَمَّاؤُهُمْ يَعْتمِدُونَ عَلَى نَفْلِ مِثْلِ أَبِي مَخْنَفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى، وَهَشَامِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ، وَأَمْثَالِهِمَا مِنَ الْمَغْزُوفِينَ بِالْكَذِبِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ“^①

ان کے علماء ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ان جیسوں کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں، جب کہ یہ سب وہ ہیں جن کا اہل علم کے نزدیک جھوٹا ہونا معروف ہے۔

اور ایک دوسری جگہ رافضیوں کے صحابہ کرام پر طعن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَأَكْثَرُ الْمَنْقُولِ مِنَ الْمَطَاعِينَ الصَّرِيحَةَ هُوَ مِنْ هَذَا الْبَابِ يَزُويهَا الْكَذَّابُونَ الْمَغْزُوفُونَ بِالْكَذِبِ، مِثْلَ أَبِي مَخْنَفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى، وَمِثْلَ هَشَامِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ وَأَمْثَالِهِمَا مِنَ الْكَذَّابِينَ“^②

زیادہ تر مطاعن وہ ہیں جنہیں وہ کذاب روایت کرتے ہیں جن کا جھوٹا ہونا معروف ہے، جیسے ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور جیسے ہشام بن محمد سائب کلبی اور ان جیسے دوسرے جھوٹے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۳۸۷ ہجری) نے ابو مخنف کا تعارف یوں کروایا:

”لو ط بن يحيى، أبو مخنف، أخباري تالف، لا يوثق به“^③

لوط بن یحییٰ ابو مخنف، تاریخی روایات بیان کرنے والا متروک راوی ہے، اس پر بھروسہ نہ کیا جائے۔

① ایضاً ص ۸۱.

② منهاج السنه، ج ۱ ص ۵۸ طبع السعودیہ.

③ میزان الاعتدال، ج ۳ ص ۳۱۹ طبع دار المعرفۃ بیروت.

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”أبو مخنف - اسمه لوط بن يحيى هالك“^①

ابو مخنف جس کا نام لوط بن یحییٰ ہے وہ ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

ایک اور جگہ لکھا:

”لوط بن يحيى أبو مخنف ساقط“^②

لوط بن یحییٰ ایک گراہو راوی ہے۔

اور ایک مقام پر لکھا:

”لوط بن يحيى، أبو مخنف الكوفي الرافضي الأخباري“^③

لوط بن یحییٰ ابو مخنف کوفی، رافضی تاریخی روایات بیان کرنے والا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (م ۸۵۲ ہجری) نے ابو مخنف کا تعارف یوں کروایا ہے:

”لوط بن يحيى أبو مخنف - أخباري تالف لايوثق به - تركه أبو حاتم،

وغيره - وقال الدارقطني: ضعيف - وقال ابن معين: ليس بثقة - وقال مرة:

ليس بشيء - وقال ابن عدي: شيعي محترق صاحب أخبارهم“^④

لوط بن یحییٰ ابو مخنف، تاریخی روایات بیان کرنے والا قابل رد راوی ہے

اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، ابو حاتم اور دوسروں نے اسے ترک کر دیا،

دارقطنی نے اسے ضعیف کہا، ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں، اور ایک بار کہا

کہ وہ کچھ بھی نہیں، ابن عدی نے کہا کہ وہ جلا بھنا شیعہ ہے اور شیعہ کا

① میزان الاعتدال، ج ۳ ص ۵۷۱۔

② المغنی فی الضعفاء، ج ۲ ص ۱۳۵ طبع قطر۔

③ تاریخ الاسلام، ج ۳ ص ۱۸۹ طبع دار الغرب الاسلامی۔

④ لسان المیزان بتحقیق شیخ ابی غده، ج ۶ ص ۳۳۰ طبع دار البشائر الاسلامیہ۔

راوی ہے۔

حافظ ابن حجر نے دوسری جگہ لکھا:

"أبو مخنف: لوط بن يحيى ـ هالك" ①

ابومخنف لوط بن یحییٰ، ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

امام سیوطی (م ۹۱۱ ہجری) نے کہا:

"لوط والكلبي كذا بان" ②

لوط (بن یحییٰ) اور کلبی دونوں کذاب ہیں۔

ابن عراق الکفانی (م ۹۶۳ ہجری) نے کہا:

"لوط بن يحيى أبو مخنف كذاب تاليف" ③

لوط بن یحییٰ، جھوٹا اور قابلِ ردّ راوی۔

ابو مخنف کے بارے میں شیعہ امامیہ کے علماء کے اقوال:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابومخنف لوط بن یحییٰ کے بارے میں علماء شیعہ

کے چند اقوال بھی پیش کر دیئے جائیں۔

عباس بن محمد رضا بن ابی القاسم التمی نے "ابومخنف" کے بارے میں لکھا:

"كان من اعظم مؤرخي الشيعة" ④

یہ عظیم شیعہ مؤرخین میں سے تھا۔

ابوالقاسم الخوئی ابومخنف کے بارے میں لکھتے ہیں:

① لسان المیزان، ج ۹ ص ۱۵۹

② اللآلی المصنوعة في الاحاديث الموضوعية، ج ۱ ص ۳۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت

③ تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ، ج ۱ ص ۹۸ دار الکتب العلمیہ بیروت

④ الکنی واللقاب، ج ۱ ص ۱۹۸ راوی نمبر: ۱۶۳ مؤسسة النشر الاسلامی، قم

”فہو ثقة مسكون الى روايته“^①۔

وہ ثقہ ہے اور اس کی روایت قابل اعتماد ہے۔

شیعہ کے علم رجال کے ماہر احمد بن علی النجاشی نے ابو مخنف کا تعارف یوں کروایا

ہے:

”شيخ اصحاب الاخبار بالكوفة ووجههم وكان يسكن الى ما يرويه“^②

یہ کوفہ کے اخباریوں کا شیخ اور ان کی اہم شخصیت تھا، اور اس کی روایت پر اعتماد کیا جاتا تھا۔

معرف شیعہ عالم عبداللہ الما مقانی نے ابو مخنف کے بارے میں لکھا ہے:

”أنه لا ينبغي التأمل في كونه شيعياً امامياً... وبالجملة فكون الرجل

شيعياً امامياً مما لا ينبغي الريب فيه“^③

اس کے امامی شیعہ ہونے میں تاہل نہیں کرنا چاہئے..... خلاصہ کلام یہ ہے

کہ اس آدمی (ابو مخنف - ناقل) کا امامی شیعہ ہونا ایسی بات ہے جس میں

شک کی گنجائش نہیں۔

قارئین محترم! یہ ہے تعارف ”ابو مخنف لوطن يحيى الازدي الغامدي“ کا،

جسے ”کذاب“، ”رافضیوں کے لیے روایتیں گھڑنے والا“، ”رافضی“، ”جلا بھنا

شیعہ“، ”ساقط“، ”ہالک“، ”تالف“ بتایا گیا ہے، نیز خود شیعہ علماء نے اسے ”اپنا عظیم

مؤرخ“ اور ”امامی شیعہ“ تسلیم کیا ہے۔

① معجم رجال الحديث، ج ۱۵ ص ۱۲۴ راوی نمبر: ۹۷۹۲ طبع مکتبۃ الخوئی، نجف.

② رجال النجاشي، ص ۳۰۶ راوی نمبر: ۸۷۵ طبع مؤسسة الاعلمي بيروت.

③ تنقيح المقال طبع قدیم، ج ۳ ص ۳۳۔ یہ حوالہ شیخ یحییٰ بن ابراہیم بن علی یحییٰ کی کتاب ”مروءات اہل
مخنف فی تاریخ الطبری“ طبع دار العاصمۃ، الریاض کے صفحہ ۴۲ سے لیا گیا ہے۔

نوٹ: ہمارے لیے یہ بات باعث تعجب ہے کہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ابوحنیف کی روایتوں کو رد کرنے والوں پر "ناصبت" کی چوٹ فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے یہ بحث کرتے ہوئے کہ شہادت کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سرمبارک شام لے جایا گیا تھا یا نہیں؟، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ سرمبارک یزید کے پاس لے جایا گیا تھا، اور پھر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی بات کو راجح بتایا ہے، چنانچہ اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

”اس سلسلہ میں ایک مفصل روایت تو ابی حنیف کی ہے جس کی روایتوں کو

سبائی روایت کہہ کر عموماً ناصبی لوگ رد کر دیتے ہیں“۔^①

”حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر

یزید کے پاس لے جانے کے بارہ میں علماء میں اختلاف ہے، ترجیح سر کے

لے جانے کو دی ہے“۔^②

قاری صاحب کی اس بات پر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے گرفت فرمائی تھی اور حافظ

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اسی کتاب سے چند عبارات پیش کی تھیں جن میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے

”ابوحنیف“، ”کوشعی“، ”ضعیف“ اور ”متہم فی الروایۃ“ لکھا تھا، نیز فرمایا ہے کہ

”اگر ابن جریر طبری نے ان روایات کو ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی اسے نقل

نہ کرتا“۔

اور پھر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا تھا کہ کیا حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بھی ناصبی

① شہید کربلاء یزید، صفحہ ۱۲۷، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

② ایضاً: صفحہ ۱۲۸۔

تھے؟^①

اس پر میں بھی عرض کرتا ہوں کہ ابو مخنف کے بارے میں جن ائمہ فن کے اقوال اوپر نقل کیے گئے کیا یہ سب ناموسی تھے؟ جو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھ دیا کہ ابی مخنف کی روایات کو ناموسی لوگ رد کر دیتے ہیں؟

سیدنا حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہما کا سر مبارک شام بھیجے جانے کی روایات پر ایک نظر:

یہاں اگرچہ ہمارا موضوع یہ نہیں، لیکن چونکہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بھی لکھا تھا کہ انہوں نے سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ کا سر مبارک یزید کے پاس شام لے جائے جانے کی بات کو ترجیح دی ہے، تو عرض ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے:

قُلْتُ: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَمْ يَبْعَثْ بِرَأْسِ الْخُسَيْنِ إِلَى الشَّامِ كَمَا سَمِعْتُ^②

میں کہتا ہوں کہ: صحیح بات یہ ہے کہ سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ کا سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا تھا، جیسا کہ آگے بھی آئے گا۔

اور پھر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ پھر اسی بات کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں

لکھا ہے:

”وَأَمَّا أَسْنَةُ رحمۃ اللہ علیہا فَالْمَشْهُورُ بَيْنَ أَهْلِ التَّارِيخِ وَعُلَمَاءِ السِّيَرِ أَنَّهُ بَعَثَ بِهِ ابْنَ زَيْدٍ إِلَى يَزِيدَ بْنِ مَعَاوِيَةَ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ أَنْكَرَ ذَلِكَ، وَعِنْدِي أَنَّ الْأَوَّلَ أَشْهَرُ - وَاللَّهُ أَعْلَمُ“^③

جہاں تک سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک کی بات ہے، تو اہل تاریخ اور علماء

① دیکھیں: محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ، صفحہ ۶۸-۶۹

② البداية والنهاية، جلد ۱، صفحہ ۵۰۸ طبع دارمجر.

سیر میں مشہور تو یہ ہے کہ ابن زیاد نے سر مبارک، یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا تھا، لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے، میرے نزدیک پہلی بات زیادہ مشہور ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اس کے بعد پھر ایک جگہ یوں لکھا:

”وَقَدْ اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ بَعْدَ هَذَا فِي الرَّأْسِ هَلْ سَيَّرَهُ ابْنُ زَيْدٍ مِنَ الْكُوفَةِ إِلَى يَزِيدٍ بِالشَّامِ أَمْ لَا؟ عَلَى قَوْلَيْنِ، وَالْأَوَّلُ أَشْبَهُ وَقَدْ وَرَدَ فِي ذَلِكَ آثَارٌ كَثِيرَةٌ فَاللَّهُ أَعْلَمُ“^①

اس کے بعد علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا اب زیاد نے سر مبارک کوفہ سے یزید کے پاس شام بھیجا تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں، لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور اس میں بہت سے آثار وارد ہوئے ہیں۔

نوٹ: البدایۃ والنہایۃ کے کچھ دوسرے ایڈیشنوں میں "والاول اشبه" کی جگہ "الأظهر" درج ہے اور عبارت یوں ہے:

”وقد اختلف العلماء بعدها في رأس الحسين هل سيره ابن زياد إلى الشام إلى يزيد أم لا، على قولين، الأظهر منهما أنه سيره إليه، وقد ورد في ذلك آثار كثيرة فالله أعلم“^②

لیکن مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ بتا رہے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے، لیکن زیادہ مشہور یہی ہے کہ ابن زیاد نے سر مبارک شام بھیجا تھا، اور اس بارے میں بہت سے آثار پائے جاتے ہیں، آپ نے دیکھا کہ پہلے تو

① البدایۃ والنہایۃ، جلد ۱، صفحہ ۵۵۷، طبع دار ہجر.

② طبع دار احیاء التراث العربی، جلد ۸، صفحہ ۲۰۹، طبع دار الفکر، ج ۸، صفحہ ۱۹۲.

حافظ ابن کثیر نے صاف طور پر لکھا کہ

”صحیح بات یہ ہے کہ سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا تھا“

اس کے بعد یہ لکھا کہ

اہل تاریخ و علماء سیر میں مشہور یہ ہے کہ بھیجا گیا تھا، پھر یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کئی علماء نے اس بات کا انکار بھی کیا ہے، لیکن زیادہ مشہور پہلے والی بات ہے، اور اس بارے میں بہت سے آثار پائے جاتے ہیں، اور ساتھ ”واللہ اعلم“ بھی لکھا۔

اب ان تمام عبارات کو ملا کر کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ یہ بتا رہے ہیں کہ اگرچہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ سر مبارک شام بھیجا گیا تھا، لیکن یہ صرف شہرت ہے، صحیح بات یہ ہے کہ نہیں بھیجا گیا تھا؟

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ ہرگز نہیں لکھا کہ:

یہ آثار صحیح ہیں، لیکن گیاوی صاحب نے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے اور یوں

شوشہ چھوڑا ہے کہ:

اظہر اور اشہر ہونے کی وجہ اور دلیل ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتائی ہے کہ اس سلسلے میں بہت سارے آثار وارد ہوئے ہیں (جن کا انکار درست نہیں) ①

یہاں گیاوی صاحب نے بین القوسین جو لکھا ہے کہ ”(جن کا انکار درست نہیں)“ یہ حافظ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نہیں بلکہ گیاوی صاحب کے الفاظ ہیں، اور یہ الفاظ لکھ کر وہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں جہاں انہوں

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۴۔

نے صراحت کے ساتھ لکھی تھی کہ:

"قُلْتُ: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَمْ يَبْعَثْ بِزُأَسِ الْحُسَيْنِ إِلَى الشَّامِ... ①

”میں کہتا ہوں کہ: صحیح بات یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا تھا۔“

ہمارا سوال ہے کہ اگر گیاوی کے مطابق ان آثار کا انکار درست نہیں تھا تو پھر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات کیوں لکھی؟ اور یہ تسلیم کرنے کے باوجود کیوں لکھی کہ اگرچہ مشہور یہی ہے کہ سر مبارک شام لے جایا گیا تھا، کیا اس سے ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ آثار حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی قابل اعتماد اور مستند نہیں تھے؟ اور بات بھی یہی ہے، سر مبارک شام لے جانے کی ایک بھی روایت صحیح نہیں، تفصیل کا یہ مقام نہیں اس لیے ہم صرف ان دو تین روایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو گیاوی صاحب نے نقل کی ہیں اور آگے چلتے ہیں۔

پہلی روایت گیاوی صاحب نے تہذیب التہذیب کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں ایک غیر معروف عورت "رینا" کی بات بیان کی گئی ہے اور اس عورت کو یزید کی حاضرت یعنی پالنے والی بتایا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کی عمر سو سال کے قریب ہوئی تھی، عربی الفاظ یہ ہیں:

"يُقَالُ لَهَا: رَيْنَا، حَاضِنَةٌ يُزِيدٌ، يُقَالُ: بَلَغَتْ مِائَةَ سَنَةٍ"

”اس عورت کو "رینا" کے نام سے پکارا جاتا تھا، اور کہا جاتا ہے کہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔“

اب گیاوی صاحب کا فرض تھا کہ وہ اس غیر معروف عورت "رینا" کا تعارف

① البداية والنهاية، جلد ۱، صفحہ ۵۰۸، طبع دار ہجر.

کرواتے کہ یہ ثقہ ہے یا نہیں؟ اور کسی امام نے اس کی توثیق و تعدیل بھی کی ہے یا نہیں؟ اس کا مکمل تعارف کیا ہے؟ اور کہیں سے نہیں تو اسی "تہذیب النہدیب" سے ہی اس کا ترجمہ و تعارف کروادیتے، لیکن یہ کام وہ قیامت تک نہیں کر سکتے، یہ بات انہیں بھی اچھی طرح معلوم تھی اس لئے نہایت چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس روایت کو "متصل الاسناد" اور بحوالہ ذہبی "قویۃ الاسناد" تو لکھتے ہیں۔ لیکن اسے "صحیح" لکھنے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔

دوسرا اس روایت میں ایک راوی "محمد بن یحییٰ بن حمزہ الحضرمی" ہے، اس کے بارے میں امام ابن حبان رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے:

"مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ حَمْزَةَ الْحَضْرَمِيُّ مِنْ أَهْلِ دِمَشْقَ يَرْوِي عَنْ أَبِيهِ رَوَى عَنْهُ أَهْلُ الشَّامِ ثِقَةً فِي نَفْسِهِ يَتَقَى حَدِيثَهُ مَا رَوَى عَنْهُ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَمْزَةَ وَأَخُوهُ عُبَيْدٌ فَإِنَّهُمَا كَانَا يَدْخُلَانِ عَلَيْهِ كُلَّ شَيْءٍ" ①

محمد بن یحییٰ بن حمزہ حضرمی، اہل دمشق میں سے ہے، یہ اپنے والد سے روایت کرتا ہے اور اس سے اہل شام روایت کرتے ہیں، فی نفسہ تو ثقہ ہے لیکن جو روایت اس سے (اس کا بیٹا) احمد بن محمد اور اس کا بھائی عبید بیان کرے اس سے دور رہا جائے، کیونکہ یہ دونوں اس کے سر کچھ بھی ڈال دیتے ہیں (یعنی اس کے نام سے کچھ بھی بیان کر دیتے ہیں)۔

اور خیر سے گیاوی صاحب کی پیش کردہ اس روایت میں "محمد بن یحییٰ بن حمزہ" سے روایت کرنے والا بھی "احمد بن محمد بن یحییٰ" ہی ہے لہذا اس روایت سے بھی بچنا بقول ابن حبان ضروری ہے۔

① الفتاویٰ لابن حبان، جلد ۹ صفحہ ۷۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد، الہند.

دوسری روایت گیاوی صاحب نے بحوالہ "سیر اعلام النبلاء" پیش کی ہے جس کی سند انہوں نے یوں نقل کی ہے:

كثِيرُ ابْنِ هَمَامٍ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بَرْقَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زَيْدٍ، قَالَ: لَمَّا أَتَى
يَزِيدُ بَرَأْسَ الْحُسَيْنِ، جَعَلَ يَنْكُثُ سِنْفَهُ وَيَقُولُ: مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ
بَلَّغَ هَذَا السِّنِّ - وَإِذَا لَيْخَيْتُهُ وَرَأْسُهُ قَدْ نَصَلَ مِنَ الْخِضَابِ ①

اور ترجمہ یوں کیا ہے: کثیر ابن ہمام کہتے ہیں کہ ہم سے جعفر ابن برقان نے بیان کیا کہ یزید بن ابی زید نے کہا: جب یزید کے پاس سیدنا حسین ؑ کا سر لایا گیا تو وہ آپ کے دندان مبارک کو کراید نے لگا اور کہہ رہا تھا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ حسین ؑ اس عمر کو پہنچ گئے ہیں حالانکہ سیدنا حسین ؑ کی ڈاڑھی اور سر خضاب سے رنگا تھا۔

اور پھر گیاوی صاحب نے اس کے بعد لکھا ہے:

”اس روایت کے تمام راوی مسلم شریف کے راویوں میں ہیں۔“

تو اس پر پہلی گزارش یہ ہے کہ سب سے پہلے راوی کا نام گیاوی صاحب نے ”کثیر ؑ ابن ہمام“ جو عربی واردو، دونوں جگہ نقل کیا ہے وہ درست نہیں، بلکہ ”سیر اعلام النبلاء“ میں یہ نام ”کثیر بن ہشام“ لکھا ہے۔ ①، نیز ”جعفر بن برقان“ سے روایت کرنے والوں میں ”کثیر بن ہشام“ کا نام ہی ملتا ہے۔ ②

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ ذہبی نے اس روایت کی سند ”کثیر بن ہشام“ سے شروع کی ہے، اور کثیر بن ہشام کی وفات سنہ ۲۰۷ یا ۲۰۸ ہجری میں ہوئی ہے، جبکہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۵۔

② دیکھیں: سیر اعلام النبلاء، جلد ۳ صفحہ ۳۲۰ مؤسسۃ الرسالۃ۔

③ دیکھیں: رجال صحیح مسلم لأبی بکر ابن منجریہ متوفی ۳۲۸ھ ج ۲ ص ۱۵۵ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

امام ذہبی کی ولادت سنہ ۶۷۳ ہجری کی ہے، درمیان کی سند گیاوی صاحب نے بیان نہیں کی تاکہ اس کا جائزہ بھی لیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں ”یزید بن ابی زیاد“ سے مراد کون ہے؟ یہ گیاوی صاحب نے نہیں بتایا، لیکن چونکہ انہوں نے اسے ”صحیح مسلم“ کے راویوں میں شمار کیا ہے تو اس سے مراد یقیناً ”یزید بن ابی زیاد القرشی الهاشمی أبو عبد اللہ مولاہم الکوفی“ ہے، کیونکہ اسی راوی کے تعارف میں امام ذہبی نے ہی اپنی کتاب ”میزان الاعتدال“ میں لکھا ہے:

”خروج له مسلم مقرونا باخو“^①

”امام مسلم نے اس کے ساتھ دوسرے راوی کو ملا کر روایت کی تخریج کی ہے۔“

تو اگر یہ راوی مسلم کے راویوں میں سے بھی ہو تو امام مسلم نے اس اکیلے کی روایت کی تخریج نہیں کی بلکہ بقول علامہ ذہبی اسے دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر روایت کی ہے۔

اب آئیے ذرا اس راوی پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

امام یحییٰ بن معین نے کہا:

لا ینصح بحديثه

”اس کی حدیث سے دلیل نہ پکڑی جائے۔“

ایک جگہ کہا: یہ ضعیف ہے۔

امام ابو زرعد نے کہا:

① میزان الاعتدال، جلد ۴، ۲۲۴، دار المعرفۃ بیروت.

”اس راوی میں ٹیڑھا پن ہے، اس کی حدیث لکھی تو جاسکتی ہے لیکن اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔“

امام نسائی نے کہا: ”یہ ضعیف ہے۔“

ابن المبارک سے منقول ہے کہ:

”ارم بہ، یعنی اسے پھینک دو۔“

ابن فضیل نے کہا:

”یزید بن ابی زیاد، شیعہ کے بڑے اماموں میں سے تھا۔“

ابن عدی نے بھی کہا:

”یہ کوفہ کے شیعہ میں سے تھا۔“

امام دارقطنی نے کہا: یہ ضعیف اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے، امام احمد

بن حنبل نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔^①

اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

”سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یزید بن ابی زیاد کی عمر صرف ۱۴

سال تھی، کیونکہ اس کی پیدائش سنہ ۴۷ ہجری کی ہے، اور آخری عمر میں

اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی احادیث میں نکارت

پائی جاتی ہے، لہذا اس کے کوفہ آنے کے بعد جن لوگوں نے اس راوی

① الجرح والتعديل، ج ۹، ص ۲۶۵ طبع حیدرآباد، الهند / تہذیب الکمال للمزی، ج ۳۲، ص ۱۳۵ طبع مؤسسة الرسالة بیروت / الکامل فی ضعف الرجال لابن عدی، ج ۹، ص ۶۳ طبع دار الکتب العلمیة بیروت / الضعفاء والمتروکین للنسائی، ص ۱۱۱، دار الوعی حلب / المغنی فی الضعفاء للذہبی، ج ۲، ص ۴۹ میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۲۳ دار المعرفة بیروت / تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۳۳۱ طبع حیدرآباد، الهند / موسوعة اقوال الامام احمد بن حنبل فی رجال الحدیث وعللہ، ج ۳، ص ۱۵۰، طبع عالم الکتب بیروت.

سے حدیث سنی اس سماع کی کوئی حیثیت نہیں ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔^①

خلاصہ کلام یہ کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ:

"وَأَمَّا حَمَلُهُ إِلَى عُنْدِ يَزِيدَ فَبَاطِلٌ وَإِسْنَادُهُ مُنْقَطِعٌ"^②

”سر مبارک کے یزید کے پاس لے جائے جانے کی بات باطل ہے اور اس کی سند منقطع ہے۔“

ہاں اگر گیاوی صاحب ”مستورۃ الحال“ عورت ”ریتا“ کی توثیق و تعدیل کہیں سے ثابت کر دیں، یا سیدنا حسین رحمہ اللہ کی شہادت کے وقت ”چودہ سال کی عمر والے لڑکے“ ”یزید بن ابی زیاد“ کا اس واقعہ کے وقت دمشق میں ہونا ثابت کر دیں، اور پھر اسے بھی ثقہ ثابت کر دیں تو ان کی نقل کردہ روایات پر غور ہو سکتا ہے، لہذا گیاوی صاحب کا ایسی روایات کو ”صحیح“ لکھنا^③ سراسر ضد اور سینہ زوری ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

محمد بن زکریا الغلابی:

آئیے اب ایک تیسری شخصیت محمد بن زکریا الغلابی کا تعارف دیکھتے ہیں:

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"يضع الحديث" یہ حدیثیں گھڑتا ہے۔^④

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

① المعجروحين لابن حبان، ج ۳ ص ۹۹ دار الوعی حلب.

② منهاج السنة، ج ۸ صفحہ ۴۲ طبع السعودية.

③ ایضاً صفحہ ۱۴۶.

④ سوالات الحاکم للدارقطنی، صفحہ ۱۴۸ مکتبة المعارف، الرياض.

"محمد بن زکریا الغلابی کذاب" ①

محمد بن زکریا الغلابی بڑا جھوٹا ہے۔

امام ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کی ایک روایت کو اپنی کتاب "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے اور اسے "موضوع" (من گھڑت) بتایا ہے (اور گیاوی صاحب نے اسی روایت کو اپنی دلیل بنایا ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا) اور پھر ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

"محمد بن زکریا الغلابی" غالی قسم کا شیعہ تھا، دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ②

امام ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک جگہ اسی راوی کی ایک روایت ذکر کر کے لکھا ہے:

"هذا حديث موضوع وضعه محمد بن زكريا" ③

"یہ من گھڑت حدیث ہے جسے محمد بن زکریا نے گھڑا ہے۔"

قارئین محترم! یہ تھا تعارف مولانا سید طاہر حسین گیاوی کے اپنے حق میں پیش کردہ "تین گواہوں" کا، ہم ہر "منصف مزاج انسان" سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ان تین راویوں کے مندرجہ بالا پیش کردہ تعارف کو ذہن میں رکھ کر گیاوی صاحب کی کتاب کا مطالعہ شروع کریں، اور پھر اس کتاب کا تعارف کروانے والے مولانا نوشاد نوری قاسمی کی اس بات کا جائزہ لیں کہ:

"گیاوی صاحب نے اس شان کی تحقیق پیش کی ہے کہ منصف انسان اسے

① میزان الاعتدال، جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ دار الفکر بیروت.

② الموضوعات لابن جوزی، جلد ۳ صفحہ ۷۷۸ المكتبة السلفية، المدينة.

③ ايضاً، جلد ۱ صفحہ ۳۱۸.

قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

گیانوی صاحب کی کتاب کا نام ”شہید کربلا اور کردار یزید“ کیوں؟:

قارئین محترم! مولانا سید طاہر حسین گیانوی نے اپنی اس کتاب کا نام رکھا ہے ”شہید کربلا اور کردار یزید“، لیکن کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں کہ:

”ہماری کتاب کے اندر زیادہ حصے پر یزیدی کردار اور اس کے فاسق ہونے کے کارنامے بدلائل ذکر کیے گئے ہیں، سیدنا حسین ؑ کی شہادت کی تفصیل اور اس کے تعلقات پر بحث نہیں کی گئی ہے، ایک تو اس لیے کہ یزید کے فسق کا صرف اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس کے فسق کے لیے اور بھی واقعات اور دلائل موجود ہیں، دوسرے اس لئے بھی کہ قتل حسین ؑ کا واقعہ حکیم السلام (یعنی قاری طیب صاحب - ناقل) کی کتاب ”شہید کربلاء اور یزید“ کا موضوع ہے اور اس میں تفصیل سے آچکا ہے، میں نے اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا ہے“^①

ہمارا گیانوی صاحب سے سوال ہے کہ اگر آپ نے ”قتل حسین ؑ“ کے واقعہ اور سیدنا حسین ؑ کے دوسرے صحابہ سے اختلافی موقف، اس کے اسباب و وجوہات کو نظر انداز ہی کرنا تھا اور آپ کا موضوع صرف یزیدی کردار اور اس کا فسق ہی تھا تو پھر آپ نے اپنی کتاب کا نام ”شہید کربلا اور کردار یزید“ کیوں رکھا؟ صرف کردار یزید کیوں نہ رکھا؟ آپ ”علمی محاسبہ“ کرنے چلے ہیں محدث کبیر و محقق جلیل علامہ اعظمی ؒ کا اور حال یہ ہے کہ آپ خود اپنی کتاب کا نام تک اپنے موضوع کے مطابق نہیں رکھ سکے..... لیکن ہمارے خیال میں گیانوی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ محدث ^① گیانوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱.

اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ:

”یزید کی زندگی میں سوائے اس وفد کے جو مدینہ سے شام گیا، کسی نے بھی یزید کی شراب خواری وغیرہ کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا، اور اس وفد کے بیان کی بھی خود سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی محمد ابن حنفیہ نے تکذیب کر دی ہے۔“^①

یہ بات سو فیصد درست اور حقیقت ہے، گیاوی صاحب خوب جانتے ہیں کہ سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ سے یزید کے کردار کے بارے میں یا اس کے فسق و شراب خواری کے بارے میں ایک لفظ بھی وہ ثابت نہیں کر سکتے، نیز محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ بتانا پڑے گا کہ ”یزید کب فاسق ہوا تھا“، یہ سوال بھی اپنی جگہ بہت اہم اور بنیادی ہے، کیونکہ ہمیں یہ تو بتایا جاتا ہے کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ ”یزید فاسق“ تھا، لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ یزید میں یہ فسق کب ظاہر ہوا تھا؟ اس کی ولی عہدی کے دور میں اور سیدنا معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی یا بعد کے کسی زمانے میں؟ اگر دور ولی عہدی میں اور سیدنا معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی ہوا تھا تو سوال یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم نوا صحابہ و تابعین کو بھی اس فسق و فجور کا علم تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو دمشق سے سینکڑوں میل دور بیٹھے اہل مدینہ کو اس کا علم کیسے ہو گیا؟ اور اگر سیدنا معاویہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ صحابہ کو بھی علم تھا تو پھر انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے باختیار خود ایسے فاسق و فاجر اور زانی و شرابی کو خلیفہ نامزد کیوں کیا یا اس کی نامزدگی برقرار کیوں رکھی؟ جبکہ باختیار خود کسی عام درجے کے فاسق و فاجر کو بھی خلیفہ بنانا مسلمانوں کے لیے گناہ ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے (گیاوی صاحب اپنے آپ کو

① محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ ۷۳۔

ولی اللہی جماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں) خلیفہ کی شرائط بیان کرتے ہوئے ایک شرط یہ بیان کی ہے کہ:

”خلیفہ عادل ہو، کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا نہ ہو۔“^①

اور پھر ساری شرائط ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ:
 ”اگر کسی ایسے کو خلیفہ بنا سکیں جن میں یہ شرائط نہ پائے جاتے ہوں تو اس کی خلافت کے بانی گناہگار ہوں گے۔“^②

جس سے ثابت ہوا کسی ایسے شخص کو جان بوجھ کر خلیفہ بنانا جو کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا نہ ہو (جسے فاسق کہا جاتا ہے) یہ گناہ کا کام ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
 وَعَنْ بَعْضِهِمْ لَا يَجُوزُ عَقْدُ الْوِلَايَةِ لِفَاسِقٍ ابْتِدَاءً فَإِنْ أَخَذَتْ جُوزًا بَعْدَ أَنْ
 كَانَ عَدْلًا فَاتَّخَذُوا فِي جُوزِ الْخُرُوجِ عَلَيْهِ وَالصَّحِيحُ الْمَنْعُ إِلَّا أَنْ يَكْفُرَ
 فَيَجِبُ الْخُرُوجُ عَلَيْهِ۔^③

اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ فاسق کی ولایت کا انعقاد کرنا (یعنی اسے حاکم بنانا) جائز ہی نہیں، ہاں اگر (حاکم بننے کے وقت تو وہ عادل تھا) لیکن بعد میں اس سے ظلم ظہور پذیر ہوا تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کے خلاف خروج جائز ہے یا نہیں، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس کے خلاف خروج بھی منع ہی ہے، مگر یہ کہ وہ کفر اختیار کرے تو پھر اس کے خلاف خروج واجب ہے۔

① ازالة الخفاء: ج ۱ ص ۲۰ مترجم اردو.

② ایضاً، صفحہ ۲۳.

③ فتح الباری، صفحہ ۸ جلد ۱۳ دار المعرفۃ بیروت.

لہذا یزید کو فاسق و فاجر جانتے ہوئے اس کی بیعت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ اعتراض بہر حال آتا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر ایک فاسق کو والی بنایا، تو اس طرح ان صحابہ کا دفاع کیسے ممکن ہے؟

اس لئے سب سے پہلے اس بات کی تفتیح بہت ضروری ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان چار یا پانچ صحابہ کا اختلاف جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا اختلافی موقف دیا تھا، یزید کی ذات و کردار پر تھا یا اس طریقے پر تھا جس طریقے سے یزید کو ولی عہد بنایا گیا تھا؟، انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کی کیا وجہ بیان کی تھی؟ یزید کا فسق یا کچھ اور؟ اور کیا ان حضرات کا یہ اختلاف یزید سے تھا یا دوسری طرف والے ان جمہور صحابہ سے تھا جنہوں نے یزید کی ولی عہدی سے اتفاق کیا تھا؟

اور یہ بات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے آپ کی شہادت تک کسی بھی مرحلے میں یہ ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے اس اختلاف کی بنیاد یزید کے فسق و فجور یا اس کی ذات کو بتلایا ہو، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی آنا فانا تو نہیں ہو گئی تھی کہ ان سے اس بنیاد کا منقول ہونا پردہ خفاء میں رہ گیا ہو، بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے یزید کی ولی عہدی سے، پہلے دن سے ہی اختلاف کیا اور عراق کی طرف اپنے خروج تک اس پر قائم بھی رہے، ولی عہدی کے زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مذاکرات ہوئے، ان کی وفات کے بعد گورنر مدینہ سے اس پر گفتگو ہوئی، مدینہ سے مکہ کا سفر ہوا، وہاں صحابہ و تابعین سے صلاح مشورے ہوئے، کوفہ کی طرف نکلے تو صحابہ و تابعین نے روکا، کربلا پہنچے تو تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ یزیدی فوج کے ذمہ داروں سے آپ کی بالمشافہ باتیں ہوئیں، ان تمام مراحل میں کیا کسی بھی مرحلے میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

نے اپنے اس خروج کی بنیاد یزید کے فسق کو فحور کو قرار دیا؟ بلکہ کیا کہیں کسی موقع پر اس کے فسق و فحور کا نام بھی لیا؟

اس لئے گیا وی صاحب ان تمام باتوں کی تفتیح کیے بغیر اور ان سے صرف نظر کر کے کیوں آگے جانا چاہتے ہیں؟ جبکہ وہ خود اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ "محمد زکریا الغلابی" (کذاب و وضاع) کی ایک روایت کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں (اور ادھوری نقل کرتے ہیں) یہ فحور کیے بغیر کہ اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ وقت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر کتنا بڑا اعتراض آتا ہے کہ (اس جھوٹی روایت کے مطابق) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں آتا ہے کہ یزید شراب پیتا ہے، اور وہ یزید پر "شرب خمر" کی حد جاری کرنے کے بجائے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ:

”بیٹا ایسے کام دن کی روشنی میں نہ کیا کرو بلکہ رات کے اندھیرے میں کیا

کرؤ“۔ (العیاذ باللہ)

گیا وی صاحب نے یزید کو شرابی ثابت کرنے کے لیے اس روایت کا پہلا حصہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳-۲۴ پر بحوالہ "البدایة والنہایة" طبرانی سے نقل کیا ہے (جبکہ ہم نے بہت تلاش کیا ہمیں یہ روایت طبرانی کی کسی کتاب میں نہیں ملی، نہ جانے حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے طبرانی کی کس کتاب سے یہ لی ہے؟)، بہر حال گیا وی صاحب یہ روایت پیش کر کے لکھتے ہیں:

”اس روایت کے راویوں میں سب ثقہ ہیں، صرف محمد بن زکریا غلابی

ضعیف ہیں، اور وہ ثقہ سے روایت کر رہے ہیں اس لیے قابل اعتبار اور

دوسرے راویوں کی وجہ سے لائق اعتماد بھی ہیں“ ①۔

ہم یہ گیاوی تحقیق سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک ایسا راوی جسے "کذاب" اور "حدیثیں گھڑنے والا" کہا گیا ہے، اس کے بارے میں بڑے آرام سے یہ لکھ رہے ہیں کہ

”وہ ثقہ سے روایت کر رہا ہے اس لیے قابل اعتبار ہے“۔

پھر گیاوی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۳-۱۲۴ پر ابوالفرج اصفہانی کی "کتاب الاغانی" کے حوالے سے ایک روایت پیش کرتے ہیں جسے وہ خود بقلم خود "غیر معتبر" بھی لکھتے ہیں لیکن ثابت یہ کر رہے ہیں کہ یزید کافسق تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی سے ہی چلا آ رہا تھا، اور پھر گیاوی صاحب اس روایت پر اپنے مقدمہ کی بنیاد قائم کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

”یہ روایت بتاتی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حیات میں ہی شروع ہو چکی تھی، وہ بھلے واقف نہ ہوں، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آچکی تھی، یزید کے سلسلہ میں طبرانی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی.....“ ②۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیسی شاعر تحقیق ہے کہ کذاب، جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے راویوں کی روایات کی بنیاد پر اپنے دعوے کی بنیاد رکھی جائے اور خود یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ ”یہ روایت غیر معتبر ہے“ ۱۹ سے تحقیق نہیں بلکہ تلبیس کہتے ہیں۔

بہر حال مجھے یہاں یزید کے فسق و شراب نوشی سے بحث نہیں کرنی، بلکہ بتانا یہ

① ایضاً صفحہ ۱۲۵۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۴۔

مقصود ہے کہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ:

”یزید کی زندگی میں سوائے اس وفد کے جو مدینہ سے شام گیا، کسی نے بھی یزید کی شراب خواری وغیرہ کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا۔“

یہ بالکل درست لکھا ہے، اگر گیاوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے پاس کوئی ایک ”صحیح“ اور ”مستند“ روایت ہوتی تو وہ ضرور پیش کرتے، رہی بات ”محمد بن زکریا غلابی“ جیسے کذاب اور وضاع کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر صریح طعن پر مشتمل روایت کی؟ تو ہم صحابہ کرام پر طعن کرنے والی ایسی روایات کو گوزشتہ (اونٹ کے پاؤ) سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ (محمد بن زکریا غلابی کا تعارف ہم پہلے کروا چکے ہیں)۔

اب آتے ہیں دوسری طرف، اگر یزید کا فسق و فجور دور ولی عہدی اور حیات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد کسی دور میں ظاہر ہوا تھا (جیسا کہ گیاوی صاحب اور ہمنوا یہ بتاتے ہیں کہ:

”وہ فاسق و شراب نوش تو پہلے سے تھا لیکن اس کا فسق و فجور نہ سب کو معلوم تھا اور نہ ہی اعلانیہ یہ کام کرتا تھا، فاسق تو تھا لیکن فاسق مجاہر نہ تھا، فاسق مجاہر تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور رازدارانہ طور پر در پردہ جو کچھ وہ کرتا تھا اب مکمل کھل کر اعلانیہ کرنے لگا)۔“^①

تو پھر ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ یزید کے اس ”خفیہ اور در پردہ“ فسق کی خبر گیاوی صاحب کو کس نے دی؟ اور اس کی خبر اس مخبر نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کیوں نہ دی؟ گیاوی صاحب کو چاہئے تھا وہ ہمیں بتاتے کہ ان کا یہ ”مخبر“ کون ہے؟ اگر تو ”محمد

① خلاصہ: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۵.

بن زکریا الغلابی، یا ”واقدی“ و ”ابومخنف“ ہے تو ان کا حال ہم پہلے بیان کر چکے، پھر کیا گیا وی صاحب، قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق سے متفق نہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف کھڑے ہی تب ہوئے تھے جب اس کا فسق تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا؟ غور سے پڑھیں:

”جب یزید کا فسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تو کوفہ کے اہل بیت کی جماعت نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اہل کوفہ کے پاس تشریف لے آویں، تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ اب یزید کے خلاف کھڑے ہو جانا متعین ہے اس کے فسق کی وجہ سے“۔^①

قاری صاحب کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید پہلے سے ہی ”فاسق مجاہر“ تھا، اسی لئے تو ان کے خیال میں یزید کا فسق تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا، جبکہ گیا وی صاحب ہمیں کچھ اور بتا رہے ہیں۔

اور دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا صحابہ نے روز اول سے ہی اس کی ولی عہدی سے اختلاف کس بنیاد پر کیا تھا؟ یعنی اس کے فسق و فجور کی بنیاد پر یا کسی اور وجہ سے؟

ہمارے خیال میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اختلافی موقف کی حقیقت سمجھنے کے لئے بنیادی طور پر ان باتوں کی تفتیح ضروری ہے۔

نمبر ۱: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف کس سے تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم سے یا یزید سے؟۔

نمبر ۲: اختلاف کس مسئلے میں تھا، یزید کی ذات میں یا ولی عہدی کے طریق کار میں؟۔

نمبر ۳: اختلاف کی بنیاد کیا تھی، اصولی اجتہاد اور قواعد خلافت یا یزید کا فسق و عدل؟

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۵-۸۶، ادارہ اسلامیات لاہور۔

(یا دوسرے لفظوں میں موقف حسینی کی صحت و عدم صحت کی بنا کیا تھی؟ فسق و عدل یزید یا اصول خلافت و قواعد اجتہاد)۔

ہمارے نزدیک امر واقعہ یہی ہے کہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھا اور طریق اعتقاد خلافت میں تھا اور پھر اصول خلافت و قواعد اجتہاد پر مبنی تھا، یزید کے فسق و عدل پر مبنی نہ تھا (اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے)، ورنہ جیسا کہ صحیح روایات میں مذکور ہے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو فیوں کی غداری دیکھ کر اپنے پہلے موقف سے رجوع نہ کرتے اور یزید کی بیعت پر تیار نہ ہو جاتے، نیز (یزید کی ولی عہدی کی تجویز پر بات چیت کے دوران) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں ان کے خلافت سے علیحدہ ہو جانے پر یزید کی بیعت پر رضامندی ظاہر نہ کرتے، تاریخ طبری میں صحیح سند کے ساتھ کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش کی گئی اس تجویز کا ذکر موجود ہے، جس میں یہ ہے کہ

”أن يسيروه إلى أمير المؤمنين، فيضع يده في يده“^①

”کہ انھیں امیر المؤمنین کی طرف بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دیں“۔

بلکہ اسی روایت میں اس سے پہلے یہ بھی ہے کہ راوی کہتا ہے:

”فانطلق يسير نحو طريق الشام نحو يزيدي...“

”کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، یزید کے پاس جانے کے لیے شام کے راستے پر بھیجے ہوئے تھے“۔

① تاریخ الطبری، ج ۵ ص ۳۹۲ دار التراث بیروت / البداية والنهاية جلد ۱، صفحہ ۵۱۸ دار ہجر۔ اس روایت کو ”صحیح تاریخ الطبری“ کے محققین نے صحیح تسلیم کیا ہے: ج ۳ ص ۶۸ نیز ڈاکٹر محمد شیبانی نے ”مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية“ میں بھی اس کی سند کو صحیح بتایا ہے: ص ۳۳۲۔

تو اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا اختلاف یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے تھا تو کیا ان کے کربلا میں پہنچنے کے بعد یزید نے فسق و فجور سے توبہ کر لی تھی جو آپ اسے ”امیر المؤمنین“ کہتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی تجویز دیتے ہیں؟

نوٹ: ہم نے اوپر جس روایت کا حوالہ دیا ہے اس میں کوئی ایک راوی بھی ضعیف نہیں، اور ”ہلال بن یساف“ (یا ”اساف“) جو یہ بات بیان کر رہے ہیں وہ متفق علیہ ثقہ تابعی ہیں اور کوفہ کے رہنے والے ہیں، انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے اور دوسرے کئی صحابہ کرام کے علاوہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے روایت بھی کرتے ہیں۔^①

یہ بات اس لیے عرض کر دی کہ آج کل کچھ نئے محققین یہ سوال کرتے ہیں کہ ثابت کرو کہ ہلال بن یساف نے واقعہ کربلا کا زمانہ پایا ہے، تاہم ایسی ہی ایک روایت اسی تاریخ طبری میں گیاوی صاحب کے ممدوح ”ابو مخنف لوط بن یحییٰ“ کے واسطے سے بھی مروی ہے، جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بات مذکور ہے الفاظ ہیں.....

”أَوْ أَنْ يَأْتِي يَزِيدُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَيَضَعُ يَدَهُ فِي يَدِهِ“^②

کسی اور کے لئے یہ روایت قابل قبول ہونہ ہو، گیاوی صاحب کے لیے یہ روایت بھی حجت ہوگی۔

تو گیاوی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ بات کو ابتداء سے شروع کرتے اور کذاب و وضاع راویوں اور باقرار خود ”غیر معتبر“ روایات سے نہیں بلکہ اگر ان کے

① تہذیب التہذیب، جلد ۱۱، صفحہ ۸۶.

② تاریخ طبری، جلد ۵، صفحہ ۳۱۳.

پاس محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کو غلط ثابت کرنے کے لیے کوئی مستند اور صحیح دلائل تھے تو وہ پیش کرتے تاکہ ”منصف مزاج“ آدمی دونوں طرف کے دلائل پڑھ کر یہ فیصلہ کر پاتا کہ کون سا موقف درست ہے اور مضبوط دلائل پر قائم ہے، لیکن انہوں نے تو اپنی کتاب کی ابتداء ہی ”واقعہ حرہ“ سے کی ہے، لہذا ہم بھی اب اسی پر آتے ہیں۔

گیاوی صاحب کی کتاب کا آغاز واقعہ حرہ سے:

قارئین محترم! مولانا سید طاہر حسین گیاوی صاحب نے اپنی بحث کا آغاز جس عنوان سے کیا ہے وہ ہے ”یزید کی بیعت اور اہل مدینہ“ اور پھر واقعہ حرہ سے متعلق صحیح بخاری کی ایک روایت نقل کی ہے نیز لکھا ہے کہ

”واقعہ کی ابتدا قاعدے میں اس سے نہیں ہونی چاہئے تھی مگر وہ روایت اس بحث میں نہایت اہمیت کی حامل ہے اس لیے آغاز اسی سے کر دیا ہے۔“^①

یعنی گیاوی صاحب ایک دم سنہ ۶۳ ہجری پر آگئے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آنجناب کے پاس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رجب سنہ ۶۰ ہجری میں وفات سے لے کر سنہ ۶۳ ہجری تک یزید کے بارے میں اپنے دعوے کے حق میں کوئی قابل اعتماد دلیل موجود نہ تھی، اگر ہوتی تو انہیں ابوالفرج اصفہانی کی ”کتاب الاغانی“ سے بے سرو پا باتیں اور ”محدذکر یا الغلابی“ جیسے کذاب و وضاع کی روایت پر تکیہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

بہر حال ہم بھی سمجھتے ہیں کہ واقعہ حرہ کو سمجھنے کے لیے صحیح بخاری کی یہ روایت واقعی بہت اہمیت کی حامل ہے، اس روایت پر آنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ محدث ^① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۔

اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا یہ اقتباس غور سے پڑھ لیا جائے جو انہوں نے اسی واقعہ حرہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”..... ہم اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد ہرگز ہرگز یزید کو ولی، یا خلیفہ راشد، یا امام و مقتدا ثابت کرنا نہیں ہے، نہ ہم اس کو زمرہ ابرار و اتقیائے مسلمین میں شمار کرنے کو کہتے نہ شمار کرتے ہیں، اور نہ ہم اس کے ساتھ ایسی حسن عقیدت رکھنے کی دعوت دیتے ہیں جو عقیدت خلفاء راشدین، ائمہ دین، بزرگان اسلام، صالحین و متقین یا منشرع و عادل بادشاہوں کے ساتھ رکھی جاتی ہے، ہمارا مقصد تو صرف اتنا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ سنی ہونے اور مسلک اہل حق پر اپنے کو قائم ثابت کرنے کے لیے یزید کے فسق و فجور کا اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے، نہ یہ بات عقائد اہل سنت میں داخل ہے۔“^①

اب آئیے دیکھتے ہیں گیادوی صاحب نے صحیح بخاری کی کون سی روایت پیش کی ہے:

”لَمَّا خَلَعَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عَمْرٍو حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوْ أَدَّيَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَكْبَرَ مِنْ أَنْ يَبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا يَبَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ، إِلَّا كَانَتْ الْفَيْضَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ“^②

① محدث اعظمی کا تبصرہ بر شہید کربلا دینیز صفحہ: ۴۹-۵۰.

② صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۷۱۱۱.

(ترجمہ از گیاوی صاحب) ”جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خاص لوگوں اور اور اپنے لڑکوں کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، وہ فرما رہے تھے ہر غدار کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص (یعنی یزید بن معاویہ) کے لئے اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑی غداری نہیں جانتا کہ کسی شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اسی کے خلاف جنگ و قتال بھی کیا جائے، اس لیے میں تم میں سے کسی کے بارے میں نہیں جانا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی بیعت توڑے اور نہ یہ کہ اس معاملے میں کسی کی بیعت کرے، الا یہ کہ یہ بات میرے اور اس شخص کے علیحدگی کی باعث ہوگی“۔^①

فاسق حاکم کے خلاف خروج کا حکم:

قارئین محترم! اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ گیاوی صاحب نے اگر صحیح بخاری کی یہ روایت نقل کر ہی دی تھی جس میں سنہ ۶۳ ہجری میں (چند) اہل مدینہ کے یزید کے بیعت توڑنے کا ذکر ہے اور ان بیعت توڑنے والوں کے بارے میں جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مبنی بر فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلے اور اپنے اہل و عیال کو سختی سے بیعت نہ توڑنے کی نصیحت کا بیان ہے، تو وہ یہ بھی بیان فرمادیتے کہ اہل سنت والجماعت کا موقف اس بارے میں کیا ہے؟ لیکن گیاوی صاحب کا مقصد چونکہ صحیح بخاری کی روایت سے استدلال نہ تھا بلکہ جس واقعہ کا اس روایت میں ذکر ہے اس سے متعلقہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲

جھوٹے اور کذاب راویوں کی روایات سے اپنا موقف ثابت کرنے پر ان کی توجہ تھی اس لیے وہ اس روایت سے مستنبط ہونے والے مسائل و احکام کو گول کر گئے، حالانکہ گیاوی صاحب کو چاہئے تھا کہ اس بات پر بھی روشنی ڈالتے کہ مسلک اہل سنت کی رُو سے فاسق و فاجر اور ظالم و جائز حکمرانوں کے خلاف بھی خروج کرنا اور شرع کے مطابق ان کے احکام میں ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینا جائز نہیں ہے، چنانچہ حافظ حدیث اور حنفی عالم امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۲۱ ہجری) اہل سنت کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَلَا تَرَى الْخُرُوجَ عَلَى الْإِمْتِنَانِ وَوَلَاةِ أُمُورِنَا وَإِنْ جَارُوا وَلَا نَدْعُوا عَلَيْهِمْ
وَلَا نَنْزِعُ يَدَنَا مِنْ طَاعَتِهِمْ... الخ" ①

”یعنی ہم اپنے حکام اور راویوں پر خروج جائز نہیں سمجھتے، اگرچہ وہ بے راہ رو ہوں، اور نہ ان پر بددعا کرتے ہیں، اور نہ ان کی اطاعت سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔“

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح عقائد میں اہل سنت کا یہی عقیدہ بیان کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

"ولا يرون الخروج عليهم" ②

یعنی اہل سنت والجماعت اپنے ائمہ کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تو فاسق حاکم کے خلاف خروج کرنا جائز ہونا جمہور علماء اہل سنت کا قول بتلایا ہے:

① العقيدة الطحاوية، صفحہ ۶۸ طبع المكتبة الاسلامی بیروت.

② شرح العقائد مع شرحه النبراس، ص ۵۳۹.

”وَقَالَ جَمَاهِيرُ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنَ الْفُقَهَاءِ وَالْمُحَدِّثِينَ وَالْمُتَكَلِّمِينَ لَا يَنْعَزِلُ بِالْفُسْقِ وَالظُّلْمِ وَتَغْيِيلِ الْحُقُوقِ وَلَا يَخْلَعُ وَلَا يَجُوزُ الْخُرُوجُ عَلَيْهِ بِذَلِكَ بَلْ يَجِبُ وَعَظُهُ وَتَحْوِيفُهُ لِلْأَحَادِيثِ الْوَارِدَةِ فِي ذَلِكَ“ ①

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وَلِهَذَا اسْتَقَرَّ أَمْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَى تَرْكِ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ لِلْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ النَّابِغَةِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَارُوا يَذْكُرُونَ هَذَا فِي عَقَائِدِهِمْ وَيَأْمُرُونَ بِالصَّبْرِ عَلَى جُورِ الْأَيْمَةِ وَتَرْكِ الْقِتَالِهِمْ“ ②

”یعنی اہل سنت کی رائے اس بات پر قرار پاگئی کہ زمانہ فتنہ میں قتال نہ کیا جائے کیونکہ اس بارے میں نبی ﷺ سے صحیح احادیث ثابت ہیں، اور وہ (اہل سنت) اپنے عقائد میں یہ بات ذکر کرتے ہیں اور اپنے حکام اور والیوں کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے قتال ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، حکام و امراء کی اطاعت و فرمانبرداری سے متعلق صحیح بخاری میں مروی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قَالَ بَطَّالٌ فِي الْحَدِيثِ حُجَّةٌ فِي تَرْكِ الْخُرُوجِ عَلَى السُّلْطَانِ وَلَوْ جَازَ وَقَدْ أَجْمَعَ الْفُقَهَاءُ عَلَى وَجُوبِ طَاعَةِ السُّلْطَانِ الْمُتَغَلَّبِ وَالْجِهَادِ مَعَهُ وَأَنَّ طَاعَتَهُ خَيْرٌ مِنَ الْخُرُوجِ عَلَيْهِ لِمَا فِي ذَلِكَ مِنْ حَقْنِ الدِّمَاءِ وَتَسْكِينِ الدِّهْمَاءِ وَحَبْثِهِمْ هَذَا الْخَيْرُ وَغَيْرُهُ وَمَا يَسَاعِدُهُ وَلَمْ يَسْتَشْنُوا

① شرح النووي علی صحیح مسلم: جلد ۱۴ صفحہ ۲۲۹ دار احیاء التراث العربی، بیروت.

② منهاج السنة، جلد ۳ صفحہ ۵۲۹ طبع سعودیہ / المنتقى من منهاج الاعتدال، جلد ۱ صفحہ ۲۹۷ طبع سعودیہ.

مِنْ ذَلِكَ إِلَّا إِذَا وَقَعَ مِنَ السُّلْطَانِ الْكُفْرِ الصَّرِيحِ فَلَا تَجُوزُ طَاعَتُهُ فِي ذَلِكَ

بَلْ تَجِبُ مَجَاهَدَتُهُ لِمَنْ قَدَرَ عَلَيْهَا كَمَا فِي الْحَدِيثِ الَّذِي بَعْدَهُ" ①

”ابن بطلال نے کہا ہے اس حدیث میں ظالم بادشاہ کے خلاف بھی خروج کے ترک پر دلیل ہے، فقہاء کا سلطان مستغلب کی اطاعت اور اس کے زیر سایہ جہاد کے واجب ہونے پر اجماع ہے، اور اس کی اطاعت اس کے خلاف خروج سے بہتر ہے کیونکہ اسی میں خونوں کی حفاظت ہے، اور ان فقہاء کی دلیل یہ اور اس جیسی دوسری احادیث ہیں، اور انہوں نے کوئی استثناء نہیں کی مگر یہ کہ اگر بادشاہ سے صریح کفر کا وقوع ہو تو اس صورت میں اس کی اطاعت جائز نہیں بلکہ جو قدرت رکھے اس کے لیے اس سے جہاد واجب ہوگا جیسا کہ اگلی حدیث میں آ رہا ہے۔“

آگے چل کر اسی سلسلہ میں اس امام سے متعلق جو پہلے عادل تھا پھر جائز ہو گیا، حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَإِنْ أَخَذَتْ جُوزًا بَعْدَ أَنْ كَانَ عَدْلًا فَاخْتَلَفُوا فِي جَوَازِ الْخُرُوجِ عَلَيْهِ

وَالصَّحِيحُ الْمَنْعُ إِلَّا أَنْ يَكْفُرَ فَيَجِبُ الْخُرُوجُ عَلَيْهِ" ②

ہاں اگر (حاکم بننے کے وقت تو وہ عادل تھا) لیکن بعد میں اس سے ظلم ظہور پذیر ہوا تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کے خلاف خروج جائز ہے یا نہیں، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس کے خلاف بھی خروج منع ہے، مگر یہ کہ وہ کفر اختیار کرے تو پھر اس کے خلاف خروج واجب ہے۔

① فتح الباری، ج ۱۳ ص ۷۰۷ دار المعرفۃ بیروت.

② ایضاً، ج ۱۳ ص ۸.

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (گیاوی صاحب اپنے آپ کو ’جماعت ولی اللہی‘ کی طرف منسوب کرتے ہیں)، زمانہ عقنہ کے نبوی احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پہلا (حکم) یہ کہ جب (تم پر) کوئی شخص غیر مستحق خلافت مسلط ہو جائے تو ان احکام میں جو شرع کے موافق ہوں تم پر اس کی اطاعت واجب ہے، نہ ان احکام میں جو شرع کے مخالف ہوں۔ دوسرا (حکم) یہ کہ اس سے بغاوت نہ کی جائے اور نہ اس سے جنگ کی جائے، ہاں اگر اس سے کفر صریح ظاہر ہو تو (اس حالت میں بغاوت اور لڑائی درست ہے) یہ مضمون متواتر بالمعنی ہے۔“

آگے احادیث نقل کر کے تیسرا حکم یہ بیان کیا ہے کہ:

”جب کسی شخص کی بیعت منعقد ہوگئی اور اس کا تسلط قرار پذیر ہوا، اب اگر دوسرا شخص اس پر خروج کرے اور اس سے لڑے تو اس کو قتل کرنا چاہئے، وہ خروج کرنے والا خواہ پہلے شخص سے افضل ہو یا اس کے برابر ہو یا اس سے مفضول ہو۔“^①

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”کسی سلطان (کی حکومت) پر مسلمانوں کے متفق ہو جانے کے بعد اس سلطان سے بغاوت کرنا حرام ہے اگرچہ وہ سلطان، خلافت کی شرطوں کا جامع نہ ہو، مگر اس صورت میں کہ اُس سے صریح کفر ظاہر ہو۔“^②

نوٹ: مسلمان حاکم اور امیر کی اطاعت کے لازم ہونے اور اس کے خلاف

① ازالة الخفاء مترجم، جلد ۱ صفحہ ۵۳۶ قدیمی کتب خانہ کراچی.

② ایضاً، ج ۱ ص ۳۱.

خروج کی ممانعت پر مزید حوالے آگے آئیں گے ان شاء اللہ۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی ایک روایت سے گیاوی صاحب کا استناد:

لہذا گیاوی صاحب نے اگر صحیح بخاری کی یہ روایت نقل کر ہی دی تھی تو غیر جانبدارانہ تحقیق یہ ہوتی کہ آپ اس روایت سے مستنبط ہونے والے حکم اور اس کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی بھی زیادہ نہیں تو تھوڑی سے وضاحت ضرور فرمادیتے، لیکن آپ صحیح بخاری کی اس روایت کو نقل کرنے کے فوراً بعد ”مذکورہ بالا روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق“ کی سرخی لگاتے ہیں اور پھر بات کا رخ ”صحیح بخاری“ سے ”تاریخ طبری“ میں مذکور ”ابو مخنف لوط بن یحییٰ“ کی ایک روایت کی طرف موڑ دیتے ہیں اور اس کے بعد طبری کی اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تقریباً تین صفحات سیاہ کرتے ہیں، چنانچہ پہلے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

"قُلْتُ وَكَانَ السَّبَبُ فِيهِ مَا ذَكَرَهُ الطَّبْرِيُّ مُسْتَنْدًا أَنَّ يَزِيدَ بْنَ مَعَاوِيَةَ كَانَ أَمْرًا عَلَى الْمَدِينَةِ بِنِ عَمِّهِ عُفْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ أَبِي سَفْيَانَ فَأَوْقَدَ إِلَى يَزِيدَ جَمَاعَةً مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ الْمَلَائِكَةِ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي عَامِرٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي عَمْرٍو بْنِ حَفْصِ الْمَخْزُومِيِّ فِي أَخْرَجِينَ فَأَكْرَمَهُمْ وَأَجَازَهُمْ فَرَجَعُوا فَأُظْهِرُوا عَيْبَهُ وَنَسَبُوهُ إِلَى شُرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِ ذَلِكَ"

(ترجمہ از گیاوی صاحب) میں ابن حجر کہتا ہوں اس بیعت کو توڑنے کا سبب جو علامہ ابن جریر طبری نے مستنداً ذکر کیا ہے، یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا امیر

مقرر کیا تھا، اور اس نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو بطور وفد یزید کے پاس بھیجا تھا جس میں عبد اللہ بن حنظلہ اور عبد اللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی اور دوسرے لوگ بھی تھے، یزید نے ان کا اعزاز و اکرام کیا اور انعامات سے نوازا، لیکن جب یہ لوگ لوٹ آئے تو انہوں نے یزید کا عیب بیان کیا اور اس کو شرابی بتایا (یہاں عربی الفاظ ہیں: "نسبہ الی شرب الخمر" جس کا درست ترجمہ ہوگا: انہوں نے اس کی طرف شراب پینے کی

نسبت کی۔ ناقل) اور اس کے علاوہ بھی اس کے عیب بیان کیے۔^①

قارئین محترم! آپ نے غور فرمایا کہ صحیح بخاری کی روایت میں چونکہ یزید کے شرابی ہونے کا کوئی اشارہ تک نہ تھا بلکہ الناسیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے خلاف شدید موقف کا بیان تھا، اس پر تو گیاوی صاحب نے کچھ نہ لکھا، لیکن حافظ ابن حجر نے ایک بات نقل کی اور اس سے پہلے صرف یہ لکھ دیا کہ "طبری نے یہ بات سند کے ساتھ بیان کی ہے" تو گیاوی صاحب نے اس کو اپنی دلیل بنا کر پیش کر دیا کہ دیکھو مدینہ سے جو وفد یزید سے انعامات لے کر واپس آیا تو اس کے شرکاء نے یزید کی طرف شراب نوشی اور دیگر عیوب کی نسبت کی۔

اب گیاوی صاحب کو اچھی طرح علم تھا کہ حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے طبری کی جس روایت کا صرف حوالہ دیا ہے (اس کی سند بیان ہی نہیں کی) اس کا مرکزی راوی کذاب و رافضی و ساقط و تالف اور ہالک ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے تو یہاں گیاوی صاحب کی تحقیق نے جوش مارا اور لگے اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اپنے "مناظرانہ" داؤ پیچ لڑانے، چنانچہ ان کی "غیر جانبدارانہ تحقیق" کا خلاصہ یہ ہے کہ:

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳

نمبر ۱: وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ ”طبری کی سند میں ایک راوی ابو مخنف ہے جس کا نام لوط بن یحییٰ ہے، اور وہ غیر معتبر راوی ہے، اس کے بارے میں ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”شیعی محترق“ جلا بھنا شیعہ ہے۔“

نمبر ۲: لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سند پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ خاموشی سے گذر گئے جو روایت کو قبول کرنے کی علامت ہے۔

نمبر ۳: ”اگرچہ اس روایت میں ایک غیر معتبر اور غیر ثقہ راوی ہے، لیکن جو بات غیر معتبر شیعہ راوی نے نقل کی ہے، دوسرے ثقہ اور معتبر راوی بھی نقل کرتے ہیں، اس لیے روایت معتبر ہوگی۔“

نمبر ۴: پھر گیاوی صاحب نے اس پر زور دیا ہے کہ ”ابو مخنف“ صرف عام سا شیعہ تھا، اس کی وفات ۱۷۰ ہجری کے قریب ہوئی، اور دوسری صدی سے پہلے پہلے جو شیعہ راوی گزرے ہیں وہ رافضی نہیں تھے، محدثین نے دوسری صدی سے پہلے والے شیعہ کی روایت کو قبول فرمایا ہے۔ اور پھر ”ابان بن تغلب“ کی مثال پیش کی ہے اور اس کے بعد ”تشیع“ اور ”رفض“ میں فرق بیان کیا ہے اور آخر میں نتیجہ نکالا ہے کہ:

”ابان بن تغلب کی وفات ۲۴۱ یا ۲۴۲ ہجری میں ہوئی اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ جس کی وفات ۱۷۰ ہجری سے کچھ قبل ہوئی، اس کی روایت کیوں قبول نہ کی جائے گی حالانکہ وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے۔“^①

اب ہم گیاوی صاحب کی اس تحقیق کا جائزہ لیتے ہیں۔

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳ و ۱۴۔

پہلے تو وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ "ابو مخنف" ایک غیر معتبر راوی ہے اور خود ہی ابن عدی کا اسے "شیعی محترق" (جلا بھنا شیعہ) لکھنا بھی نقل کرتے ہیں، لیکن دلیل یہ دیتے ہیں کہ چونکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طبری کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کی لہذا ثابت ہوا کہ وہ اس روایت کو قبول کرتے ہیں۔

قارئین محترم! ہم پہلے "ابو مخنف لوط بن یحییٰ" کا مفصل تعارف ائمہ جرح و تعدیل سے نقل کر آئے ہیں، یہ صاحب کوئی عام اور معمولی شیعہ نہیں بلکہ "جلے بھنے شیعہ" "رافضی" اور "کذاب" بھی ہیں، رہی بات حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تو ہم نے ان کی رائے بھی "ابو مخنف" کے بارے میں نقل کر دی تھی، جو دوبارہ یہاں نقل کرتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ ہجری) نے ابو مخنف کا تعارف یوں کروایا ہے:

"لوط بن یحییٰ أبو مخنف أخباری تالف لا یوثق بہ ترکہ أبو حاتم،

و غیرہ۔ وقال الدارقطنی: ضعيف۔

وقال ابن معین: ليس بثقة۔ وقال مرة: ليس بشيء۔

وقال ابن عدي: شيعي محترق صاحب أخبارهم" ①

"لوط بن یحییٰ ابو مخنف، تاریخی روایات بیان کرنے والا متروک راوی ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، ابو حاتم اور دوسروں نے اسے ترک کر دیا، دارقطنی نے اسے ضعیف کہا، ابن معین نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں، اور ایک بار کہا کہ وہ کچھ بھی نہیں، ابن عدی نے کہا کہ وہ جلا بھنا شیعہ ہے اور شیعہ کا راوی ہے۔"

حافظ ابن حجر نے دوسری جگہ لکھا:

① لسان المیزان بتحقیق شیخ ابی غده، ج ۶ ص ۳۳۰ طبع دار البشائر الاسلامیہ۔

”ابو مخنف: لو ط بن يحيى۔ هالك“^①

”ابو مخنف لو ط بن يحيى، ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔“

اب گیاوی صاحب فرمائیں کہ ہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ”ابو مخنف“ کے بارے میں اس رائے کو مانیں یا گیاوی صاحب کے اس ”مفروضے“ کو تسلیم کریں کہ چونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبری کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی لہذا اثابت ہو گیا کہ یہ روایت قابل قبول ہے؟؟ چلیں ایک لمحے کے لیے فرض کر لیں کہ گیاوی صاحب کا یہ مفروضہ درست ہے تو وہ فرمائیں کہ وہ خود کیوں اس روایت کو قبول کرنے میں ”شش و پنج“ میں پڑے ہوئے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

”اگرچہ اس روایت میں ایک غیر معتبر اور غیر ثقہ راوی ہے، لیکن جو بات غیر معتبر شیعہ راوی نے نقل کی ہے، دوسرے ثقہ اور معتبر راوی بھی نقل کرتے ہیں، اس لیے روایت معتبر ہوگی؟؟“

آپ نے صاف یہ کیوں نہ لکھ دیا کہ ”چونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبری کی ابو مخنف والی روایت کی طرف اشارہ کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی لہذا اثابت ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح اور قابل قبول ہے“؟ آپ کو یہ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ”چونکہ غیر معتبر ابو مخنف کی بات کی تصدیق دوسرے ثقہ راوی بھی کرتے ہیں اس لیے یہ روایت معتبر ہے“؟؟ کیا یہ ”غیر جانبدار نہ“ تحقیق ہے جسے ”ہر منصف انسان“ قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا؟؟

رہی گیاوی صاحب کی یہ بات کہ ”اگرچہ اس روایت میں ایک غیر معتبر اور غیر ثقہ راوی ہے، لیکن جو بات غیر معتبر شیعہ راوی نے نقل کی ہے، دوسرے ثقہ اور معتبر

① لسان المیزان، ج ۹ ص ۱۵۹۔

راوی بھی نقل کرتے ہیں، اس لیے روایت معتبر ہوگی۔“

تو عرض ہے کہ گیاوی صاحب نے اپنی پوری کتاب میں ایک بھی ایسی روایت نہیں پیش کی جو اصول حدیث کی رو سے صحیح ہو اور جس سے ابو مخنف کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہو، یہ بات ان روایات کا جائزہ لینے پر واضح ہو جائے گی جو گیاوی صاحب نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے آگے پیش کی ہیں۔

نوٹ: واضح رہے کہ واقعہ حرہ کا ذکر کرتے ہوئے عام طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ

”اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی“ جس سے عام لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ نے بیعت توڑ دی تھی، یہ بات خلاف حقیقت ہے، سچ یہ ہے کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگوں نے بیعت توڑی تھی، جیسا کہ خود گیاوی صاحب نے روایت پیش کر دی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت نہیں توڑی تھی بلکہ یہ اعلان فرما دیا تھا کہ جو بیعت توڑے گا میرا اس سے تعلق ختم ہو جائے گا، اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت توڑنے والوں سے اختلاف کیا تھا (یہ روایت بھی خود گیاوی صاحب نے آگے نقل کی ہے اور اسے صحیح لکھا ہے)، بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اہل بیت کے کسی فرد نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، مثلاً حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَجَمَاعَاتُ أَهْلِ بَيْتِ النَّبَوَّةِ مِمَّنْ

لَمْ يَنْقُضِ الْعَهْدَ، وَلَا بَايَعَ أَحَدًا بَعْدَ بَيْعَتِهِ لِيَزِيدَ“^①

”سیدنا عبداللہ بن عمر اور اہل بیت نبوت کی جماعتیں ان لوگوں میں شامل

① البدایة والنہایة، ج ۱، ص ۶۵۲ طبع دار ہجر للطباعة.

تھیں جنہوں نے عہد نہیں توڑا تھا اور یزید کی بیعت کے بعد کسی کی بیعت نہیں کی تھی، ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ النَّبَاقِزِيُّ: لَمْ يَخْرُجْ أَحَدٌ مِنْ آلِ أَبِي طَالِبٍ وَلَا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَيَّامَ الْحَزَقَةِ، وَلَمَّا قَدِمَ مُسْلِمُ بْنُ عُقْبَةَ الْمَدِينَةَ أَكْرَمَ أَبِي وَأَذْنَى مَجْلِسَهُ، وَأَعْطَاهُ كِتَابَ أَمَانٍ" ①

”ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی خروج نہیں کیا تھا، اور جب مسلم بن عقبہ مدینہ آئے تو انہوں نے میرے والد (یعنی زین العابدین رضی اللہ عنہ) کا اکرام کیا اور انھیں اپنے قریب بٹھایا اور انھیں امان کا خط دیا۔“

لہذا یہ بات بالکل غلط ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت تمام اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی تھی۔ (مزید تفصیل آگے بیان ہوگی)۔

کیا یزید عام طور پر تجربہ کار اور بوڑھے گورنروں کو ہٹا کر ان کی جگہ نا تجربہ

کار گورنر لگاتا تھا؟

مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵ پر ایک سرخی لگائی ہے ”خلافت کے ابتدائی دور میں یزید کی کارکردگی“ اور پھر اس کے ضمن میں یہ بتایا ہے کہ یزید نے اپنی خلافت کے پہلے سال اپنے گورنروں اور امراء میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ اپنے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے امراء و نوابوں کو ہی برقرار رکھا، البتہ ایک دو سال کے بعد اس نے تبدیلیاں کیں، اور پھر گیاوی صاحب نے صرف دو واقعات کے حوالے دیے ہیں، ایک یہ کہ سنہ ۶۱، ۶۲ ہجری میں یزید نے بھتان اور خراسان سے

① البدایة والنہایہ: ج ۱۱ ص ۲۵۳۔

دونوں بھائیوں ”عباد“ اور ”عبدالرحمن“ کو ہٹا کر ان دونوں علاقوں کا گورنر ”سلم بن زیاد“ کو بنا دیا (گیاوی صاحب نے غلطی سے سلم بن زیاد کو مسلم بن زیاد لکھ دیا ہے۔ ناقل)، لیکن گیاوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ”سلم بن زیاد“ بھی ”عباد“ اور ”عبدالرحمن“ کا بھائی تھا، اور یہ تینوں ”عبید اللہ بن زیاد“ کے بھائی یعنی ”زیاد“ کے بیٹے تھے۔

نیز گیاوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یزید نے ”بوڑھے اور تجربہ کار“ گورنروں کی جگہ ایک نوجوان کو گورنر بنا دیا، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ سابقہ والی ”عباد بن زیاد“ اور ”عبدالرحمن بن زیاد“ کی عمریں کتنی تھیں؟، اور پھر گیاوی صاحب نے البدایہ والنہایہ اور ابن اشیر کی اکامل سے صرف اپنے مطلب کی بات تو نقل کر دی لیکن پوری عبارت نقل نہیں کی جس میں گورنر بننے کے بعد ”سلم بن زیاد“ کے سب سے پہلے کارنامے کا ذکر ہے، ہم دونوں کتابوں کی یہ عبارات یہاں نقل کرتے ہیں، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”فَفِيهَا وَلَّى يَزِيدُ بْنُ مَعَاوِيَةَ سَلْمَ بْنَ زِيَادٍ سَجِسْتَانَ وَخُرَّاسَانَ حِينَ وَقَدْ عَلَيْهِ وَ لَهُ مِنَ الْعُمَرِ أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً وَعَزَلَ عَنْهَا أَخُوهُ عَبَادًا وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ، وَسَارَ سَلْمٌ إِلَى عَمَلِهِ، فَجَعَلَ يَنْتَجِبُ الْوُجُوهُ وَالْفُرْسَانَ، وَيَحْرِضُ النَّاسَ عَلَى الْجِهَادِ، ثُمَّ خَرَجَ فِي جَحْفَلٍ عَظِيمٍ لِيَغْزَوْ بِلَادَ التُّرْكِ“^①

”سنہ ۶۱ ہجری میں جب سلم بن زیاد، یزید بن معاویہ کے پاس آیا تو یزید نے اسے سجستان اور خراسان کا والی بنا دیا، اس وقت اس کی عمر ۲۴

① البدایہ والنہایہ، جلد ۱، صفحہ ۵۹۸، طبع دار ہجر.

سال تھی، اور اس کے دونوں بھائیوں عبّاد اور عبدالرحمن کو معزول کر دیا، چنانچہ سلم اپنے کام پر چلا گیا، پس اس نے یہ کیا کہ لوگوں میں سے اہم افراد کو اور شہسواروں کو منتخب کرتا تھا اور انھیں جہاد پر جانے کے لئے ابھارتا تھا، پھر وہ ایک عظیم لشکر کے ساتھ بلاد ترک کی طرف غزوہ کے لیے نکلا۔“

تو معلوم ہوا کہ، یزید نے عبّاد بن زیاد اور عبدالرحمن بن زیاد کو معزول کر کے انہی کے تیسرے بھائی ”سلم بن زیاد“ کو ان کی جگہ گورنر بنایا اور وہ جاتے ہی جہاد کے لیے لشکر تیار کر کے بلاد ترک کی طرف نکل کھڑا ہوا۔

اسی طرح ابن الاثیرؒ لکھتے ہیں:

أَنَّ سَلْمًا قَدِمَ عَلَى يَزِيدَ، فَقَالَ لَهُ يَزِيدُ: يَا أَبَا حَزْبٍ أَوْلَيْكَ عَمَلُ أَخَوَيْكَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَعَبَّادٍ. فَقَالَ: مَا أَحَبَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. فَوَلَّاهُ خُرَّاسَانَ وَسِجِسْتَانَ، فَوَجَّهَ سَلْمَ الْحَارِثِ بْنِ مَعَاوِيَةَ الْحَارِثِيَّ جَدَّ عَيْسَى بْنِ شَيْبٍ إِلَى خُرَّاسَانَ، وَقَدِمَ سَلْمُ الْبُضْرَةَ فَتَجَهَّزَ مِنْهَا، فَوَجَّهَ أَخَاهُ يَزِيدَ إِلَى سِجِسْتَانَ، فَكَتَبَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ إِلَى أَخِيهِ عَبَّادٍ يُخْبِرُهُ بِوِلَايَةِ سَلْمٍ" ①

”سلم، یزید کے پاس آئے، تو یزید نے ان سے کہا کہ میں تمہیں، تمہارے بھائیوں یعنی عبدالرحمن اور عبّاد کا کام سونپنا چاہتا ہوں، تو سلم نے کہا کہ جو امیر المؤمنین پسند کریں، تو یزید نے انہیں خراسان اور سجستان کا والی بنا دیا، تو اس کے بعد سلم نے ”الحارث بن معاویہ الحارثی“ کو جو کہ عیسیٰ بن شیبہ کے دادا تھے، خراسان کی طرف روانہ کر دیا اور خود

① الکامل لابن اثیر، جلد ۳ صفحہ ۱۹۸ طبع دارالکتاب العربی بیروت.

تیار کی لیے بصرہ آ گیا، وہاں سے اس نے اپنے بھائی ”یزید بن زیاد“ کو سجستان کی طرف روانہ کیا، پس عبید اللہ بن زیاد نے اپنے بھائی عبید اللہ کو خط لکھ کر بتایا کہ سلم کو والی بنا دیا گیا ہے۔“

تو معلوم ہوا کہ یہ تبدیلی بھائیوں کے درمیان ہوئی تھی، دو بھائیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ انہی کے تیسرے بھائی کو لگا دیا گیا۔

دوسرا حوالہ گیا وی صاحب نے مدینہ کے گورنر کی تبدیلی کا دیا ہے کہ سنہ ۶۲ ہجری میں یزید نے ولید بن عتبہ کی جگہ عثمان بن محمد جیسے نا تجربہ کار کو مدینہ کا گورنر لگا دیا۔ اس کے علاوہ کوئی تیسری مثال گیا وی صاحب نہیں دے سکے، قارئین یہ بات ذہن میں رکھیں، اس طرف میں دوبارہ آؤں گا، کیونکہ بعض حضرات نے یہ لکھ دیا ہے کہ ”یزید کا یہ عام معمول تھا کہ اس نے تمام اہل علاقوں سے بڑے اور زیادہ عمروالے والیوں کی ہٹا کر ان کی جگہ نا تجربہ کار بچوں کو والی لگا دیا کرتا تھا“

جو کہ ایک خلاف حقیقت بات ہے۔

محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تبصرہ میں ایک جگہ لکھا تھا کہ:

”یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کرنے کے بعد پھر مدینہ کا والی مقرر کر دیا تھا“۔^①

یہاں مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ بتایا کہ ولید بن عتبہ کو پہلے ایک بار مدینہ کی گورنری سے معزول کر کے پھر دوبارہ مدینہ کا گورنر لگا دیا گیا تھا، انہوں نے کوئی سند ذکر ہی نہیں کی کہ اسے کب دوبارہ مدینہ کا والی بنا دیا گیا، لیکن گیا وی صاحب یہاں بھی

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۳۲۔

اعتراض کا موقع تھا سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے اس لئے لکھ دیا کہ:

مولانا نے یہ نہیں بتایا کہ سنہ ۶۲ ہجری سے پہلے (ولید بن عقبہ کو) مدینے کا والی بنایا تھا یا ۶۲ ہجری کے بعد، میرا دعویٰ ۶۲ ہجری کے بعد دوبارہ والی نہ بنانے کا ہے۔^①

ہم گیا وی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ، آپ کا دعویٰ جو بھی ہو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے دعووں پر تبصرہ نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر تبصرہ لکھا ہے، اور قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دعوے پر یوں لکھا ہے کہ:

”لیکن محض تخرص اور صرف انکل سے بلا ثبوت و بے حوالہ مہتمم صاحب یا ان سے بھی بڑے کسی عالم کا یہ کہہ دینا کہ یزید عموماً شیوخ کو ہٹا کر صبیان کو نامزد کرتا تھا، انصاف کی رو سے قابل قبول نہیں، مہتمم صاحب کو سوچنا چاہیے کہ یزید فاسق سہی، مگر مسلمان تھا، کافر نہیں تھا، اور کافر بھی ہوتا تو یہ کس طرح جائز ہے کہ بے سرو پا الزامات اس کے سر تھوپے جائیں“۔^②

غور فرمائیں! محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول، قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ”یزید عموماً بوڑھوں کو ہٹا کر ان کی جگہ بچوں کو والی بنایا کرتا تھا“، ان کی اس بات پر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تبصرہ فرما رہے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ عموماً ایسا ہی کیا کرتا تھا، اور کسی بھی بڑے سے بڑے عالم کا یہ کہہ دینا اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک اس کا کوئی ثبوت یا دلیل نہ ہو، اور حقیقت یہی ہے کہ خود گیا وی صاحب

① گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۷۷۔

② محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۳۳۔

بھی کتب تاریخ سے صرف دو حوالے ہی ڈھونڈ پائے ایک سجستان و خراسان سے دو بھائیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ انہی کے تیسرے بھائی کو والی بنانے کا (جس میں وہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ جن دو بھائیوں یعنی عباد بن زیاد اور عبد الرحمن بن زیاد کو معزول کیا گیا وہ بوڑھے تھے اور جس تیسرے بھائی کو گورنر لگایا گیا وہ بچہ تھا)، اور دوسری مثال انہوں نے مدینہ کے والی کی تبدیلی کی دی ہے، اس کے علاوہ کوئی تیسری مثال وہ بھی پیش نہیں کر سکے تو پھر جن لوگوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ:

”یزید عام طور پر اور زیادہ تر اہم علاقوں میں بوڑھوں کو ہٹا کر اپنے رشتے داروں میں سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو والی لگا دیتا تھا“۔

یہ بات کسی کی ذاتی رائے تو ہو سکتی ہے لیکن اسے ثابت کرنے کے لیے دلیل اور ثبوت درکار ہے جو کہ موجود نہیں، یہی بات محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عینی یا حافظ ابن حجر کا نام لیے بغیر لکھ دی ہے، جن کے حوالے کیا وہی صاحب دے رہے ہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا ہے، ہمارا سوال ہے کہ اگر انہوں نے ایسا لکھا ہے تو یہ ان کی رائے ہوگی، لیکن اس بات کے حق میں دلائل اور ثبوت پیش کرنا گیا وہی صاحب کا کام تھا، اور وہ صرف دو مثالیں ہی پیش کر سکے، تو کیا یزید کی حکومت میں صرف ”سجستان“ ”خراسان“ اور ”مدینہ“ ہی اہم علاقے تھے؟؟

الغرض! محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ ”واقعہ حرہ کے وقت مدینہ کا گورنر ولید بن عتبہ تھا“، گیا وہی صاحب خواجواہ اس بات کو ثابت کرنے کے چکر میں پڑے ہیں اور وہ یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ شاید محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے، لیکن گیا وہی صاحب یہاں ابن اشیر کا ایک اور حوالہ پیش کرتے ہیں وہ حوالہ پڑھ لیں:

”سنة ثلاث وسبعين۔ كان أول وقعة الحرّة ما تقدم من خلع يزيدي، فلما كان

هَذِهِ السَّنَةُ أَخْرَجَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ عُثْمَانَ بْنَ مُحَمَّدٍ بْنِ أَبِي مَرْثَدَانَ غَامِلًا يَزِيدَ
وَ حَضَرَ وَ ابْنِي أُمِّيَّةَ بَعْدَ بَيْعَتِهِمْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْظَلَةَ ①

(ترجمہ از گیواوی صاحب) سنہ ۶۳ ہجری اور واقعہ حرہ کا تذکرہ۔ واقعہ
حرہ کی شروعات جیسا کہ پہلے گزرا یزید کی بیعت توڑنے سے ہوئی، جب
یہ سال شروع ہوا تو اہل مدینہ نے یزید کے عامل عثمان بن محمد کو نکال دیا،
اور بنو امیہ کا حصار کر لیا، اور انہوں نے عبد اللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت
کرنے کے بعد یہ سب کچھ کیا۔

قارئین محترم! گیواوی صاحب کے ہی پیش کردہ اس حوالے سے یہ ثابت ہو گیا
کہ مدینہ کے جن لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تھی انہوں نے مسلمانوں کے ایک امیر
(یزید بن معاویہ) کے ہوتے ہوئے، عبد اللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی۔
نیز انہوں نے یزید کے عامل کو مدینہ سے نکال بھی دیا تھا اور مدینہ میں موجود
بنی امیہ کے لوگوں کا محاصرہ کر لیا تھا..... کیا گیواوی صاحب احادیث کی روشنی میں اس
پر کچھ ارشاد فرمائیں گے کہ ایک امیر اور حاکم کے ہوتے ہوئے جس کی حکومت مکمل طور
پر قائم ہو چکی ہو اور جس کا تسلط پوری طرح ہو چکا ہو، کسی دوسرے کے ہاتھ پر امارت
کی بیعت کرنا کیسا ہے؟؟ چونکہ اس وقت ہمارا یہ موضوع نہیں ہے اس لیے ہم یہ سوالیہ
نشان ہی چھوڑ کر آگے چلتے ہیں۔

یزید کی شراب نوشی بیان کرنے والی روایات اور ان کا جائزہ:

گیواوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر سرخی جمائی ہے:

”یزید کے شراب پینے کی روایات“

① گیواوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۸.

اور پھر اس موضوع پر اپنی بات یوں شروع کی ہے:

”محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کے شراب پینے کے واقعہ کو یزید پر ایک قسم کا الزام لکھا ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی روایات کی روشنی میں اس کی تحقیق کی جائے۔ اس تعلق سے عرض ہے کہ یزید کے شراب پینے کا واقعہ صرف طبری سے یا صرف کسی ایک ہی سند سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت متعدد سندوں سے ہے اور صرف تاریخوں سے ہی ثابت نہیں بلکہ اس کے لیے متعدد سندوں اور احکام کو ثابت کرنے والی صحیح حدیثی سندیں بھی موجود ہیں جیسا کہ اس کا بیان بعد میں ہوگا“۔^①

قارئین محترم! ہم آج تک محققین علماء کرام سے یہی سنتے آئے ہیں کہ یزید کا شراب پینا یا زنا کرنا کسی بھی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں، مثال کے طور پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”یزید کا شراب پینا یا زنا کرنا کسی بھی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں ہے“۔^②

لیکن آج ہمیں گیاوی صاحب یہ بتا رہے ہیں کہ یزید کے شراب پینے کا ثبوت متعدد سندوں سے اور صرف تاریخی روایات سے نہیں بلکہ احکام کو ثابت کرنے والی صحیح حدیثی سندوں سے بھی ہے، لہذا آئیے دیکھتے ہیں گیاوی صاحب نے کونسی ”صحیح حدیثی“ سندیں پیش کی ہیں۔

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۹

② فتاویٰ عثمانی، جلد ۱ صفحہ ۱۷۹۔

محمد بن عمرو اقدی کی روایت:

گیاوی صاحب پہلی سند یوں پیش کرتے ہیں: ”علامہ ذہبی کی تحقیق“ اور پھر لکھتے ہیں:

علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:

وقال الواقدي: أخبرنا ابن أبي ذئب، عن صالح بن أبي حسان، وأخبرنا إسماعيل بن إبراهيم المخزومي، عن أبيه، وحدثنا سعيد بن محمد بن عمرو بن يحيى، عن عباد بن تميم، كل قد حدثني، قالوا: لَمَّا وَتَبَ أَهْلُ الْحِزَّةِ وَأَخْرَجُوا بَنِي أُمَيَّةَ عَنِ الْمَدِينَةِ، وَاجْتَمَعُوا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْظَلَةَ، وَبَايَعَهُمْ عَلَى الْمَوْتِ، قَالَ: يَا قَوْمِ اتَّقُوا اللَّهَ، فَوَاللَّهِ مَا أَخْرَجْنَا عَلَى يَزِيدَ حَتَّى خَفْنَا أَنْ نُرْمَى بِالْحِجَارَةِ مِنَ السَّمَاءِ، إِنَّ رِجَالَ يَنْكِحُ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ وَالْبَنَاتِ وَالْأَخْوَاتِ، وَيَشْرَبُ الْخَمْرَ وَيَدْعُ الصَّلَاةَ“

(ترجمہ از گیاوی صاحب) واقدی کہتے ہیں کہ مجھ کو ابن ابی ذئب نے خبر دی ہے وہ صالح بن حسان سے (روایت میں ”صالح بن ابی حسان“ ہے۔ ناقل) روایت کرتے ہیں ان کو اسماعیل بن ابراہیم مخزومی نے بتایا اور وہ اپنے والد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں..... اور مجھے سعید بن محمد بن عمرو بن یحییٰ نے عبادہ بن تمیم سے (روایت میں نام ”عبادہ بن تمیم“ ہی ہے، شاید گیاوی صاحب کے سامنے جو نسخہ ہے اس میں کتابت کی غلطی سے ”عبادہ“ لکھا ہے۔ ناقل) حدیث بیان کی ہے کہ ”جب اہل حرہ کوڈ پڑے اور بنی امیہ کو مدینے سے باہر نکالا، اور عبد اللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر کے اکٹھے ہوئے تو انہوں نے کہا بخدا ہم لوگ یزید کے

خلاف اس وقت نکلے جب ہم کو آسمان سے سنگ سار کیے جانے کا خطرہ ہوا، وہ یزید ام ولد اور ام ولد کی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا ہے اور شراب پیتا ہے، نمازیں چھوڑتا ہے“ (اس کے بعد گیاوی صاحب اپنا مناظرانہ رنگ دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں) ”اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور وہ شراب خوری اور دیگر حرام کاری کی یزید کے بارے میں خبر دے رہے ہیں، اس لیے صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے“۔^①

آگے گیاوی صاحب نے جو مغالطہ دیا ہے بلکہ جس شاندار تلمیذ کا مظاہرہ کیا ہے اس سے پہلے اس روایت کی سند پر ایک بار پھر غور کیا جائے، امام ذہبی نے اس روایت کو شروع ہی کیا ہے ”قال الواقدي“ سے یعنی واقدی (کذاب و وضاع۔ ناقل) نے کہا..... آگے واقدی نے اس کی تین سندیں ذکر کی ہیں (گیاوی صاحب نے تین سندوں کو دو سندیں بنا دیا ہے)، پہلی سند یوں ہے:

”واقدی، ابن ابی ذئب، صالح بن ابی حسان“۔

اور دوسری سند یوں ہے:

”واقدی، اسماعیل بن ابراہیم مخزومی، ابراہیم مخزومی“۔

گیاوی صاحب نے صالح بن ابی احسان کے بعد جو ”وأخبرنا“ تھا اسے واو کے بغیر ”أخبرنا“ لکھ کر یوں ظاہر کر دیا جیسے ”صالح بن ابی حسان“ روایت کر رہے ہیں ”اسماعیل بن ابراہیم مخزومی سے“، میرے سامنے اس وقت تاریخ الاسلام طبع دار الغرب الاسلامی بیروت کی جلد ۲ کا صفحہ ۵۸۸ ہے اس میں ”وأخبرنا“ سے واقدی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ: ۲۰-۲۱.

نے الگ سند ذکر کی ہے، ابن سعد نے "الطبقات الكبرى" میں یہی روایت ذکر کی ہے وہاں بھی واقدی نے تین الگ سندیں ذکر کی ہیں۔^①

اور تیسری سند یوں ہے:

”واقدی، سعید بن محمد بن عمرو بن یحییٰ، عباد بن تمیم“۔

یوں ان تینوں سندوں کی کڑی شروع ہوتی ہے ”محمد بن عمر الواعدی“ سے

اور پہلی سند کی آخری کڑی ہیں ”صالح بن ابی حسان“

دوسری سند کی آخری کڑی ہیں ”ابراہیم مخزومی“

اور تیسری سند کی آخری کڑی ہیں ”عباد بن تمیم“

گیانوی صاحب نے راویوں کا فرداً فرداً تعارف کرواتے ہوئے صالح بن ابی حسان کو تہذیب التہذیب کے حوالے سے ثقہ بتایا ہے، جبکہ اسی تہذیب التہذیب میں اس راوی کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے:

”وقال النسائي مجهول وقال أبو حاتم ضعيف الحديث“

”نسائی نے کہا ہے کہ یہ مجهول ہے اور ابو حاتم رازی نے اسے ضعیف

الحدیث کہا ہے“۔

اگر گیانوی صاحب غیر جانبدار نہ تحقیق فرما رہے تھے تو انھیں تہذیب التہذیب کا حوالہ مکمل نقل کرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں پہلے تو صالح بن ابی حسان اور صالح بن حسان کو ایک ہی شخصیت بتا کر تعارف کروایا ہے (گیانوی صاحب نے بھی روایت کے اردو ترجمہ میں اسے صالح بن حسان ہی لکھا ہے)، اور پھر ذہبی نے آخر میں لکھا ہے کہ:

① دیکھیں: طبقات ابن سعد، جلد ۵، صفحہ ۳۹، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت.

”وقیل: صالح بن ابی حسان آخر، وقد ضعفا“^①
 ”اور کہا گیا ہے کہ صالح بن ابی حسان (صالح بن حسان سے الگ) راوی
 ہے، بہر حال ان دونوں کی تضعیف کی گئی ہے۔“

اسی طرح اس روایت کی تیسری سند میں ایک راوی ”سعید بن محمد بن عمرو بن
 یحییٰ“ ہے (طبقات ابن سعد میں بھی یہی نام لکھا ہے) مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا، اور غالباً
 گیاوی صاحب کو بھی اس کا تعارف نہیں ملا اسی لیے انہوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ
 ”سعید بن محمد“ سے مراد ”عمرو بن یحییٰ“ ہے۔^②

الغرض! چونکہ گیاوی صاحب کی پیش کردہ اس پہلی دلیل کی تینوں سندوں کا
 مرکزی راوی ”واقدی“ ہے جس کا تعارف ہم پہلے کروا چکے، ان صاحب کو ”کذاب“
 اور ”اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا“ اور ”بالاتفاق متروک“ کہا گیا
 ہے، تو جو شخص اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے اس کے سامنے یزید کیا چیز
 ہے؟ اور اس کے لیے سیدنا عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا کونسا
 مشکل ہے؟، بلکہ خود امام ذہبی نے یہ لکھ دیا ہے کہ:

”قَدْ انْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ الْيَوْمَ عَلٰى اَنَّهُ لَيْسَ بِمُحْتَوٍّ، وَاَنَّ حَدِيثَهُ فِي عِدَادِ
 الْوَاهِي“^③

”آج اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ وہ (واقدی) حجت نہیں ہے
 اور اس کی بیان کردہ حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔“

① میزان الاعتدال، جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ دار المعرفۃ بیروت.

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۱.

③ سیر اعلام النبلاء، ج ۳ ص ۳۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت.

تو پھر گیا وی صاحب کو یہاں ”امام ذہبی کی تحقیق“ کی سرخی جمانے کی کیا ضرورت تھی؟، کیا وہ یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ امام ذہبی نے اس روایت کو صحیح لکھا ہے؟

لہذا گیا وی صاحب کا یہ ”جذباتی بیان“ کہ اس روایت میں ایک صحابی عبداللہ بن حنظلہ، یزید کو شرابی کہہ رہے ہیں اور ”صحابی جھوٹ نہیں بولتا“، صرف ایک مناظرانہ دائے سے زیادہ کچھ نہیں، کیونکہ پہلے وہ یہ تو ثابت کریں کہ واقعی یہ بات عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح ثابت بھی ہے یا نہیں؟

پھر اگر ایک لمحے کے لئے فرض بھی کر لیں کہ واقعی ایک دم ثقہ ہو، اور یہ بات سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہی بھی ہو تو کیا سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے شرعی طور پر کسی پر شراب کا الزام ثابت ہوگا؟ رہی یہ جذباتی بات کہ ”صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا“ تو اس کے لیے ہم یہاں صرف دو مثالیں عرض کرتے ہیں اور گیا وی صاحب سے عرض کرتے ہیں وہ یہاں بھی اپنا فتویٰ ارشاد فرمائیں:

پہلی مثال یہ کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ لوگوں نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی شہادت دی ان شہادت دینے والوں میں صحابی سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن یہ شہادت ضابطہ شہادت پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے رد ہو گئی (چار گواہ پورے نہ ہوئے) تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگوائی اور ان سے فرمایا کہ

”اگر یہ اپنی غلطی مان کر توبہ کر لیں تو پھر مقبول الشہادۃ ہو جائیں گے لیکن

انہوں نے اپنے آپ کو جھٹلانے سے انکار کر دیا“۔^①

① دیکھیں: صحیح البخاری، ج ۳ ص ۱۷۰ باب حد القاذف والسارق والزانی، طبع دار طوق النجاة/مع شرحہ فی فتح الباری، ج ۵ ص ۲۵۶ طبع دار المعرفة بیروت، نیز دیکھیں گیا وی صاحب کے مریخ سید لعل شاہ بخاری صاحب کی کتاب: استخلاف یزید، صفحہ ۲۸۸۔

ہمارا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ وہ کیا سمجھتے ہیں؟ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے سچی گواہی دی یا جھوٹی؟ اگر سچی گواہی دی تو ان پر حد قذف کیوں لگائی گئی؟ اور اگر ان کی گواہی جھوٹ تھی تو کیا صحابی جھوٹ بول سکتا ہے؟

یا گیاوی صاحب یہاں ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ شریعت میں شہادت کا ایک قانون اور ضابطہ ہے، جو شہادت بھی اس ضابطے کے خلاف ہوگی اسے قبول نہیں کیا جائے گا، اور یہ ضابطہ صحابی اور غیر صحابی سب کے لئے ہے، اگر بات یہی ہے تو پھر گیاوی صاحب کو یہ مد نظر رکھنا ہوگا کہ کسی پر ”شرابی“ یا ”زانی“ ہونے کا الزام ثابت کرنے کے لیے ضابطہ شہادت کے مطابق گواہی کا ہونا ضروری ہے، اگر ان کے پاس ایسی کوئی شرعی شہادت ہے جس سے ثابت ہو کہ ”یزید شراب پیتا تھا اور امہات الاولاد، ان کی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا تھا“۔ (جو کہ زنا ہے) تو وہ پیش کر دیں، ورنہ یہ جذباتی بیان کسی چیز کا ثبوت نہیں بن سکتے۔

دوسری مثال یہ کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”کاذب، اثم، غادر، خائن اور ظالم“ کہا۔

”فَقَالَ عَبَّاسٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الْكَاذِبِ الْاِثْمِ الْغَادِرِ
الْخَائِنِ“ ①

بخاری کے الفاظ ہیں:

”يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ“ ②

① صحیح مسلم، باب حکم النبی، حدیث نمبر: ۱۷۵۷۔

② صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۳۰۵۔

تو گیا وی صاحب کیا فتویٰ دیں گے کہ صحابی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ درست کہے یا نہیں؟ یا آپ ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ صحابی کو بھی غلط فہمی ہو سکتی ہے اور ایسی باتیں جوش کے نتیجے میں بطور مبالغہ صادر ہو جایا کرتی ہیں؟

یہ تو تھا ہمارا تحقیقی جواب اس صورت میں اگر واقعہ کی اس روایت کی سند کو ہر لحاظ سے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو، لیکن جیسا کہ نظر آ رہا ہے، یہ بیان کرنے والے جناب واقعہ ہیں، اس لیے یہ روایت لائق رد اور جھوٹی ہی ہے، اور گیا وی صاحب کا واقعہ جیسے جھوٹے اور کذاب کی روایت کی بنیاد پر اس بات کو سیدنا عبداللہ بن حنظلہ کی طرف یقین اور قطعیت کے ساتھ منسوب کرنا ایک بہت بڑی جسارت ہے۔

گیا وی صاحب کی ایک نادر تحقیق:

قارئین محترم! گیا وی صاحب خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ”محمد بن عمر الواعدی“ کی کیا حیثیت ہے، اس لیے وہ اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایک اور عجیب و غریب استدلال یوں کرتے ہیں:

”محمد بن عمر واقعہ ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر اور بالکل کٹھنم راویوں میں سے نہیں ہیں، اس کی سند میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ بھی ایک ضعیف راوی گذر چکے ہیں اور یہ قاعدہ اصول حدیث کا آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب دو مختلف سندوں میں الگ الگ دو راوی ضعیف ہوں تو تعدد طرق کی بنیاد پر روایت قابل اعتبار ہو جاتی ہے اور ان میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے احکام میں استدلال کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس لیے ابو مخنف کے ساتھ واقعہ کی روایت کا ہونا سند میں قوت پیدا کر دیتا ہے“^①

① گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۲.

قارئین محترم! ملاحظہ فرمائیں، کس معصومیت سے کہا جا رہا ہے کہ
 ”واقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب، غیر معتبر راویوں میں سے نہیں،“
 اگر بات ایسی ہی ہے تو پھر دنیا کا کوئی راوی بھی ”غیر معتبر“ نہیں ہوگا، کیونکہ
 جب واقدی، جس کو ”کذاب“ اور ”رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا“ اور
 ”لیس بشيء“ اور ”لیس بموضع للروایة“ اور ”متروک الحدیث“ اور بالاتفاق
 ضعیف اور ”مجمع علی ضعفه“ بتایا گیا ہے، وہ گیاوی صاحب کے نزدیک صرف
 معمولی سا ضعیف ہوا تو پھر دوسرے جھوٹے، کذاب اور حدیثیں گھڑنے والے
 راویوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم انھیں ”غیر معتبر“ اور ”کاذب“ کہیں؟

اسی طرح غور فرمائیں، واقدی کذاب کے ساتھ ایک دوسرے کذاب اور
 رافضی ابوحنفہ کو ملا کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ ”ان دونوں ضعیف راویوں کی الگ الگ
 سندیں مل کر روایت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ احکام میں قابل استدلال بن جاتی ہے“،
 میں کہتا ہوں کہ دونہیں بلکہ سو کذاب اور وضاع راویوں کی سوسندیں مل کر بھی روایت کو
 صحیح نہیں بنا سکتیں، اگر اصول حدیث میں کہیں یہ اصول لکھا ہے کہ ”جھوٹی حدیثیں
 گھڑنے والے، کذاب راویوں“ یا ”رافضی راویوں“ کی الگ الگ سندیں مل کر
 روایت کو صحیح بنا دیتی ہیں تو وہ پیش کیا جائے۔ واقدی اور ابوحنفہ کی سند والی یہ دونوں
 روایتیں صرف ”معمولی ضعیف“ نہیں بلکہ ”جھوٹی اور ناقابل اعتبار“ ہیں۔

پھر یہاں بات صرف ایک روایت کو صحیح یا غلط بنانے کی نہیں بلکہ ایک مسلمان پر
 ”شراب نوشی“ اور ”زنا کاری“ کا الزام ثابت کرنے کی ہے، فرض کر لیں واقدی
 اور ابوحنفہ دونوں ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ ہوتے، ان کے خلاف ایک بھی
 جرح نہ ہوتی، وہ دونوں ثقہ ترین راوی ہوتے، پھر بھی کسی پر شراب نوشی اور زنا کا

الزام صرف ایک آدمی کی بات سے ثابت نہیں ہوگا چاہے وہ بات کرنے والا صحابی ہی کیوں نہ ہو، جب تک شریعت کے اصول کے مطابق شہادت نہ پیش کی جائے، اگر صحابی کے لیے ضابطہ شہادت کوئی الگ ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر حد قذف نہ لگواتے جنہوں نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کی شہادت دی تھی اور اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ لہذا گیاوی صاحب نے خواجہ واقدی اور ابو مخنف کی وکالت میں صفحہ سیاہ کیے ہیں، انھیں چاہیے تھا کہ وہ شریعت کے ضابطہ کی روشنی میں شہادتیں پیش کرتے۔

محمد بن زکریا الغلابی کی روایت:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے ”واقدی“ اور ”ابو مخنف“ کی تائید میں ایک تیسرے کذاب اور جھوٹے ”محمد بن زکریا الغلابی“ کی توہین صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل ایک تیسری روایت پیش کی ہے، چنانچہ مولانا گیاوی صاحب، واقدی اور ابو مخنف کی روایت سے استدلال کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

”مسئلہ زیر بحث میں صرف یہی دو ضعیف روایتیں نہیں ہیں، بلکہ تیسری ضعیف روایت بھی پائی جاتی ہے، بلکہ ایک صحیح اور کئی مرسل اور منقطع روایتیں بھی پائی جاتی ہیں، جیسا کہ بعد میں آئے گا، فی الحال ایک تیسری ضعیف روایت اور پڑھ لیجئے، محدث طبرانی فرماتے ہیں اور ان سے محقق ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

”وَقَالَ الطَّبْرَانِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْغَلَابِيُّ، ثنا ابْنُ عَائِشَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ يَرِيدُ فِي حَدِيثِهِ صَاحِبَ شَرَابٍ يَأْخُذُ مَا أَخَذَ الْأَخْذَاتِ، فَأَحْسَ

مُعَاوِيَةَ بِذَلِكَ، فَأَحَبَّ أَنْ يُعَظَّهُ فِي رَفْعِي" ①

گویا وی صاحب نے ان عربی الفاظ کا اردو ترجمہ نہیں کیا، اور نہ ہی روایت مکمل نقل کی ہے، ہم سب سے پہلے البدایۃ والنہایۃ میں منقول روایت کا اردو ترجمہ کرتے ہیں:

”طبرانی نے کہا: ہم سے بیان کیا محمد بن زکریا الغلابی نے، وہ کہتا ہے ہم سے بیان کیا ابن عاکشہ نے، اس نے اپنے والد سے، اس نے کہا: یزید اپنی نوعمری میں شرابی تھا اس سے نوعمروں والی حرکتیں صادر ہوتی تھیں، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے چاہا کہ نرمی سے اس کی اصلاح کریں (گویا وی صاحب نے یہاں تک روایت کے عربی الفاظ نقل کیے ہیں، ہم آگے کے چند الفاظ کا ترجمہ بھی کرتے ہیں)..... چنانچہ انہوں نے کہا: اے بیٹے! تمہیں کس چیز نے یہ قدرت دی کہ تم اپنی خواہش کی تکمیل یوں سرعام کرو جو تمہاری قدر و منزلت کے لیے خطرہ بن جائے (پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) اے بیٹے میں تمہیں چند اشعار سناتا ہوں، تم ان سے سیکھو اور انہیں یاد کرو، اور پھر امیر معاویہ نے یہ اشعار کہے (جن کا خلاصہ یہ ہے کہ): جب رات کی تاریخی چھا جائے اور دشمن سو جائیں، تو رات میں جو چاہو کرو، کیوں کہ رات چالاک لوگوں کے لئے دن ہے..... الخ۔

قارئین محترم! گویا وی صاحب خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اس روایت کا اردو ترجمہ کیا تو قارئین سمجھ جائیں گے کہ اس ”موضوع“ روایت سے یزید کو شرابی ثابت کرتے ہوئے اس کے والد اور خلیفہ وقت امیر المؤمنین سیدنا امیر

① البدایۃ والنہایۃ، ج ۸ ص ۳۲۲ دیکھیں: گویا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۳-۲۴.

معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر بھی بہت بڑا طعن آ رہا ہے، وہ یہ کہ اس روایت کے مطابق انہیں اپنے بیٹے کی شراب نوشی کا علم ہوتا ہے اور بجائے اسے شرعی سزا دینے کے وہ اسے نرمی سے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ بیٹا! ایسے کام دن کی روشنی میں نہ کیا کرو، بلکہ رات کے اندھیرے میں کیا کرو جب دشمن کی آنکھ سو جاتی ہے۔

ہمارا سوال ہے کہ یہاں گیاوی صاحب کا ”دفاع صحابہ“ کہاں چلا گیا؟؟ یزید کی ایسی تہمتی کرتے ہوئے کیا انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ایک ایسی روایت کی بنیاد پر جسے وہ خود ”ایک ضعیف روایت“ لکھ رہے ہیں، وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کتنا بڑا الزام لگا رہے ہیں؟ کیا وہ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں تھا کہ یزید شرابی ہے، اس کے باوجود انہوں نے اس کی ولی عہدی کے لیے بیعت لی؟ ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾

خیر! آئیے ہم سب سے پہلے اس روایت کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں، حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے صرف یہ لکھا ہے کہ ”قال الطبراني“ (طبرانی نے کہا)؛ گیاوی صاحب نے بھی ابن کثیر رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے لکھ دیا کہ ”محدث طبرانی فرماتے ہیں“؛ لیکن ہمیں بے شمار کوشش کے باوجود امام طبرانی کی کسی کتاب میں یہ روایت نہیں ملی، بلکہ یہ روایت اسی ”محمد بن زکریا الغلابی“ کے طریق سے حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ کی ”تاریخ دمشق“ ج ۶۵ ص ۴۰۳ پر پائی جاتی ہے اور اس کی سند میں بھی کہیں ”طبرانی“ کا ذکر نہیں، اور ”محمد بن زکریا الغلابی“ کا تعارف ہم شروع میں کروا آئے ہیں، آئیے پھر اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ امام دارقطنی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں:

”يضع الحديث“۔

یہ حدیثیں گھڑتا ہے۔ ①

۲۔ امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

”محمد بن زکریا الغلابی کذاب“ ②

محمد بن زکریا الغلابی بڑا جھوٹا ہے۔

۳۔ امام ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہ)، جو یزید کے بارے میں بڑا سخت موقف رکھتے ہیں،

انہوں نے گیاوی صاحب کی متدلہ اسی روایت کو اپنی کتاب ”الموضوعات“

میں ”باب ذکر حدیث موضوع علی معاویہ“ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اور

اسے ”موضوع“ (من گھڑت) بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ”محمد بن زکریا

الغلابی“ غالی قسم کا شیعہ تھا، دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ③

۴۔ امام ابن جوزی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ہی ایک دوسری جگہ اسی راوی کی ایک روایت ذکر

کر کے لکھا ہے: ”هذا حدیث موضوع وضعه محمد بن زکریا“ یہ من گھڑت

حدیث ہے جسے محمد بن زکریا نے گھڑا ہے۔ ④

الغرض! ثابت ہوا کہ یہ ”محمد بن زکریا الغلابی“ کوئی عام قسم کا ضعیف راوی

نہیں بلکہ ”جھوٹا“ اور ”حدیثیں گھڑنے والا“ اور ”غالی قسم کا شیعہ“ ہے نیز اس کی

اس زیر بحث روایت کو تو ابن جوزی نے خاص طور پر ”موضوع“ (من گھڑت) قرار

دیا ہے..... تو کیا یہ ہے گیاوی صاحب کی اس شان کی ”غیر جانبدار نہ“ تحقیق جسے بقول

مولانا محمد نوٹا و نوری قاسمی ”منصف انسان“ قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا؟۔

① سوالات الحاکم للدارقطنی، صفحہ ۱۳۸، مکتبۃ المعارف، الریاض.

② میزان الاعتدال، جلد ۳ صفحہ ۱۶۶، دار الفکر بیروت.

③ الموضوعات لابن جوزی، جلد ۳ صفحہ ۴۷۸، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ.

④ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۱۸.

یہاں کوئی یہ دلیل نہ دے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو اس روایت کو جھوٹی بتلانے کے بجائے اس کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے لہذا اعتراض کرنا ہے تو ان پر کرو، کیونکہ ہم اسے بھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا تسامح ہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے خود "محمد بن زکریا الغلابی" کا نام لے کر یہ روایت نقل کی ہے اور پھر اس پر خاموشی سے گذر گئے، اللہ ان کا یہ تسامح معاف فرمائے۔

بہر حال یہ روایت نقل کرنے کے بعد گویا صاحب نے اپنی طرف سے اس کے راویوں کا تعارف بھی کروایا ہے، اور سب سے پہلے "امام طبرانی" کا نام لکھا ہے، جبکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایت ہمیں طبرانی کی کسی کتاب میں نہیں ملی، اور جہاں یہ روایت موجود ہے وہاں اس کی سند میں امام طبرانی کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ دوسرے نمبر پر گویا صاحب نے "محمد بن زکریا الغلابی" کا بھی تعارف "لغات ابن حبان" سے یہ نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ

"اگر یہ ثقہ سے روایت کرے تو پھر یہ قابل اعتبار ہے"، جبکہ ہم دوسرے ائمہ جرح و تعدیل سے اس راوی کا "کذاب" اور "وضاع" ہونا ثابت کر آئے ہیں، اور ابن حبان اگر کسی راوی کی "توثیق" میں بھی منفرد ہوں تو اس پر علماء کے تحفظات ہوتے ہیں، یہاں تو وہ ایک عجیب بات لکھ رہے ہیں جس کا مطلب ہے کہ "ایک کذاب راوی اگر کسی ثقہ راوی کا نام لے کر اس سے روایت بیان کرے تو پھر وہ قابل اعتبار ہو جائے گا"..... ابن حبان کے منہج کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "لسان المیزان" کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"قلت: وهذا الذي ذهب إليه ابن حبان من أن الرجل إذا انتفت جهالة

عينه كان على العدالة إلى أن يتبين جرحه مذهب عجيب والجمهور على

① خلافت

یعنی ابن حبان کے نزدیک اگر ایک راوی مجہول العین نہ ہو تو اسے صاحب عدالت ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس پر کسی جرح کا علم نہ ہو جائے، یہ مذہب عجیب ہے اور جمہور کے خلاف ہے۔

اسی طرح علامہ ذہبی نے ایک راوی ”عامر“ کے بارے میں ابوالحسن دارقطنی کی بات نقل کی، جبکہ ابن حبان نے اس راوی کے بارے میں دارقطنی کی بات کے خلاف بات کہی تھی تو علامہ ذہبی اس پر ابن حبان پر غصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فَانظُرْ قَوْلَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْحَدِيثِ أَبِي الْحَسَنِ، فَأَيْنَ هَذَا مِنْ قَوْلِ ذَاكَ الْحَسَافِ، الْمُتَفَاصِحِ أَبِي حَاتِمِ بْنِ حَبَّانٍ فِي عَارِمٍ۔“^①

”یعنی دیکھو حدیث میں امیر المؤمنین ابوالحسن (دارقطنی) کا قول کیا ہے اور ابن حبان کیا کہہ رہے ہیں۔“

اور یہاں بھی ”محمد بن زکریا الغلابی“ کے بارے میں امام دارقطنی کا قول ہم پیش کر چکے ہیں کہ ”وہ حدیثیں گھڑنے والا ہے“، تو اس کے مقابلے میں ابن حبان کا یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ ”اگر یہ ثقہ سے روایت کرے تو معتبر ہوگا“، بلکہ یہ بات ہی غلط ہے، ایک جھوٹا اور وضاع چاہے کسی ثقہ سے ہی کیوں نہ روایت کرے، اور نیز اس کذاب سے آگے بھی روایت کرنے والا کوئی ثقہ ہی کیوں نہ ہو، وہ جھوٹا اور وضاع ہی رہے گا، ثقہ نہیں ہو جائے گا، جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے راوی اپنی گھڑی ہوئی روایت کی سند میں ثقہ لوگوں کے نام ہی ڈالتے ہیں۔

①لسان المیزان بتحقیق ابی غدق، ج ۱، ص ۲۰۸.

②سیر اعلام النبلاء، ج ۱۰، ص ۲۶۷ طبع مؤسسة الرسالة بیروت.

تیسرے نمبر پر گیا وی صاحب نے ”ابن عائشہ“ کا تعارف کروایا ہے، اور خود ہی ”تہذیب التہذیب“ کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ

”اس کی وفات ۲۲۸ ہجری (یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے تقریباً ۱۶۸ سال بعد) ہوئی، جبکہ اس روایت میں جو واقعہ بیان ہو رہا ہے وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بتایا جا رہا ہے، یہاں ہمارا سوال ہے کہ اس روایت کے مطابق ”ابن عائشہ“ یہ بات اپنے والد سے نقل کر رہے ہیں، اور ”ابن عائشہ“ کی وفات گیا وی صاحب کے حوالے کے مطابق ۲۲۸ ہجری میں ہوئی ہے، تو اب گیا وی صاحب پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ ”ابن عائشہ“ کے والد ”محمد بن حفص بن عمر“ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں (یعنی رجب ۶۰ ہجری سے پہلے) موجود تھے.....

نیز ہم سمجھتے ہیں کہ یہ محمد بن حفص ایک ایسے راوی ہیں جن کی توثیق نہیں ملتی، ابن قطلوبغا السوونی (متوفی ۸۷۹ ہجری) کا انہیں اپنی کتاب ”الشفات ممن لم يقع فی الکتب الستہ“ میں ذکر کرنا ان کو ثقہ ثابت نہیں کرتا، گیا وی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ ”محمد بن حفص بن عمر“ کی صریح توثیق کسی متقدم امام سے ثابت کرتے۔

الغرض! ہمارے نزدیک یہ روایت نہ صرف یہ کہ ”موضوع“ ہے (جیسا کہ ابن جوزی نے اس کی صراحت کی ہے)، اور اس کا ایک راوی ”محمد بن زکریا الغلابی“ جھوٹا اور وضاع ہے، بلکہ یہ روایت منقطع بھی ہے، ”محمد بن حفص بن عمر“ (ابن عائشہ کے والد) نے بظاہر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

لیکن تعجب ہے گیا وی صاحب پر کہ وہ عنوان قائم کرتے ہیں:

”یزید کے فسق اور شرابی ہونے پر ناقابل انکار دلائل و شواہد“

اور پھر اس کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”ابھی تک جو روایتیں نقل کی گئی ہیں، اور ان سے یزید کا شراب خور ہونا ثابت کیا گیا ہے، الگ الگ سب ضعیف روایتیں تھیں، اس لئے تعدد طرق کی بنا پر ان کو قابل استدلال قرار دیا گیا ہے“^①

غور فرمائیں! یہ روایتیں گیاوی صاحب نے کسی عمل کی فضیلت بیان کرنے کے لیے نقل نہیں کیں، بلکہ ایک مسلمان پر ”شراب نوشی“ کا الزام ثابت کرنے کے لیے بطور شہادت پیش کی ہیں، اور گیاوی صاحب خود تسلیم بھی کرتے ہیں کہ ”یہ سب ضعیف ہیں“ (در اصل یہ تینوں روایتیں جھوٹی اور موضوع ہیں، کیونکہ واقعی، ابو مخنف اور غلابی تینوں کوئی عام ضعیف نہیں بلکہ جھوٹے اور روایتیں گھڑنے والے ہیں)۔ کیا کسی مسلمان کو ”شرابی“ ثابت کرنے کے لیے شریعت کا یہی ضابطہ اور قانون ہے؟

یہاں کسی کو یہ اشکال نہ ہو کہ جیسے راویوں کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل اپنی رائے دیتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے اور فلاں ثقہ ہے، تو وہاں ان کی بات قبول کی جاتی ہے، تو اسی طرح یزید کی ذات پر علماء نے جو الزامات لگائے ہیں ان کی سند کیوں مانگی جاتی ہے؟ اور یہ کیوں مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ”کوئی شرعی شہادت پیش کرو؟“ اس کا جواب ہم مضمون کے شروع میں عرض کر آئے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم جرح و تعدیل میں صرف ان اشخاص سے بحث کی جاتی ہے جنہوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ لیا ہے، اور جن لوگوں نے احادیث روایت کرنے میں حصہ نہیں لیا ان سے اس فن میں بحث نہیں ہوتی، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، نیز عام طور راوی کی عدالت اور ضبط کا فیصلہ اس کی مرویات کی بنا پر ہی ہوتا ہے، اس لئے ضروری

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۴.

نہیں ہے کہ توثیق یا تضعیف کرنے والا اس راوی کے دور کا ہو، کیوں کہ جب روایات دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی دور کا ناقد محدث کسی بھی دور کے راوی کی مرویات کا استقراء کر کے اس کے بارے میں ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کر دیتا ہے..... اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ راوی کی روایات کو پرکھ کر راوی کے بارے میں فیصلہ دینا اجتہادی معاملہ ہوتا ہے اور فقہی اجتہاد کی طرح جرح و تعدیل کے اس اجتہاد میں بھی مجتہد سے خطا و صواب دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی راوی سے متعلق ناقدین کے اقوال میں اختلاف ہو جاتا ہے کیوں کہ ہر ناقد اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ دیتا ہے، تاہم کبھی کبھار راوی کی عدالت کے سلسلے میں راوی کے اخلاق اور ذاتی کردار کو بھی پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں یہ شہادت مل جائے کہ وہ دین دار اور متقی تھا تو اس کی تعدیل کی جاتی ہے، یا اس کے برعکس کسی راوی کے بارے میں یہ مل جائے کہ وہ فاسق یا شرابی یا زانی یا بددین تھا وغیرہ تو اس پر جرح کی جاتی ہے اور یہ معاملہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اجتہاد پر، اس لئے اس معاملے میں شہادت اور گواہی کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے.....

نیز اس طرح کی شہادت اور گواہی دینے کا حق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جو راوی کے ہم عصر ہوں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شہادت کو بنیاد بنا کر جب محدثین جرح و تعدیل کرتے ہیں تو اس بارے میں صرف معاصرین ہی کی شہادت و گواہی قبول کرتے ہیں، نیز معاصرین سے بھی اس کا بسند صحیح نقل ہونا ضروری سمجھتے ہیں، بصورت دیگر اس طرح کی باتوں کو رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کی ہم نوائی بعد کے کسی بڑے سے بڑے امام ہی نے کیوں نہ کی ہو کیونکہ کسی کی ذات و کردار پر کوئی بھی الزام ثابت کرنے کے لیے شریعت کا اپنا قانون و ضابطہ ہے،

ایسے الزامات اجتہاد اور ظن سے ثابت نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان مکالمہ والی روایت:

اب آگے چلیے، گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

”اب ایک صحیح روایت بھی اس کے شراب خور ہونے کے دلیل پیش کی جا رہی ہے، اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور اچھی طرح غور و فکر سے کام لیجئے، علامہ ذہبی اس کا مختصر تذکرہ اپنی دو کتابوں میں کر رہے ہیں، اور ابن کثیر بھی البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۳۲۸ پر اس روایت کو مکمل طور پر نقل فرما رہے ہیں“^①

اور پھر گیاوی صاحب نے وہ مشہور زمانہ روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت (سنہ ۶۳ ہجری میں) عبداللہ بن مطیع اور ان کے کچھ ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور ان کو بھی یزید کی بیعت توڑنے پر آمادہ کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کا بیان ہے، گیاوی صاحب نے اس گفتگو کا اردو ترجمہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی نقل کیا ہے، ہم بھی وہی نقل کرتے ہیں:

”ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب مدینہ والوں کا وفد شام سے واپس آیا تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی ابن الحنفیہ کے پاس آئے، اور ان کو بھی خلع بیعت پر آمادہ کرنا چاہا، تو انہوں نے انکار کر دیا، پھر ان میں اور عبداللہ بن مطیع میں یہ گفتگو ہوئی:

عبداللہ بن مطیع: یزید شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے، اور کتاب اللہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۴-۲۵.

کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔

ابن الحنفیہ: میں نے وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم ذکر کرتے ہو، حالانکہ میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس ٹھہرا ہوں، میں نے تو اس کو برابر پابند نماز اور خیر کا طالب اور اس کا قصد کرنے والا دیکھا ہے، وہ احکامِ شرع کو پوچھتا رہتا ہے اور میں نے اس کو سنت کا التزام کرنے والا دیکھا ہے۔

عبداللہ بن مطیع: وہ یہ سب آپ کو دکھانے کے لیے بناوٹ سے کرتا ہے۔ ابن الحنفیہ: مجھ سے اس کو کیا خوف تھا یا کیا امید تھی کہ وہ میرے لئے خشوع ظاہر کرے گا، اچھا تم جو اس کی شراب خوری کا ذکر کرتے ہو تو کیا اس نے تم کو اس پر مطلع کیا ہے؟ اگر مطلع کیا ہے تو تم اس کے شریک (بزم و حریف بادہ) ہو اور اگر اس نے تم کو مطلع نہیں کیا ہے تو تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہیں اس کی شہادت دو۔

عبداللہ بن مطیع: ہمارے نزدیک تو وہ حق ہے، اگرچہ ہم نے دیکھا نہیں ہے۔ ابن الحنفیہ: اللہ نے شہادت دینے والوں کو اس کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ انکار کیا ہے، وہ فرماتا ہے ﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ مگر جو حق بات کی گواہی دے دریاں حالیکہ وہ اس کا تحقیقی علم بھی رکھتا ہو، اور میں تمہارے اس کام سے بیزار ہو، یا مجھ کو تمہارے اس کام سے کوئی سروکار نہیں.....“^①

استدراک:

یہ روایت یہیں پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے آگے یوں ہے:

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۸-۲۹۔

”قَالُوا: فَلَعَلَّكَ تَكْرَهُهُ أَنْ يَتَوَلَّى الْأَمْرَ غَيْرَكَ، فَتَحْنُ نُوَلِّيكَ أَمْرَنَا. قَالَ: مَا أَسْتَجِلُّ الْقِتَالَ عَلَى مَا تُرِيدُونَ بِي عَلَيْهِ تَابِعًا وَلَا مُتَّبِعًا. قَالُوا: فَقَدْ قَاتَلْتَ مَعَ أَبِيكَ. قَالَ جِيئُونِي بِمِثْلِ أَبِي أَقَاتِلُ عَلَى مِثْلِ مَا قَاتَلْتُ عَلَيْهِ. فَقَالُوا: فَمُرِ ابْنِيكَ أَبَا هَاشِمٍ وَالْقَاسِمَ بِالْقِتَالِ مَعَنَا. قَالَ: لَوْ أَمَرْتُهُمَا قَاتَلْتُ. قَالُوا: فَقُمْ مَعَنَا مَقَامًا تَحْضُ النَّاسُ فِيهِ عَلَى الْقِتَالِ. قَالَ: سُبْحَانَ اللَّهِ! أَمَرَ النَّاسُ بِمَا لَا أَفْعَلُهُ وَلَا أَرْضَاهُ! إِذَا مَا نَصَحْتُ لِلَّهِ فِي عِبَادِهِ. قَالُوا: إِذَا نَكَّرْتَهُكَ. قَالَ: إِذَا أَمَرَ النَّاسُ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَالْأَيُّضُ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ. وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ“ ①

” (ہم اس روایت کے اس بقیہ حصے کا ترجمہ بھی کرتے ہیں): تو انہوں نے (محمد بن حنفیہ سے) کہا: شاید آپ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور امیر بن جائے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بنا لیتے ہیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: تم جس چیز پر قتال کر رہے ہو، میں تو اس کو سرے سے جائز ہی نہیں سمجھتا، مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟، انہوں نے کہا: آپ تو اپنے والد (یعنی سیدنا علیؑ) - ناقل کے ساتھ مل کر قتال کر چکے ہیں؟ تو محمد بن حنفیہ نے کہا: کہ پھر میرے والد جیسا شخص اور انہوں نے جن کے ساتھ جنگ کی ہے، ایسے لوگ لے کر تو آؤ، وہ کہنے لگے: آپ اپنے بیٹوں ابو القاسم اور قاسم کو ہی ہمارے ساتھ مل کر (یزید کے خلاف - ناقل) لڑائی کا حکم دے دیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اگر ان کو اس طرح کا حکم دوں تو خود کیوں نہ تمہارے ساتھ

① دیکھیں: البداية والنهاية ج ۱ ص ۲۵۳ طبع دار ہجر.

شریک ہو جاؤں؟، انہوں نے کہا: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو لڑائی پر تیار کریں، محمد بن حنفیہ نے کہا: سبحان اللہ! جس کام کو میں خود نہیں کرنا چاہتا اور نہ اسے پسند کرتا ہوں اس کا حکم کیسے دوں؟، اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملے میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں ہوں، وہ کہنے لگے: پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اس وقت بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کے لئے خالق کو ناراض نہ کرو، اور پھر (محمد بن حنفیہ) مکہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔“

قارئین محترم! اس روایت کا مکمل مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں کا محمد بن حنفیہ کے ساتھ ایک قسم کا اچھا خاصہ مناظرہ اور مباحثہ ہوا تھا، اور محمد بن حنفیہ نے ان کی ہر بات کا جواب دیا تھا، اور وہ محمد بن حنفیہ کی باتوں کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے، اسی بات کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا ہے، غور سے پڑھیں:

"وَاعْتَزَلَ النَّاسَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ " زَيْنُ الْعَابِدِينَ " وَكَذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَمْ يَخْلَعَا يَزِيدَ، وَلَا أَحَدًا مِنْ بَيْتِ ابْنِ عُمَرَ، وَقَدْ قَالَ ابْنُ عَمْرٍو لِأَهْلِهِ: لَا يَخْلَعَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَزِيدَ فَتَكُونَ الْفَيْضُ لِيُزَوِيَ الضَّمِيمَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَسَيَأْتِي هَذَا الْحَدِيثَ بِلَفْظِهِ وَإِسْنَادِهِ فِي تَرْجُمَةِ يَزِيدَ، وَأَنْكَرَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ فِي مُبَايَعَتِهِمْ لِابْنِ مُطِيعٍ وَابْنِ حَنْظَلَةَ عَلَى الْمَوْتِ، وَقَالَ: إِنَّمَا كُنَّا تُبَايَعُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى أَنْ لَا نَفَرَّ، وَكَذَلِكَ لَمْ يَخْلَعْ يَزِيدَ أَحَدٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَقَدْ سئل مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنْفِيَّةِ فِي ذَلِكَ فَاِمْتَنَعَ

عن ذلك أشد الامتاع، وناظرهم وجادلهم في يزيد وذرذ عليهم ما اتهموا
يزيد به من شرب الخمر وتزكبه بغض الصلوات كما سياتي مبسوطا في
تزجمة يزيد قريبا إن شاء الله" ①

سیدنا علی بن الحسین یعنی زین العابدین اور اسی طرح عبداللہ بن عمر بن
الخطاب دونوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، اور نہ ہی ابن عمر کے
خاندان میں سے کسی نے توڑی تھی، ابن عمر نے تو اپنے اہل و عیال سے
فرمایا تھا کہ تم میں سے جس نے بھی یزید کی بیعت توڑی تو میرا اس سے کوئی
تعلق نہ ہوگا، یہ حدیث الفاظ اور سند کے ساتھ یزید کے تعارف میں آئے
گی، (اسی طرح ابن عمر) نے اہل مدینہ کی اس بات کو ناپسند کیا تھا جو
انہوں نے (عبداللہ) بن مطیع اور (عبداللہ) بن حنظلہ کے ہاتھ پر موت
کی بیعت کی تھی اور فرمایا تھا کہ ہم صرف اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر
اس بات کی بیعت کیا کرتے تھے کہ ہم فرار اختیار نہ کریں گے، اسی طرح
بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے بھی یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، یہاں
تک کہ محمد بن حنفیہ سے یہ (بیعت توڑنے کا) کہا گیا تو انہوں نے سختی سے
منع کر دیا، بلکہ ان سے یہ مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ انہوں نے یزید
کے بارے میں مناظرہ و مجادلہ کیا اور جو انہوں نے یزید پر شراب نوشی
اور بعض نمازیں ترک کرنے کی تہمت لگائی تھی اس میں ان لوگوں کا رد کیا
جیسا کہ تفصیل کے ساتھ یزید کے تعارف میں آئے گا ان شاء اللہ۔

یہ ہے تحقیق حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی، وہ صاف لکھتے ہیں کہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

① البدایة والنہایة، ج ۸ ص ۲۳۸ طبع دار ہجر۔

اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سمیت ”بنو عبدالمطلب“ کے کسی فرد نے بھی یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، بلکہ محمد بن حنفیہ کے پاس جب وہ لوگ بیعت توڑنے کا مطالبہ لے کر آئے تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا اور جب ان لوگوں نے یزید پر شراب نوشی وغیرہ کی تہمت لگا لی تو محمد بن حنفیہ نے ان کے ساتھ باقاعدہ مناظرہ و مجادلہ کیا اور ان کی تہمت کی تردید کی، اس بات کو خود گیاوی صاحب نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰-۳۱ پر مع ترجمہ نقل کیا ہے، لیکن اپنی مناظرانہ طبیعت سے مجبور ہو کر ”جَادِلْهُمْ“ کا مفہوم ”کٹ جتی“ سے بیان کیا ہے۔^① اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ گفتگو صرف ”محمد بن حنفیہ“ کی طرف سے کٹ جتی تھی، ورنہ دلائل عبداللہ بن مطیع کے ہی مضبوط تھے..... جی تو چاہتا ہے کہ میں گیاوی صاحب سے پوچھوں کہ حضرت! گستاخی معاف، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے نبی (ﷺ) سے فرمایا ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ

أَحْسَنُ﴾^②

تو کیا اس آیت میں ”جَادِلْهُمْ“ کا مفہوم کٹ جتی والا ہی ہوگا؟ لیکن ہمارا اس وقت یہ موضوع نہیں، حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے جو بات لکھی ہے اس میں ”مناظرہ“ ”مجادلہ“ اور تہمت لگانے والوں کی ”تردید“ تینوں باتیں مذکور ہیں۔ لیکن گیاوی صاحب کی ”کارگیری“ ملاحظہ فرمائیں، ان کا سارا مقدمہ اس بات پر قائم ہے کہ

”چونکہ سیدنا عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں، اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ یزید

① دیکھیں: صفحہ ۳۲.

② النحل: ۱۲۵.

شراب پیتا ہے، اگرچہ انہوں نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ ہم نے اسے شراب پیتے نہیں دیکھا، اس کے باوجود ان کی یہ بات تسلیم کرنا ضروری ہے، اور ان کی بات کا انکار کرنا ایک صحیح حدیثی روایت کا انکار کرنا ہو گا۔“ (خلاصہ)

ہم یہاں گیاوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ وہ یہ فتویٰ دیں کہ ”محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ عبد اللہ بن مطیع کی یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر قتال کرنے کو ناپسند کیا اور اسے مخلوق کی رضا کے لیے خالق کو ناراض کرنے سے تعبیر فرمایا لہذا وہ ایک صحیح حدیثی روایت کے منکر ٹھہرے“..... بینوا تو جروا۔

نیز گیاوی صاحب یہ فتویٰ دیں کہ ”کسی پر شراب نوشی کا الزام ثابت کرنے کے لیے صرف ایک آدمی یا چند لوگوں کا یہ کہنا کافی ہے کہ اگرچہ ہم نے اس شخص کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ شرابی ہے.....“

(جبکہ وہ اپنے اس علم کا ذریعہ بھی نہ بتائیں)..... ہمت کریں، جاری کریں

فتویٰ۔

دید اور شنید کا تقابل ہو تو دید کو ترجیح دی جاتی ہے:

ہم گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یہاں ”دید“ اور ”شنید“ کا تقابل ہے، اسی روایت میں محمد بن الحنفیہ نے عبد اللہ بن مطیع کی سنی سائی بات کو اپنی عینی شہادت سے رد کیا ہے، کیا گیاوی صاحب کے نزدیک ”محمد بن الحنفیہ“ نے جھوٹ بولا؟ واضح بات کریں، ہم بانگِ دہلی کہتے ہیں کہ (بفرض صحت روایت) عبد اللہ بن

مطبع کا بیان کسی بھی طرح شربِ خمر کے اثبات کے لیے شرعی شہادت نہیں بن سکتا، کیونکہ انہوں نے خود اقرار کیا کہ ”میں نے اسے شراب پیتے نہیں دیکھا“، یعنی انہوں نے یہ بات کسی اور سے سنی ہے، اور ان کے علم کا ذریعہ کیا ہے؟ یہ انہوں نے نہیں بتایا، اب گیا وی صاحب یہ بتادیں کہ عبد اللہ بن مطیع نے یہ بات کس سے سنی تھی؟ یا انھیں کس نے بتایا تھا؟ تاکہ ہم اس مجہول منجبر کی بھی تحقیق کر لیں، نیز یہ معلوم ہو کہ عبد اللہ بن مطیع کو یہ بات بتانے والے کتنے تھے؟ پھر یہ کوئی کسی حکم شرعی کی وضاحت یا تشریح کا معاملہ نہیں کہ وہاں صحابی اور غیر صحابی کے قول کی بحث کی جائے، بلکہ ایک مسلمان پر ”شربِ خمر“ کا الزام ثابت کرنے کی بات ہے، اور اس کے لیے شریعت میں ایک ضابطہ ہے، اور وہ ضابطہ صحابی و غیر صحابی سب کے لیے ہے (ہم یہاں عبد اللہ بن مطیع کو صحابی ہی فرض کر کے یہ بات لکھ رہے ہیں، اس پر کچھ مزید ہم آگے عرض کریں گے)۔

لہذا یہاں تقابل صرف عبد اللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کی بات کا ہی نہیں تھا بلکہ دید اور شنید کا تقابل بھی تھا، محمد بن حنفیہ اپنا مشاہدہ بیان کر رہے تھے اور عبد اللہ بن مطیع محض سنی سنائی بات، اور دید و شنید میں دید کو ہی پسند کرنا یا اس کا پسند آنا نہ صرف یہ کہ قرین عقل و قیاس ہے بلکہ تعلیمِ نبوی بھی ہے، چنانچہ کتب میں آنحضرت ﷺ کی ام ولد (مار یہ ﷺ) کا واقعہ مذکور ہے کہ بعض منافقین نے ان کو ان کے چچا زاد بھائی (جن کا نام مابور بتایا جاتا ہے) سے متہم کر دیا، آنحضرت ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مابور کو جا کر قتل کر دو، سیدنا علی رضی اللہ عنہ گئے اور اس کو پکڑنے کے لیے جو اپنی طرف کھینچا تو اسی کش مکش میں اس کا ستر کھل گیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پیدائشی طور پر اس کا عضو مخصوص ہی نہ تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کو قتل کیے بغیر واپس آگئے اور آنحضرت ﷺ کو ساری بات آ کر بتلا دی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"الشَّاهِدِيْنَ مَا لَا يَرِي الْعَائِبِ" ①

”یعنی حاضر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا“۔

فقہاء نے بھی اس اصول کو دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ ایک جگہ ایک مسئلہ کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ليس الخبر كالمعاينة" ②

نیز مسند احمد کی صحیح روایت ہے:

"حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بَشِيرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

"لَيْسَ الْخَبْرُ كَالْمُعَايَنَةِ" ③

”یعنی کسی کی دی گئی خبر، خود دیکھنے کا مقابلہ نہیں کر سکتی“۔

دیکھ لیجئے! یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ”دید“ کو ”شہید“ پر ترجیح دی گئی۔

پھر اگر یہی بات ہے کہ ایک صحابی نے (اس اقرار کے ساتھ کہ میں نے خود دیکھا نہیں) یہ کہہ دیا تو وہ کسی کو ”شرابی“ یا ”زانی“ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے تو پھر ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ لوگوں نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی شہادت دی ان شہادت دینے والوں میں صحابی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن یہ گواہی ضابطہ شہادت پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے رد ہو گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگوائی اور ان سے فرمایا کہ ”اگر یہ اپنی

① البدایة والنہایة، ج ۸ ص ۲۳۰ طبع دار ہجر.

② الہدایة، ج ۳ ص ۷۰ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان.

③ مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۳۲ طبع مؤسسۃ الرسالۃ.

غلطی مان کر تو یہ کہ لیں تو پھر مقبول الشہادۃ ہو جائیں گے، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو جھٹلانے سے انکار کر دیا۔^①

گیاوی صاحب فرمائیں کہ وہ یہاں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر ”زنا“ کا الزام ثابت مانتے ہیں؟ یا وہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو کالعدم اور صرف الزام کہتے ہیں؟ یا وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف جاری کرنے میں غلطی پر کہیں گے؟۔ یاد رہے یہ گواہی دینے والے متفقہ صحابی ہیں۔

اسی طرح ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں کہ کسی صحابی کو کسی کی بات سے غلط فہمی ہو جانا ناممکن نہیں، نیز آئیے ایک اور مثال پڑھ لیں:

سیدنا ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا

کہ

اللہ کی قسم یہ بھی محض دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں..... وَإِنْ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللَّهِ

إِنْ يَفْقَأُونَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا.....^②

اسی طرح کی بات سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، آپ نے اہل مکہ (یعنی سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں) کے بارے میں فرمایا:

... يَفْقَأُونَ عَلَى الدُّنْيَا، يَتَهَاوَنُونَ فِي النَّارِ فَهَأَفَتِ الدُّبَابُ فِي

الْمَرْقِ...^③

یعنی یہ تو دنیا پر لڑ رہے ہیں اور آگ میں ایسے گر رہے ہیں جیسے مکھی شور بے

① دیکھیں: صحیح البخاری، ج ۳ ص ۱۷۰ باب حد القاذف والسارق والزانی، طبع دار طوق النجاة اور فتح

الباری، ج ۵ ص ۲۵۶ طبع دار المعرفۃ بیروت.

② صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۱۱۲.

③ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۳ ص ۱۷۳ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت.

میں گرتی ہے۔

گیا وی صاحب فرمائیں! سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے نزدیک خالص دین کے لیے لڑ رہے تھے یا خالص دنیا کے لیے؟ اگر خالص دنیا کے لیے تو تصریح فرمائیں، اگر خالص دین کے لیے لڑے تھے تو بتائیے سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی اس بات میں آپ غلطی پر کہتے ہیں یا کیا؟۔ واضح رہے کہ یہ دونوں حضرات جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔

اس لیے یہ جذباتی بیان یہاں نہیں چلنے والے کہ عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں لہذا انہوں نے بات کہہ دی تو اب کسی ضابطہ شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہی، کیونکہ فیصلہ تو اصول شہادت کی بنیاد پر ہی کیا جائے گا، ورنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو رد نہ فرماتے، اصل بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک آدمی پر پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ایک امر غیر واقع کو امر واقع یقین کر لیتا ہے، یہ صحابیت یا تابعیت کے منافی نہیں، اس لیے کچھ بعید نہیں کہ بعض اہل مدینہ، وہاں موجود ان شریکوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر یہ باتیں کر رہے ہوں جن کا کام ہی مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے سازشیں کرنا تھا اور جن کے آباء و اجداد اس سے پہلے جمل و صفین میں یہی کام کر چکے تھے، کیونکہ یہ اقرار تو حضرت عبداللہ بن مطیع خود کر رہے ہیں کہ انہوں نے پچشم خود یزید کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا، ایسی صورت میں یہ محض ان کی شنید ہوئی، اور شنید و دید میں تعارض کے وقت دید کا قابل پسندیدگی ہونا نص حدیث سے ثابت ہے۔

گیا وی صاحب نے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی ”دید“ کو غیر اہم ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے کہ:

”اس کا ایک جواب تو خود عبداللہ بن مطیع نے دے دیا ہے کہ یہ سب کچھ ریا کاری اور تصنع کی وجہ سے تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ پہلے گئے تھے وہ موجودہ حالت کے بارے میں نہیں بتا رہے، اور عبداللہ بن مطیع ابھی ان کے بعد گئے ہیں اس لیے ان کا بیان موجودہ حالت کے متعلق ہے، دونوں کے جانے کے درمیان تقریباً ایک سال کا وقفہ ہے“^①۔

گیاوی صاحب نے یہ بات اپنے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب کی کتاب^② سے نقل کر کے صرف دفع الوقتی فرمائی ہے، اس پر عرض ہے کہ جہاں تک عبداللہ بن مطیع کی طرف سے محمد بن حنفیہ کو یہ جواب دینے کا تعلق ہے کہ ”یہ سب کچھ وہ ریا کاری اور تصنع کی وجہ سے کرتا تھا“.....

تو ہم گیاوی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ عبداللہ بن مطیع کے بارے میں ”عالم الغیب“ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟؟ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ریا کاری اور تصنع کی وجہ سے تھا؟ پھر گیاوی صاحب یہ کیوں بھول گئے کہ عبداللہ بن مطیع کی اس بات کا ”جواب الجواب“ بھی محمد بن حنفیہ نے دیا ہے، جس کا جواب عبداللہ بن مطیع نہ دے سکے۔ رہی دوسری بات کہ محمد بن حنفیہ یزید کے پاس پہلے گئے تھے اور عبداللہ بن مطیع بعد میں ہو کر آئے تھے لہذا ان کا بیان موجودہ حالت کے متعلق ہے، تو یہ بات گیاوی صاحب تب کریں جب عبداللہ بن مطیع نے یہ کہا ہو کہ ”میں جب یزید کے پاس گیا تو میں نے اسے یہ سب کام کرتے دیکھا“، تب محمد بن حنفیہ کی ”دید“

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۰۔

② استخلاف یزید، صفحہ ۲۲۲ طبع اول۔

اور عبد اللہ بن مطیع کی ”دید“ کا تقابل کیا جاسکتا ہے، لیکن یہاں تو عبد اللہ بن مطیع خود واضح طور پر اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ ”ہم نے خود ایسا کرتے نہیں دیکھا“، گیاوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ محمد بن حنفیہ کی ”عینی شہادت“ کے مقابلے میں ان کے یزید کے پاس جانے بعد کے زمانے کی کوئی اور ”عینی شہادت“ ہی پیش کرتے، تب ہم یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ محمد بن حنفیہ سال پہلے کی حالت بیان کر رہے ہیں اور یہ دوسری عینی شہادت موجودہ حالت کی ہے، لیکن اس روایت میں تو عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی ہرگز یہ نہیں کہہ رہے کہ ”ہم جب یزید کے پاس گئے تو ہم نے اسے یہ یہ کام کرتے دیکھا یا پایا ہے“، تو پھر گیاوی صاحب کیوں ان کی طرف وہ بات منسوب کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے کی ہی نہیں؟، یاد رہے کہ یہاں گیاوی صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ محمد بن حنفیہ جس زمانہ کی گواہی دے رہے ہیں وہ ایک سال پہلے کی بات ہے۔

نیز یہاں خود گیاوی صاحب نے دبے لفظوں میں تسلیم کر لیا کہ واقعہ حرہ (یعنی ۶۳ ہجری) سے ایک سال پہلے تک (اگر واقعی محمد بن حنفیہ کا یزید کے پاس جانا اور وہاں ٹھہرنا واقعہ حرہ سے ایک سال پہلے کا ہی واقعہ فرض کر لیا جائے تو) یزید شراب نوشی وغیرہ کے الزامات سے بری تھا اور نماز کا پابند اور احکام شریعت پر عمل کرنے والا تھا کیونکہ اس پر محمد بن حنفیہ کی عینی شہادت موجود ہے، کیا گیاوی صاحب اس بات سے علی الاعلان اتفاق کریں گے؟ کیونکہ اس سے تو گیاوی صاحب کی وہ دلیلیں ہباءً منشوراً ہو جاتی ہیں جن سے وہ یزید کا کم عمری اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی شرابی ہونا ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں، یا گیاوی صاحب کے نزدیک محمد بن حنفیہ کی واقعہ حرہ سے سال بھر پہلے کے زمانہ کے بارے میں گواہی بھی قابل قبول نہیں؟

ہم یہاں ایک اور بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ شراب نوشی اور زنا کاری جیسے جرائم و طرح ہی انجام دیئے جاسکتے ہیں، ایک تو کھلے عام، دوسرے چھپ کر، اگر تو یزید یہ افعال کھلے عام انجام دیتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ دو چشم دید گواہ بھی ہمیں نہیں مل رہے، اس صورت میں تو چشم دید گواہوں کا ایک جم غفیر ہونا چاہئے تھا، نیز اگر وہ کھلے عام یہ کام کرتا تھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کی وہ اکثریت جنہوں نے اس کی بیعت خلافت کی تھی کیا انہوں نے ایک کھلے شرابی اور زانی کی بیعت کی تھی؟، اور اگر وہ یہ کام چھپ چھپ کر کرتا تھا، تو سوال ہے کہ ان راویوں کو یہ کیسے علم ہوا کہ وہ یہ کام چھپ چھپ کر کرتا تھا؟ کیا یہ راوی خود اس کی مجلس میں شریک رہے تھے یا یزید نے ان کے سامنے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ میں شراب بھی پیتا ہوں اور حرام کاری بھی کرتا ہوں؟ (یہی وہ سوال ہے جو محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا اور جس کا تسلی بخش جواب کوئی نہیں آیا تھا)۔

کیا عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں؟:

ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مطیع کو صحابی کہا جائے (البتہ اس صورت میں وہ صغار صحابہ میں ہی شمار ہوں گے)، لیکن اہل علم نے ان کے بارے میں صرف "لہ رؤیة" لکھا ہے، مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

"عبداللہ ابن مطیع ابن الأسود العدوی المدنی لہ رؤیة وکان رأس قریش

یوم الحرة"①

عبداللہ بن مطیع ابن الاسود العدوی المدنی انہیں (صرف) رؤیت حاصل ہے، اور یہ حرہ والے دن (بیعت توڑنے والے - ناقل) قریش کے

① تقریب التہذیب، ج ۱ ص ۳۲۳ نمبر: ۳۶۲۶ طبع دار الرشید سوریا۔

سر دار تھے۔

لہذا اگر کسی نے انہیں ”صحابہ“ میں شمار کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ صرف ”روایت“ کے لحاظ سے صحابی ہیں، جبکہ دوسری طرف بہت سے علماء کے نزدیک ”صحبت“ اور ”روایت“ میں فرق ہے، چند مثالیں ہم یہاں عرض کرتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم ”محمود بن الربیع“ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”محمود بن الربیع ويقال ابن ربيعة الخزر جي الانصاري مديني أدرك

النبي ﷺ وهو صبي ليست له صحبة وله رؤية“^①

”کہ انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے جب یہ بہت چھوٹے بچے تھے لہذا انہیں صحبت حاصل نہیں صرف روایت حاصل ہے۔“

ایک جگہ ”یوسف بن عبد اللہ بن سلام“ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”يوسف بن عبد الله بن سلام المديني أبو يعقوب رأى النبي ﷺ وليست

له صحبة“^②

”یوسف بن عبد اللہ بن سلام نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے لیکن انہیں صحبت حاصل نہیں۔“

ابن مندۃ العبدي (متوفی ۳۹۵ ہجری) ”بشیر بن فدیك“ کے بارے میں

لکھتے ہیں:

”له رؤية، ولأبيه صحبة“^③

① الجرح والتعديل، ج ۸، ص ۲۸۹، دار احیاء التراث العربی بیروت.

② ایضاً، ج ۹، ص ۲۲۵.

③ معرفة الصحابة لابن مندۃ، ج ۱، ص ۲۵۳، طبع جامعة الامارات العربية المتحدة / ایضاً معرفة الصحابة لابی نعیم الاصبهانی، ج ۱، ص ۲۰۶، طبع الرياض / اسد الغابة، ج ۱، ص ۳۹۵، طبع دار الکتب العلمیة بیروت.

”انہیں ”رویت“ حاصل ہے اور ان کے والد کو ”صحبت“۔

اسی طرح علامہ ابن الاثیر الجزری نے ”عبد اللہ بن خباب بن الارت“ کے بارے میں لکھا ہے:

”لہ رؤیة ولأبیہ صحبة“^①

”انہیں صرف رویت حاصل ہے، جبکہ آپ کے والد کو صحبت حاصل ہے۔“

فراس بن عمرو اللیثی کے بارے میں بھی ایسے ہی الفاظ ہیں:

”لہ رؤیة ولأبیہ صحبة“^②

ابن ابی حاتم اپنے والد (ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ) کے واسطے سے اسحاق بن منصور سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ:

”قلت لیحییٰ محمد بن حاطب لہ رؤیة أو صحبة قال رؤیة“^③

”محمد بن حاطب کو رویت حاصل ہے یا صحبت؟ تو انہوں نے فرمایا: رویت“

اسی طرح امام ابو حاتم رازی نے ”طارق بن شہاب“ کے بارے میں فرمایا:

”طارق بن شہاب لہ رؤیة ولیست لہ صحبة“^④

”طارق بن شہاب کو ”رویت“ تو حاصل ہے لیکن ”صحبت“ نہیں۔“

لہذا جن علماء کے نزدیک ”رویت“ اور ”صحبت“ میں فرق ہے، ان کے

مطابق عبد اللہ بن مطیع صحابی نہیں بلکہ صرف ”لہ رؤیة“ والے ہی ہوں گے۔

① أسد الغابة، ج ۳ ص ۲۲۳.

② ایضاً، ج ۴، ص ۳۳۷.

③ المراسیل لابن ابی حاتم، صفحہ ۸۳ مؤسسة الرسالة بیروت.

④ ایضاً، صفحہ ۹۸.

الغرض! عبداللہ بن مطیع کا صحابی ہونا مختلف فیہ کہا جاسکتا ہے اور اگر انہیں صحابہ میں ہی شمار کیا جائے تو بھی وہ صفار صحابہ میں ہی ہوں گے، واللہ اعلم بالصواب و علمہ اتم و احکم

لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ ان کے صحابی ہونے یا نہ ہونے سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ اسلام کا ضابطہ شہادت صحابی اور غیر صحابی سب کے لیے ایک ہی ہے الامن استثناء اللہ ورسولہ، خود مولانا سید طاہر حسین گیاوی نے بھی عبداللہ بن مطیع کی صحابیت کے مختلف فیہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے:

”اگر اس واقعہ میں صرف عبداللہ بن مطیع ایک ہی صحابی رسول ﷺ ہوتے تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ صحابی نہیں تھے، لیکن اگر صحابی ہونے سے ان کے انکار بھی کر دیا جاتا ہے تو بھی بالاتفاق وہ ایک تابعی اور ثقہ راوی تو ہیں ہی۔“^①

اگرچہ یہ لکھ چکنے کے بعد جب آنجناب کو کسی نے اس پر متنبہ کیا تو کچھ صفحات کے بعد اپنی اس بات کی یوں تاویل کرنے کی کوشش کی کہ:

”عبداللہ بن مطیع کے تابعی ہونے والی بات مرجوح قول کی بنیاد پر صحیح کہی گئی ہے ورنہ بقول راجح سیدنا عبداللہ بن مطیع صحابی ہیں۔“^② لیکن یہاں بھی وہ ان کے صحابی ہونے کو متفق علیہ نہیں کہہ سکے۔

گیاوی صاحب کی غلط بیانی:

قارئین محترم! گیاوی صاحب نے عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں کی محمد

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۲۔

② دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵۔

بن حنفیہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو پر مشتمل روایت حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی کے حوالے سے خود نقل کی ہے، بلکہ اپنی دلیل کے طور پر پیش کی ہے، اس روایت کو اول تا آخر پڑھ جائیں آپ کو کہیں نہیں ملے گا کہ ”محمد بن حنفیہ کے ساتھ ہونے والی اس بات چیت میں عبد اللہ بن مطیع کے ساتھ مزید فلاں فلاں صحابی نے بھی یزید کے شرابی ہونے کی بات کی تھی“؛ لیکن گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

”اس موقع پر ان کے ساتھ (یعنی عبد اللہ بن مطیع کے ساتھ - ناقل) صحابہ

میں بھی متعدد صحابہ موجود ہیں“^①۔

جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ نے صرف عبد اللہ بن مطیع کی بات کی تردید نہیں کی بلکہ بہت سے صحابہ کی بات کی تردید کی، یہ گیاوی صاحب کے اپنے ذہن کا استنباط تو ہو سکتا ہے، لیکن اس روایت میں عبد اللہ بن مطیع کے علاوہ (اگر انہیں صحابی ہی تصور کر لیا جائے تو بھی) کسی دوسرے صحابی کا ذکر تک نہیں۔

قارئین محترم! یہ تھی وہ ”اکلوتی“ اور بقول گیاوی صاحب ”صحیح روایت“، جسے انہوں نے یزید کے شرابی ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے، ہم گیاوی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ اگر اس سے یزید کا شرابی ہونا ثابت ہوتا تھا تو ایک ثقہ اور جلیل القدر تابعی محمد بن حنفیہ نے تو اس شہادت کو کافی نہیں سمجھا تھا، تو کیا آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ کا شریعت اور دین کا علم محمد بن حنفیہ سے زیادہ ہے؟؟ ذرا سوچ کر جواب دیں۔

واضح رہے کہ ہم نے یہ تمام تفصیل گیاوی صاحب کے اس دعوے کو درست

فرض کر کے عرض کی ہے کہ:

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۲.

یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت مضبوط اور پختہ ہے، کسی قیل و قال کی قابل ذکر کوئی وجہ نہیں ہے۔^①
نیز لکھتے ہیں:

”سب سے پہلے ایک بار پھر یہ عرض کر دوں، یہ تاریخی بات یا کمزور ضعیف یا غیر معتبر روایت نہیں ہے کہ صرف پڑھ کر کوئی گذر جائے، بلکہ یہ روایت نہایت مضبوط سند کے ساتھ مروی ہے اور روایت کرنے والے عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ جیسے صحابی اور محمد بن حنفیہ جیسے عالم اور تابعی سے مباحثہ و تکرار کے درمیان نقل کر رہے ہیں اس لیے یہ صرف کسی تاریخی روایت کا انکار نہیں ہے بلکہ صحیح الاسناد اور احکام کو ثابت کرنے والی حدیثی روایت کا انکار کرنا ہے“..... آگے لکھتے ہیں..... ”روایت متصل الاسناد اور صحیح ہے۔“^②

گیادوی صاحب سے ایک سوال:

لیکن ہم بھی یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اصولی موقف پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ روایت صحیح ہو یا ضعیف ہو، بلکہ اگر صحیح تسلیم کی جائے تو اصول شریعت اور ضابطہ شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ روایت ہمارے موقف کی دلیل ہے نہ کہ گیادوی صاحب کے موقف کی، البتہ ہمارا یہاں گیادوی صاحب سے اصول حدیث کی رُو سے ایک طالب علمانہ سوال ضرور ہے کہ آپ نے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”البدایة والنہایة“ کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے، اور خود لکھا ہے کہ ”ابن

① گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۷۔

② ایضاً: صفحہ ۲۸۔

کثیر رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بحوالہ المدائنی لکھی ہے، تو حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ۷۰۱ ہجری کے لگ بھگ ہوئی، جبکہ مدائنی کی وفات ۲۱۵ ہجری سے ۲۳۴ ہجری کے درمیان (باختلاف اقوال) ہوئی، درمیان میں تقریباً پونے پانچ صدیوں کا فاصلہ ہے، اسی طرح آپ نے امام ذہبی کا حوالہ بھی دیا اور امام ذہبی کی پیدائش ۶۷۳ ہجری کی ہے، لہذا گیاوی صاحب حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ اور امام ذہبی رضی اللہ عنہ سے مدائنی تک کی درمیانی سند بھی کہیں سے ڈھونڈھ کر لائیں، یا یہ ثابت کریں کہ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے مدائنی کی فلاں کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے، تاکہ ہمیں یقین ہو جائے کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت مضبوط اور پختہ ہے اور تاکہ گیاوی صاحب کا یہ دعویٰ درست ثابت ہو سکے کہ ”یہ روایت متصل الاسناد ہے۔“ دیدہ باید۔ کیونکہ گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب (جنہوں نے اپنی کتاب ”استخلاف یزید“ میں اپنے موقف کے حق میں جی بھر کر ضعیف اور غیر مستند روایات نقل کی ہیں اور گیاوی صاحب نے بھی وہیں سے بہت سا مواد بلا تحقیق نقل کر دیا ہے) انہوں نے تو اپنے موقف کے خلاف آنے والی حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کی مدائنی ہی کے حوالے سے نقل کردہ ایک روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”یہ قول سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف مدائنی نے منسوب کیا ہے اور اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی ہے، المدائنی کو یہ قول کس سند سے پہنچا ہے، معلوم نہیں..... ایضاً یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ حافظ ابن کثیر کو مدائنی کی یہ روایت کس ذریعہ سے پہنچی جب کہ دونوں کی وفیات میں ساڑھے پانچ سو سال کا فرق ہے“^①

① استخلاف یزید، صفحہ ۶۰۲۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول انہی مدائنی کے حوالے سے علامہ بلاذری (متوفی ۲۷۹ ہجری) نے نقل کیا ہے جس میں یزید کو صالح کہا گیا ہے، اس کے بارے میں بھی لعل شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: یہ قول غیر مستند ہے۔^①

لہذا گیاوی صاحب کو اس بات کی وضاحت کرنی ہوگی کہ سید لعل شاہ صاحب کی تحقیق درست ہے یا ان کی؟

گیاوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی ایک کٹ ججتی:

قارئین محترم! جیسا کہ گیاوی صاحب نے خود بحث کا آغاز صحیح بخاری کی اس روایت سے کیا ہے جس میں جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ذکر ہے کہ انہوں نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کو حدیثی وعیدیں سنا کر اس عمل سے روکا تھا نیز اپنے متعلقین اور اہل عیال کو یہاں تک فرمادیا تھا کہ تم میں سے جس نے بھی یزید کی بیعت توڑی، میرا اس سے کوئی تعلق نہ رہے گا، ہم نے اسی البدایۃ والنہایۃ سے جس کا حوالہ گیاوی صاحب نے اپنے حق میں پیش کیا ہے، یہ نقل کر دیا ہے کہ واقعہ حرہ میں مدینہ میں موجود اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرد نے بھی یزید کی بیعت نہ توڑی تھی، بلکہ بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے خروج نہیں کیا تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند زین العابدین اور بھائی محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کا تو نام لے کر ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے بیعت توڑنے والوں کی بات نہیں مانی تھی اور یزید کی بیعت پر قائم رہے تھے، بلکہ محمد بن حنفیہ نے تو بیعت توڑنے والے حضرات کے ساتھ (بقول حافظ ابن کثیر) مناظرہ و مجادلہ کیا اور ان کی بات کو سختی کے ساتھ رد کر دیا اور انہوں نے یزید پر جو اتہام لگائے تھے ان کی تردید کی۔ یہ ایسی بات ہے جس کا انکار نہ گیاوی صاحب نے کیا ہے اور نہ

① استخلاف یزید، صفحہ ۶۰۳۔

ان کے کسی ہم نوائے کیا ہے، لیکن وہ یہاں ایک ”کنٹ ججٹی“ پیش کرتے ہیں، جو گویا وی صاحب کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے، وہ لکھتے ہیں:

”زین العابدین اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت توڑنے کا انکار کر کے اعتزال اور سب سے الگ تھلگ رہنے پر اکتفاء فرمایا، نہ بیعت توڑنے والوں سے الجھے، نہ یزید کی حمایت میں شریک جنگ ہوئے، نہ اس کے شام سے آئے ہوئے لشکر میں شریک ہوئے، نہ خلیفہ وقت یزید کی حمایت میں جنگ کے اندر شریک ہوئے، بلکہ ایک طرف کنارے ہو گئے حالانکہ انہوں نے یزید کی طرف منسوب کئے گئے شراب نوشی اور ترک نماز وغیرہ کا الزام صرف جھوٹ و خالص الزام و تہمت سمجھا ہوتا تو ان کی ذمہ داری تو صرف علیحدہ ہو جانے اور ایک طرف کنارے ہو جانے سے وہ شرعی ذمہ داری سے بری نہ ہو جاتے“۔^①

یہاں گویا وی صاحب یہ مغالطہ دینا چاہتے ہیں (اور اکثر یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے) کہ مدینہ میں موجود حضرات نے (بشمول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) اور زین العابدین رضی اللہ عنہ وغیرہ) نے یزید کی بیعت توڑنے سے جو انکار کیا تھا وہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ یزید کو شرابی وغیرہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ صرف جنگ و جدل اور خون ریزی سے بچنا چاہتے تھے، ورنہ وہ یزید کی طرف سے باقاعدہ جنگ میں شریک ہوتے، لیکن انہوں نے ایک طرف غیر جانبدار ہو کر بیٹھ جانا بہتر سمجھا، حالانکہ ان کی شرعی ذمہ داری تھی کہ اگر وہ یزید پر لگائے گئے الزامات کو غلط سمجھتے تو یزید کی حمایت میں نکل کر بیعت توڑنے والوں سے جنگ کرتے۔

① گویا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۲۔

یہ صرف ایک کٹ جتی اور مغالطہ ہی ہے، مندرجہ بالا اقتباس میں ایک تو گیاوی صاحب نے جان بوجھ کر محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لکھا، کیونکہ وہ خود اس روایت کو صحیح لکھ چکے ہیں جس میں ہے کہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے بڑی شد و مد کے ساتھ یزید پر لگائے جانے والے الزامات کو غلط بتایا اور ان کی تردید فرمائی، تو کیا گیاوی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے ان الزامات کو غلط سمجھنے کے باوجود چونکہ یزید کی فوج کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ نہیں لیا اس لیے انہوں نے اپنی ”شرعی ذمہ داری“ پوری نہیں کی تھی؟؟ پھر کیا گیاوی صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور زین العابدین رضی اللہ عنہ نے خود یہ کہا ہو کہ

”سمجھتے تو ہم بھی یزید کو شرابی اور فاسق و فاجر ہی ہیں، لیکن فتنہ اور خون ریزی کے خوف سے ہم اس کے خلاف خروج اور اس کی خلع بیعت کو درست نہیں سمجھتے“؟؟

اگر تو ایسی بات ان حضرات نے کہیں فرمائی ہے تو وہ پیش کی جائے، ورنہ اپنے دماغ سے مفروضے بنا کر ان حضرات کے ذمہ نہ لگائے جائیں، اور پھر آنکھیں کھول کر محدث اعظمی رضی اللہ عنہ کا یہ اقتباس غور سے پڑھیں:

”مہتمم صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر یزید با تفاق صحابہ، فاسق ہوتا تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اس فاسق و فاجر کے ساتھ ساتھ ہرگز لگے نہ رہتے، ہماری عقیدت اس بات کو کسی طرح قبول نہیں کرتی کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی، ایک شرابی، زانی اور بے نمازی امیر کی مجلسوں میں برابر شریک ہوں گے، اس کی طرف سے سفارت کی

خدمت انجام دیں گے اور اس کی طرف سے حمص کے امیر بن کر اس کی حکومت کو قوت پہنچائیں گے۔ اسی طرح ہماری عقیدت اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی کہ ایک شرابی و بے نمازی وزانی کی بیعت توڑنے والوں کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے فقیہ مجتہد، عالم باعمل اور متقی و پاک باز صحابی یہ حدیث سنانے جائیں گے کہ:

”جو امام کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے گا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی“..... ”اور جو اس حال میں مرے کے اس کی گردن میں امام کی بیعت کا قلابہ نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا“۔^① اس موقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس حدیث کو سنانا صریح دلیل اس بات کی ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر نہیں سمجھتے تھے، اگر فاسق و فاجر سمجھتے تو یہ حدیث نہ سنا تے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایسے فاسق کی بیعت توڑ دینا جائز تو ضرور ہے، مگر بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، لہذا یہ اقدام جائز یا مناسب نہیں ہے.....“^②

علاوہ ازیں، گیاوی صاحب فرمائیں کہ بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یزید کی بیعت توڑنے سے منع کرنے والے حضرات نے ایسا صرف ”فتنہ کے خوف اور خون ریزی“ سے بچنے کے لیے کیا تھا، تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات کے نزدیک ایسے حالات میں بھی حاکم کی بیعت توڑنا اور اس کے خلاف خروج اور قتال کرنا درست نہیں تھا؟؟ تو گیاوی صاحب، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی کے

① دیکھو مسلم ۲/۱۲۸

② محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب: صفحہ: ۷۳-۷۵۔

مقابلے میں عبد اللہ بن مطیع کے موقف کو کیوں صحیح اور درست ثابت کرنے پر بضد ہیں؟ جن کی صحابیت بھی مختلف فیہ ہے؟ اور پھر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور زین العابدین و محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کے موقف کی تائید میں اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق بھی ہو چکا کہ حاکم کے فسق کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز نہیں (جس کے حوالے پہلے نقل کیے جا چکے ہیں اور مزید آگے آرہے ہیں)۔

نیز گیاروی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یزید کی بیعت نہ توڑنے والے بلکہ دوسروں کو اس سے سختی کے ساتھ منع کرنے والے ایک طرف غیر جانبدار ہو کر بیٹھ گئے تھے؟ اور انہوں نے بیعت توڑنے والوں کے خلاف حکومتی اقدام کی کسی طرح کی بھی حمایت نہیں کی تھی؟۔

نیز کیا گیاروی صاحب کوئی ایسی مستند روایت پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ عبد اللہ بن مطیع یا ان کے کسی ساتھی نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یا سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی یزید کے شرابی ہونے کا ذکر کیا ہو جس کا ذکر انہوں نے محمد بن حنفیہ کے سامنے کیا؟؟ پھر آپ نے ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ کس بنیاد پر لکھ دیا کہ:

”انہوں نے یزید کی طرف منسوب کئے گئے شراب نوشی اور ترک نماز وغیرہ کا الزام صرف جھوٹ و خالص الزام سمجھا ہوتا تو صرف علیحدہ ہو جانے اور ایک طرف کنارے ہو جانے سے وہ شرعی ذمہ داری سے بری نہ ہو جاتے؟؟“

آپ کو پہلے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یا زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے یزید پر شراب نوشی کا الزام لگایا اور ان حضرات نے اس الزام

کوسن کر خاموشی اختیار کی اور اس کی تردید نہیں کی، اس کے بعد آپ کا یہ سوال قابلِ غور ہوگا۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں کو سمجھانے تشریف لائے تو ان حضرات نے ان کے سامنے یزید کی شراب نوشی والا الزام پیش کرنے کی ہمت ہی نہیں کی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ:

واقعہ حرہ کے وقت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبد اللہ بن مطیع کے پاس تشریف لائے، تو عبد اللہ بن مطیع نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ: ابو عبد الرحمن (یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما) کے لیے تکیہ یا نشست لگاؤ، تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: میں یہاں بیٹھنے کے لیے نہیں آیا، بلکہ میں تم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنانے آیا ہوں کہ آپ نے فرمایا: جس نے (اطاعتِ امیر) سے ہاتھ کھینچ لیا (یعنی بیعت توڑ دی) تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اللہ سے ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی.....

الی آخر الحمد للہ۔ ①

تو جب سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ان حضرات نے یہ شراب نوشی والا الزام دہرایا ہی نہیں تھا اور اگر عبد اللہ بن مطیع کے پاس کوئی مضبوط دلیل ہوتی تو وہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی ضرور بیان کرتے، جبکہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں اتنی سخت حدیثی وعید سنار ہے ہیں، تو پھر یہ مفروضہ کہاں سے نکال لیا گیا کہ انہوں نے خلعِ بیعت سے اس لیے نہیں روکا تھا کہ وہ یزید پر شراب نوشی کے الزام کو غلط سمجھتے تھے؟

① صحیح مسلم: "باب الأَمْرِ بِالزُّوْمِ الْجَمَاعَةِ عِنْدَ ظَهْوَرِ الْفِتَنِ وَتَحْلِيلِ الدَّعَاةِ إِلَى الْكُفْرِ" حدیث نمبر: ۱۸۵۱ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت.

شراب نوشی کی حد سے متعلق سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے

استدلال:

گیادوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳-۳۴ پر یہ بحث شروع کی ہے کہ شرب خمر پر حد کے وجوب کے لیے کیا شرائط و شواہد ہونے کافی ہیں، چنانچہ وہ صحیح بخاری سے ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ:

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: كُنَّا بِحَمَصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ سُورَةَ قَيْسِ بْنِ خَنِيصٍ فَقَالَ رَجُلٌ: مَا هَذَا أَتْرَلْتِ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: أَحْسَنْتِ، وَوَجَدَ مِنْهُ رِيحَ الْخَمْرِ، فَقَالَ: أَتَجْمَعُ أَنْ تُكْذِبَ بِكِتَابِ اللَّهِ وَتَشْرَبَ الْخَمْرَ فَصَرَبَهُ الْحَدَّ"

(ترجمہ از گیادوی صاحب) علقمہ بن قیس نخعی سے روایت ہے کہ ہم لوگ حمص میں تھے، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ قیس بن خنیص کی تلاوت فرمائی، اس پر کسی شخص نے کہا اس طرح یہ سورت نازل نہیں کی گئی، تو عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی اسی طرح پڑھا ہے، تو اس نے کہا: آپ نے صحیح کہا۔ اور آپ نے اس شخص سے شراب کی مہک محسوس کی اور فرمایا: تو اللہ کی کتاب کو جھٹلاتا ہے اور شراب نوشی بھی جمع کرتا ہے، پھر اس پر حد خمر جاری فرمائی۔

پھر اس پر گیادوی صاحب یوں تبصرہ فرماتے ہیں، غور سے پڑھیے:

’دیکھئے سیدنا عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ نے صرف شراب کی مہک پر حد خمر جاری فرمادی، جبکہ شراب پینے کے دیکھنے والے گواہوں کو طلب نہیں

فرمایا، شارحین اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں: ممکن ہے اس شرابی نے پینے کا اعتراف و اقرار کر لیا ہو، اس لئے اس پر حد جاری کر دی گئی، میں (گیادوی صاحب - ناقل) کہتا ہوں کسی صحیح السند روایت سے نہ اس کا اقرار و اعتراف ثابت کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات ثابت کیا جانا آسان ہے، لیکن اگر ثابت بھی ہو جائے تو یہ بات حد جاری کرنے کے لیے ضروری ہوگی، صرف شراب نوشی اور فسق کے لیے اس کی کوئی ضرورت ہرگز نہیں، اس کے فسق کا ثبوت یا اس کے شراب نوش ہونے کے لیے عینی شاہد یا دو گواہوں کا پیش کرنا ہرگز ضروری نہیں ہے، صرف اتنی بات کا ثبوت ایک گواہ یا اس کے منہ سے شراب کی مہک کا پایا جانا بھی کر دے گا، صرف اتنی بات کے لئے مہک کا پانا کافی ہے، عینی شاہد کا ہونا ضروری نہیں، بنا بریں سیدنا عبداللہ بن مطیع کا صاف صاف یہ کہنا کہ ہم نے اگرچہ پیتے دیکھا نہیں ہے مگر یزید کے شراب پینے کا علم ہمارے پاس تحقیقی ہے، یہ بات سیدنا عبداللہ بن مطیع کو شہادت کا حق دیتی ہے، اور اس سے انکار کسی بھی قرآنی آیت کے خلاف نہیں ہے۔^①

قارئین محترم! میں چاہوں گا کہ آپ مندرجہ بالا اقتباس دو بارہ غور سے پڑھیں، اور پھر گیادوی صاحب کے اس فلسفہ کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس سے پہلے کہ میں گیادوی صاحب کے ”مخالطہ“ بلکہ ”تلبیس“ کا جواب دوں، یہاں گیادوی صاحب سے میرے چند سوال ہیں:

سوال نمبر ۱: کیا عبداللہ بن مطیع یا ان کے کسی ساتھی نے یہ گواہی دی تھی کہ ”ہم نے یزید

① دیکھیں: گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۴-۳۵

کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے؟“ اگر ایسی کوئی بات کہی تھی تو حوالہ دیں، اور اگر نہیں کہی تھی تو پھر آپ جیسے عالم اور مناظر کو اس ”مہک“ والی روایت پر قیاس کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے تھا کہ آپ قیاس مع الفارق کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سوال نمبر ۲: کیا گیادی صاحب کے پاس کوئی ایک عینی گواہ ہی موجود ہے جس نے یہ گواہی دی ہو کہ ”میں نے یزید کو شراب پیتے دیکھا ہے؟“ تاکہ ان کے اس فلسفہ پر غور کیا جائے کہ ”کسی کے شرابی ہونے کا ثبوت صرف ایک گواہ یا مہک کا پایا جانا ہی کر دے گا۔“

سوال نمبر ۳: آپ نے لکھا کہ کسی کے شراب نوش یا فاسق ہونے کے لیے عینی شاہد یا دو گواہوں کا پیش کرنا ہرگز ضروری نہیں، تو میرا سوال ہے کہ وضاحت فرمائیں کہ ایک شخص کسی پر الزام لگائے کہ ”یہ شراب پیتا ہے“، لیکن نہ کوئی عینی گواہ پیش کر سکے اور خود بھی یہ اعتراف کرے کہ میں نے بھی اسے شراب پیتے نہیں دیکھا بلکہ مجھے کہیں اور سے پتہ چلا ہے، یا لوگوں میں یہ بات مشہور ہے، تو آپ کے بقول اس صورت میں ملزم پر شرب خمر کی حد تو نہیں لگے گی، لیکن یہ فرمائیں کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے وہ اس الزام لگانے والے پر ”حد قذف“ لگانے کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس پر حد قذف لگے گی یا نہیں؟ اگر لگے گی تو کیوں؟ اور اگر آپ کے نزدیک اس پر حد قذف نہیں لگائی جاسکتی تو اس کی دلیل دیں۔

سوال نمبر ۴: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ کسی پر شراب نوشی یا کسی اور گناہ کبیرہ کا الزام لگانے والا صرف یہ کہہ دے کہ ”اگرچہ میرے پاس کوئی عینی شہادت نہیں، نہ ہی

میں نے اسے ایسا کرتے دیکھا ہے، لیکن میرے پاس اس بات کا تحقیقی علم ہے کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے، (اور اس تحقیقی علم کا ذریعہ بھی نہ بتایا جائے) تو اس شخص کی یہ گواہی شرعاً معتبر سمجھی جائے گی۔ اور ایسی گواہی پر ملزم کو شرابی سمجھا جائے گا۔

بینوا تو جروا۔

سوال نمبر ۵: گیاوی صاحب بطور ایک حنفی عالم، اپنا مذہب و مسلک صاف صاف بتائیں کہ ان کے نزدیک کیا صرف ”مہک“ محسوس ہونے سے شرب خمر کی حد لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا وہ صحیح بخاری کی اس روایت کو نہیں مانتے؟۔

سوال نمبر ۶: اگر کسی کو شرابی ثابت کرنے کے لیے دو عینی گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ ایک گواہ یا مہک کا پایا جانا ہی کافی ہے، تو گیاوی صاحب فرمائیں کہ ہم نے پہلے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ پر سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے زنا کی گواہی کا واقعہ باحوالہ نقل کیا ہے، اس واقعہ میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زنا کی حد اس لیے نہیں لگائی تھی کہ گواہی کا نصاب پورا نہ تھا، لیکن ایک گواہ جو کہ صحابی بھی ہیں یعنی سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ، وہ اپنی گواہی پر مصر رہے تھے، اور ان پر حد قذف جاری کی گئی تھی، تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کا زنا کرنا تو ثابت ہو گیا، البتہ حد لگنے کے لیے جو گواہی ضروری تھی وہ پوری نہ ہوئی؟ کیا فرماتے ہیں گیاوی صاحب؟

اب ہم آتے ہیں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تحقیق کی طرف جو گیاوی صاحب نے یہاں بلاوجہ اور بغیر کسی تعلق کے پیش کی ہے، کیونکہ ہمارے زیر بحث موضوع میں کسی نے یہ بات ہی نہیں کہ ”میں نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے“، لیکن گیاوی صاحب دوبارہ لکھتے ہیں:

”صرف مہک ملنا بھی شراب نوشی ثابت کر دیتا ہے“۔

یہی بات بخاری کی روایت میں عبداللہ بن مسعود سے اور اس روایت کی تشریح میں شارحین بخاری بھی فرما رہے ہیں، علامہ بدرالدین عینی، عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

”اقرار اور شہادت ثابت کرنے میں مجھے کلام ہے ان کے الفاظ ہیں:

فِيهَا نَظَرٌ لِأَنَّ الْمَنْقُولَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يَرَى وَجُوبَ الْخُدِّ بِمَجْرَدِ
وَجُودِ الزَّايْحَةِ... وَقَدْ قَالَ بِهِ مَالِكٌ وَأَصْحَابُهُ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَهْلِ
الْحِجَازِ“^①

”امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت صرف شراب کی مہک پانے
جانے پر حد واجب کرنے کی قائل ہے“۔

گیاوی صاحب کی علمی خیانت:

قارئین محترم! ہمارا یہ عنوان آپ کو بظاہر سخت لگے گا، لیکن علامہ عینی کی محولہ بالا عبارت نقل کرنے میں گیاوی صاحب نے ایک بہت بڑی علمی خیانت کی ہے اور اس عبارت سے وہ بات ثابت کرنا چاہی ہے جو علامہ عینی کی بات کے بالکل خلاف بلکہ ضد ہے، ہم یہاں ”علمی خیانت“ کا لفظ نہ لکھتے لیکن کیا کریں، خود گیاوی صاحب نے محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنی کتاب میں ”مولانا عظمیٰ کی علمی خیانت“، ”مولانا عظمیٰ کی ناشائستہ تحریر“، ”مولانا عظمیٰ کا علمی معالطہ“، ”مولانا عظمیٰ اور بے جا جرأت مندانه تحریر“، ”مولانا عظمیٰ کی غفلت“ جیسے عناوین باندھے ہیں (گیاوی صاحب کی کتاب کی فہرست عناوین دیکھ لی جائے)، تو عرض ہے کہ علامہ عینی کی ”عمدۃ القاری“ سے گیاوی صاحب نے جو عبارت پیش کی ہے، اس میں انہوں نے ”بِمَجْرَدِ“^① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵۔

وجود الزائحة کے بعد نقطے (.....) لگائے ہیں اور پھر اگلی عبارت "وَقَدْ قَالَ بِهِ مَالِكٌ وَأَصْحَابُهُ..." کے الفاظ نقل کیے ہیں اور یہ تاثر دیا ہے کہ جیسے یہ تمام بات علامہ عینی کی ہی ہے جبکہ ایسا نہیں ہے، ہم آپ کے سامنے مکمل عبارت رکھتے ہیں:

وَقَوْلِ التَّوَوِي: عَلِيٌّ أَنَّ الرَّجُلَ اغْتَرَفَ بِشَرِبِهَا بِلَا عَذْرٍ وَإِلَّا فَلَا يَحْدُ بِمَنْجَرٍ دَرِيحَهَا فِيهَا نَظَرٌ لِأَنَّ الْمَنْقُولَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يَرَى وَجُوبَ الْخَدِّ بِمَنْجَرٍ دُوْجُودِ الزَّائِحَةِ وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ: فِي الْحَدِيثِ حِجَّةٌ عَلِيٌّ مِنْ يَمْنَعُ وَجُوبَ الْخَدِّ بِالرَّائِحَةِ كَالْحَنِيفَةِ، وَقَدْ قَالَ بِهِ مَالِكٌ وَأَصْحَابُهُ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ ①-

اور نووی کا (عبداللہ بن مسعود کی اس روایت کے بارے میں) یہ کہنا کہ اس آدمی نے شراب پینے کا بلا عذر اعتراف کر لیا تھا وگرنہ صرف مہک سے حد جاری نہیں ہوتی، تو (نووی کی اس بات میں نظر ہے) کیونکہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ ان کی رائے میں صرف مہک پائے جانے سے حد واجب ہو جاتی تھی۔ اور قرطبی نے کہا ہے کہ (دیکھیں یہاں سے قرطبی کی بات شروع ہو رہی ہے۔ ناقل): اس حدیث میں ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صرف مہک پائے جانے سے حد واجب نہیں ہوتی جیسا کہ حنفی مسلک والے کہتے ہیں، جبکہ امام مالک، ان کے اصحاب اور اہل حجاز کی ایک جماعت اس کے قائل ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں، کیسے گیاوی صاحب نے عبارت کے درمیان میں (.....) لگا کر عبارت کا درمیان والا ٹکڑا حذف کر دیا تاکہ کوئی گیاوی صاحب سے یہ نہ پوچھ لے کہ

① عمدة القاری، جلد ۲۰ صفحہ ۷۷ طبع دار الکتب العلمیة بیروت.

اس بارے میں احناف کا کیا مسلک ہے، نیز انہوں نے ”قرطبی“ کی بات کو بھی علامہ عینی کی بات بنا کر پیش کیا۔

نوٹ: خود گیاوی صاحب نے ایسی ہی ایک تعریض محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی کی ہے کہ انہوں نے علامہ ذہبی کی ”المنقذی“ میں لکھی ایک عبارت کو حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔^①

صرف یہی نہیں، بلکہ گیاوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی کے مطابق اس بات میں کلام ہے کہ اس شخص نے اقرار و اعتراف کر لیا تھا..... لیکن گیاوی صاحب نے علامہ عینی کی اس سے متصل آگے آنے والی عبارت جان بوجھ کر ذکر نہیں کی جس سے ان کے دعوے کی تردید یہیں پر موجود ہے، علامہ عینی نے قرطبی کی بات کا جواب بھی دیا ہے اور کیا لکھتے ہیں، غور سے پڑھیں:

”وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ: فِي الْحَدِيثِ حَبَّةُ عَلِيٍّ مِنْ يَمْنَعٍ وَجُوبُ الْخُدَّ بِالرَّائِحَةِ كَالْحَنِيفَةِ، وَقَدْ قَالَ بِهِ مَالِكٌ وَأَصْحَابُهُ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ. قُلْتُ: لَا حَبَّةَ عَلَيْهِمْ فِيهِ لِأَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ مَا حَدَّ الرَّجُلُ إِلَّا بِاعْتِرَافِهِ، لِأَنَّ نَفْسَ الزَّرِيحِ لَيْسَ بِقَطْعِيٍّ الدَّلَالَةُ عَلَى شَرْبِ الْخَمْرِ لِاحْتِمَالِ الْإِشْتِبَاهِ أَلَا يَرَى أَنَّ زَائِحَةَ السَّفَرِ جَلَّ الْمَأْكُولِ يَشْبَهُ زَائِحَةَ الْخَمْرِ، فَلَا يَبِيتُ إِلَّا بِشَهَادَةِ أَوْ بِاعْتِرَافٍ“

قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان کے خلاف دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ (شراب کی) مہک آنے کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوگی جیسے کہ احناف کا مسلک ہے، جبکہ امام مالک، ان کے اصحاب اور اہل حجاز کی ایک جماعت

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۳.

اس کے قائل ہیں۔ میں (یعنی علامہ عینی) کہتا ہوں: اس میں ان (یعنی احناف) کے خلاف کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آدمی پر حد نہیں لگائی تھی مگر اس کے اعتراف کے بعد، کیونکہ صرف مہک آنا شراب نوشی کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس میں اشتباہ ہو سکتا ہے، کیا کھائے جانے والے سفرجل (ایک قسم کا پھل ہے ناقل) کی مہک شراب کی مہک جیسی نہیں ہوتی؟ (تو ممکن ہے کہ کسی کے منہ سے شراب کی مہک جیسی مہک آ رہی ہو لیکن اس نے شراب نہ پی ہو بلکہ سفرجل کھایا ہو ناقل) پس شراب نوشی نہیں ثابت ہوگی مگر شہادت یا اعتراف و اقرار کے ساتھ۔

ملاحظہ فرمائیں! علامہ عینی تو علامہ قرطبی کی طرف سے احناف کے خلاف پیش کردہ استدلال کا جواب دے رہے ہیں اور صاف لکھ رہے ہیں کہ

”ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آدمی پر اس کے اعتراف کے بعد ہی حد لگائی تھی۔“

اور پھر لکھ رہے ہیں کہ

”شراب نوشی کا ثبوت شہادت یا اعتراف سے ہی ہوگا۔“

اب گیاوی صاحب فرمائیں کہ وہ علامہ عینی کی طرف سے علامہ قرطبی کو دیے گئے اس جواب سے متفق ہیں یا نہیں؟ کیونکہ علامہ عینی کو تو آپ ہی نے اپنے حق میں پیش کیا ہے اور آپ نے ان کی طرف یہ بات منسوب کی کہ

”علامہ بدرالدین عینی عمدة القاری میں لکھتے ہیں کہ اقرار اور شہادت

ثابت کرنے میں مجھے کلام ہے۔“^①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵.

جبکہ آپ کی پیش کردہ (ناقص) عبارت سے چند ہی سطریں بعد علامہ قرطبی کے جواب میں علامہ عینی صاف لکھ رہے ہیں کہ:

قلت: لَا حِجَّةَ عَلَيْهِمْ فِيهِ لِأَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ مَا حَدَّثَ الرَّجُلَ إِلَّا بِاعْتِرَافِهِ"

میں کہتا ہوں کہ اس روایت میں احناف کے خلاف کوئی حجت نہیں کیوں کہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آدمی پر حد اس کے اعتراف کے بعد ہی لگائی تھی۔

اور پھر علامہ عینی نے صرف مہک کی بناء پر شرب خمر کے اثبات کا رد بھی کیا ہے۔

گیاوی صاحب کے مقالے

جیسا کہ معلوم ہوا، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے گیاوی صاحب کے استدلال کا مقصد اور غرض و غایت صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ کسی پر شراب خمر کا الزام ثابت کرنے کے لئے عینی شہادت کا ہونا ضروری نہیں، وہ اس طرح اس حقیقت سے جان چھڑانا چاہتے ہیں کہ یزید پر شراب خوری اور حرام کاری جیسے الزامات کو ثابت کرنے کے لیے ایک بھی شرعی شہادت کا کہیں بھی وجود نہیں، لیکن انہیں یزید کو شرابی اور حرام کار ثابت بھی کرنا ہے، تو وہ یہ دُور کی کوڑی ڈھونڈھ کر لائے، اب گیاوی صاحب کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں اور ان کی تحقیق کی داد دیں، لکھتے ہیں:

”امام مالک اور نیز اہل حجاز کی ایک جماعت صرف شراب کی مہک پائے جانے پر حد واجب کرنے کی قائل ہے، پس عبداللہ بن مطیع اور دیگر یزیدی بیعت توڑنے والے ساتھی اہل حجاز ہیں، اور اہل حجاز کی ایک جماعت امام مالک سمیت شراب کی مہک ملنے پر حد واجب کرتی ہے، فسق یزید بھی ان کے نزدیک ثابت ہوگا اس لئے اس موقع پر چشم دید گواہوں کا مطالبہ کرنا صحابہ کو (صحابہ نہیں، بلکہ صرف ایک مختلف فیہ صحابی عبداللہ بن مطیع کو ناقص) حنفی مسلک کا پابند بنانا ہے جو ایک طرح کی جہالت اور ظالمانہ کاروائی سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہاں سے عبداللہ بن مطیع کا محمد بن حنفیہ پر علمی تفوق اور برتری بالکل واضح ہوگئی، اور تمام اشکالات رفع ہو گئے اور بالا جماع یہ معلوم ہو گیا کہ وجوب حد اور ”ثبوت فسق“ (کس

چالاکی سے یہاں ”شرب خمر“ کے بجائے ثبوت فسق کا لفظ لکھا گیا، غور فرمائیں ناقل (دوا لگ الگ چیزیں ہیں، اور بات وجوب حد کے لیے کافی نہ ہو تو وہ ثبوت فسق کے لیے کافی ہو سکتی ہے“۔^①

ہمیں نہایت افسوس سے یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ مولانا گیادوی صاحب کی یہ عبارت ایک نہیں بلکہ بہت سے مغالطوں پر مشتمل ہے، ہم نمبر وار ان کا ذکر کرتے ہیں:

مغالطہ نمبر ۱:

گیادوی صاحب دلیل یہ دے رہے ہیں کہ امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت صرف شراب کی مہک پائے جانے پر حد واجب کرنے کی قائل ہے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت کے نزدیک صرف شراب کی مہک پائے جانے سے شرب خمر کا یقینی ثبوت ہو جاتا ہے، اگر مہک بھی نہ پائی جائے اور گواہ بھی نہ ہوں تو شرب خمر کا ثبوت ہی نہیں ہوگا)، اور پھر گیادوی صاحب صریح مغالطہ دے رہے ہیں کہ چونکہ عبد اللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی بھی اہل حجاز ہیں (اگرچہ وہ امام مالک سے پہلے کے ہیں) اس لیے ان کی بات سے یزید پر شرب خمر کا ثبوت ہو جائے گا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عبد اللہ بن مطیع وغیرہ نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ”ہمارے پاس کوئی گواہ تو نہیں، لیکن ہم نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک محسوس کی ہے“، کیا گیادوی صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ عبد اللہ بن مطیع نے شراب کی مہک پائے جانے کا کہیں کوئی بیان دیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے عبد اللہ بن مطیع کی سنی سنائی بات کو اس پر قیاس کرنا کہاں کا انصاف ہے؟، کیا امام مالک اور اہل حجاز کا یہ مسلک بھی تھا کہ کسی کا کسی کے بارے میں بھی یہ کہہ دینا کہ ”ہم

① گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵

نے سنا ہے کہ وہ شرابی ہے، اور ہمارے خیال میں یہ بات درست ہے،“ بھی کسی پر شرب خمر اور حد کو واجب کر دیتا ہے؟۔ ہمیں گیاوی صاحب جیسے مناظر سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ”دعویٰ“ اور ”دلیل“ میں مطابقت اور عدم مطابقت سے اتنے ناواقف ہیں۔

مغالطہ نمبر ۲:

چونکہ گیاوی صاحب کو اچھی طرح علم تھا کہ، صرف مہک پائے جانے سے شرب خمر کا ثبوت، احناف کے نزدیک نہیں ہوتا، (اور گیاوی صاحب خود بھی نہ صرف حنفی ہیں بلکہ حنفی مناظر ہیں) تو متوقع سوال سے بچنے کے لیے انہوں نے حفظ ما تقدم کے طور پر یہ لکھ دیا کہ:

”اس موقع پر چشم دید گواہوں کا مطالبہ کرنا صحابہ کو حنفی مسلک کا پابند بنانا ہے جو ایک طرح کی جہالت اور ظالمانہ کاروائی سے کسی طرح کم نہیں ہے۔“

یہاں گیاوی صاحب نے دوسری بار وہی مغالطہ دیا ہے کہ جیسے عبداللہ بن مطیع نے یہ کہا تھا کہ ”ہمارے پاس چشم دید گواہ تو کوئی نہیں، لیکن ہم نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے“، جبکہ عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے کہیں بھی مہک وغیرہ کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا، نیز یہاں گیاوی صاحب نے لفظ ”صحابہ“ (جمع) لکھا ہے، جبکہ جو روایت بحوالہ حافظ ابن کثیر اور علامہ ذہبی انہوں نے پیش کی ہے اس میں محمد بن حنفیہ کے ساتھ بات چیت کرنے والوں میں صرف ایک مختلف فیہ صحابی ”عبداللہ بن مطیع“ کا ہی ذکر ہے، کسی دوسرے صحابی کا اشارہ تک نہیں۔ نیز یہاں ایک تو گیاوی صاحب نے یہ تسلیم کر لیا کہ چونکہ یزید کی شراب نوشی پر کوئی عینی شہادت موجود نہیں، اس لیے حنفی

مسک میں اس پر یہ جرم ثابت نہیں ہو سکتا، اور میں کہتا ہوں کہ چونکہ اس کے خلاف ”شراب کی مہک پائے جانے“ کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں، اس لیے امام مالک اور اہل حجاز کی ایک جماعت کے (گیادوی صاحب کے بتائے ہوئے) مسک کے مطابق بھی اس پر یہ جرم ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر گیادوی صاحب اب کوئی مسک ایسا سامنے لائیں جو یہ کہے کہ

”چاہے کسی کے منہ سے شراب کی مہک تک نہ محسوس ہوئی ہو، اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی چشم دید گواہ ہو، لیکن کوئی بھی یہ کہہ دے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے“۔

تو بھی اس پر شراب نوشی کا الزام ثابت ہو جائے گا، تو ہم اس مسک پر غور کر سکتے ہیں۔ گیادوی صاحب اپنی تحقیق کے گھوڑے دوڑائیں، شاید ایسا بھی کوئی فقہی مسک وہ ڈھونڈھ نکالیں۔

واضح رہے کہ گیادوی صاحب نے یہاں اپنے ہی مسک کے خلاف ایک خطرناک بات لکھی ہے کہ

”اس موقع پر چشم دید گواہوں کا مطالبہ کرنا صحابہ کو حنفی مسک کا پابند بنانا ہے جو ایک طرح کی جہالت اور ظالمانہ کاروائی سے کسی طرح کم نہیں ہے“،

یعنی وہ یہ بتا رہے ہیں کہ ان کا اپنا حنفی مسک ”صحابہ“ کے قول و عمل کے خلاف ہے، اس طرح کے مزید دو تین اور وکیل احناف کو مل جائیں تو مخالفین کو احناف کے خلاف کچھ کہنے لکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔

مغالطہ نمبر ۳:

گیا وی صاحب نے ایک مغالطہ یہ دیا ہے کہ:

”کسی پر شراب نوشی کی حد جاری کرنے کے لیے ثبوت الگ چیز ہے اور اس کے مطلقاً شرابی ہونے کے لیے ثبوت الگ چیز ہے“،

وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ملزم کا اعتراف یا شریعت کے ضابطہ کے مطابق چشم دید گواہوں کا ہونا یا گیا وی صاحب کے پیش کردہ اس استدلال کی روشنی میں شراب کی مہک کا پایا جانا، یہ سب چیزیں ملزم پر حد جاری کرنے کے لیے ضروری ہیں، اور جہاں تک تعلق ہے اس کے شرابی ثابت ہونے کا تو وہ محض کسی کے بھی یہ کہہ دینے سے بھی ہو جائے گا کہ ”ہمارے پاس نہ کوئی چشم دید گواہ ہے، نہ ہی ملزم کا اپنا اعتراف ہے اور نہ ہی شراب کی مہک پائے جانے کی کوئی دلیل ہے، لیکن چونکہ ہم نے سنا ہے کہ وہ شرابی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ یہ بات درست ہے لہذا اسے شرابی مانا جائے“۔ یا للعجب!، اگر اس سے کسی کا مجرم ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو اس بناء پر حد کیوں نہیں لگ سکتی؟ نیز پھر گیا وی صاحب ذرا ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ شریعت میں حد قذف نای جو چیز ہے وہ کیا ہے؟ اور کیوں لگائی جاتی ہے؟ اور کسی پر تہمت لگانا کسے کہتے ہیں؟۔ بینوا تو جروا۔

مغالطہ نمبر ۴:

پھر گیا وی صاحب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی بھی مکمل تفصیل بیان نہیں کی، یا یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فقہ مالکی کی کتب دیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی، اور یہ باور کر لیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر کسی ایک آدمی نے بھی کسی کے منہ سے شراب کی مہک سونگھ لی تو اس سے حد واجب ہو جائے گی، جبکہ فقہاء مالکیہ کی کتب میں یہ

بات اس طرح لکھی ہوئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

فَصْلٌ: وَأَمَّا بِمَاذَا يَبْثُ هَذَا الْحَدُّ، فَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ يَبْثُ بِالِإِفْرَارِ
وَبِشَهَادَةِ عَدْلَيْنِ۔ وَاخْتَلَفُوا فِي ثُبُوتِهِ بِالزَّائِحَةِ، فَقَالَ مَالِكٌ وَأَصْحَابُهُ
وَجُمْهُورُ أَهْلِ الْحِجَازِ: يَجِبُ الْحَدُّ بِالزَّائِحَةِ إِذَا شَهِدَ بِهَا عِنْدَ الْحَاكِمِ
شَاهِدَانِ عَدْلَانِ۔ وَخَالَفَهُ فِي ذَلِكَ الشَّافِعِيُّ، وَأَبُو حَنِيفَةَ وَجُمْهُورُ أَهْلِ
الْعِرَاقِ، وَطَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَجُمْهُورُ عُلَمَاءِ الْبَصْرَةِ فَقَالُوا: لَا يَبْثُ
الْحَدُّ بِالزَّائِحَةِ" ①

منہوم: یہ حد (یعنی شراب نوشی کی حد) کس چیز سے ثابت ہوتی ہے؟ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ اقرار اور دو عادل گواہوں سے شہادت سے ثابت ہوتی ہے، ہاں مہک سے ثابت ہونے میں اختلاف ہے، امام مالک اور جمہور اہل حجاز کا قول ہے کہ حد، مہک سے بھی واجب ہو جاتی ہے اگر حاکم کے سامنے اس بات کی گواہی دو عادل گواہ دیدیں تو، جبکہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ، جمہور اہل عراق اور اہل حجاز کی ایک جماعت نیز بصرہ کے جمہور علماء نے اس بات سے اختلاف کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ مہک (یا اس کی گواہی ناقل) سے حد واجب نہیں ہوتی۔

تو معلوم ہوا کہ صرف مہک سے حد کا وجوب امام مالک کے نزدیک بھی اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کم از کم دو عادل گواہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ ”ہم نے اس شخص کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے“، یعنی دار و مدار یہاں بھی گواہوں کی

① بداية المجتهد ونهاية المقتصد لابن رشد الحفيد، ج ۴ ص ۲۲۷ باب في شرب الخمر، طبع دار الحديث القاهرة.

گواہی پر ہی ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک کسی کے منہ سے صرف شراب کی مہک سونگھنے کی گواہی کی بنیاد پر حد واجب نہیں ہوتی، جب تک اس بات کی صریح گواہی نہ ہو کہ ”ہم نے اسے شراب پیتے دیکھا ہے“، تو گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ انہوں نے خواستخواہ یہ بحث یہاں چھیڑ دی جبکہ ان کے پاس یزید کے منہ سے شراب کی مہک آنے پر بھی کوئی گواہی موجود نہ تھی اور نہ وہ ایسی کوئی گواہی پیش کر سکتے ہیں، اور نہ ہی انہیں اس بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی مکمل معلومات تھیں۔

قارئین محترم! گیاوی صاحب نے اپنی اس کتاب میں جا بجا ایک اور مغالطہ بھی دیا ہے اور جذبات کے ساتھ کھیل کر اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ جھوٹے، کذاب اور وضاع راویوں کی روایات سے استدلال کرتے ہیں، یا پھر منقطع الاسناد روایات پیش کرتے ہیں، اور پھر ان باطل اور جھوٹی روایتوں کی بنیاد پر اپنا موقف صحیح فرض کر کے ایسے الفاظ لکھتے ہیں کہ:

”مولانا عظمیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو عبد اللہ بن مطیع رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مزید کئی دیگر صحابہ کے بارے میں محمد بن حنفیہ کی طرف تکذیب کی نسبت کرتے ہوئے جرأت کیسے ہوئی؟ اور صحابہ کی طرف غلط بیانی اور جھوٹ بولنے کا الزام رکھتے وقت مولانا عظمیٰ کی غیرت ایمانی اور عقیدہ صحابہ کا جذبہ کہاں چلا گیا تھا، اگر اس واقعہ میں صرف عبد اللہ بن مطیع ایک ہی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو کہا جاسکتا تھا وہ صحابی نہیں تھے، لیکن اگر صحابی ہونے سے ان کے انکار بھی کر دیا جائے تو بھی بالاتفاق وہ ایک تابعی اور ثقہ راوی تو ہیں ہی، پھر جھوٹ بولنے والا شخص جس کی محمد بن حنفیہ جیسا عالم ربانی تکذیب کرتا ہو وہ کسی طرح بھی مسلم شریف جیسی کتاب میں راوی بننے کا اہل باقی رہ جائے

گا؟ جبکہ عبد اللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ مسلم شریف کے راویوں میں بالاتفاق شامل ہیں اور اس موقع پر ان کے ساتھ صحابہ میں بھی متعدد صحابہ موجود ہیں اور وہ سب بھی اس غلط بیانی اور کذب بیانی میں شریک ہیں؟ مولانا اعظمی نے جرأت اور بے باکی کے ساتھ تکذیب کر ڈالی اور محمد بن حنفیہ کے سراسر تکذیب کو ڈال دیا ہے.....^①

ہم نے گیاوی صاحب کا یہ طویل اقتباس صرف یہ بتانے کے لیے نقل کیا ہے تاکہ یہ واضح کیا جاسکے کہ وہ کیسے ”صحابی صحابی“ کا نعرہ لگا کر اس بات سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں کہ اسلام کا قانون شہادت صحابی اور غیر صحابی سب کے لیے برابر ہے، اگر کسی صحابی کو (جب کہ عبد اللہ بن مطیع کی صحابیت بھی مختلف فیہ ہے) کسی معاملے میں غلط فہمی ہوگئی اور شریعت کا قانون و ضابطہ اس غلط فہمی کو درست ثابت نہ کرتا ہو تو اس غلط فہمی کو غلط فہمی ہی کہا جائے گا، قرآن و سنت میں ہرگز ایسی کوئی استثنا نہیں کہ اگر کسی صحابی کو کوئی غلط فہمی لگ گئی تو اس بات کو ہر صورت درست سمجھنا ضروری ہے، اور مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل درست لکھا ہے کہ محمد بن حنفیہ نے سیدنا عبد اللہ بن مطیع کی اس بات کی اصول شہادت کی بنیاد پر تغلیط کی تھی، جو کہ خود گیاوی صاحب کی پیش کردہ (ان کے بقول صحیح) روایت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور سیدنا عبد اللہ بن مطیع نے بھی خود واضح طور پر یہ اقرار کیا تھا کہ ”ہم نے خود ایسا نہیں دیکھا“، کیا گیاوی صاحب یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ”محمد بن حنفیہ نے عبد اللہ بن مطیع کی بات کی تغلیط و تردید نہیں کی تھی“؟ ہمت کریں، کیا وہ یہ لکھ سکتے ہیں کہ ”محمد بن حنفیہ نے عبد اللہ بن مطیع کی بات کی تصدیق کی تھی“؟ اگر تصدیق نہیں کی تھی اور خاموش بھی نہیں رہے تھے تو کیا کیا تھا؟

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۱-۳۲.

”مکذیب“ یا کچھ اور؟، اور ہاں ”مکذیب“ کا یہاں صرف اتنا مطلب ہے کہ محمد بن حنفیہ نے عبداللہ بن مطیع کی اس بات کو اصول شہادت کی رو سے درست نہیں سمجھا تھا، یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ ”آپ جھوٹ بول رہے ہیں“ رہا عبداللہ بن مطیع کا اپنا خیال، تو وہ جو بھی ہو ان کی حد تک ہی رہے گا، اس کی بنیاد پر کسی پر شرابی کا حکم نہیں لگ سکتا تھا اور اسلام کے قانون شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ گواہی کسی کو شرابی ثابت کرنے کے لیے ہرگز کافی نہیں تھی۔

باقی یہ محض گیاوی صاحب کی سینہ زوری اور مغالطہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ
 ”اس موقع پر (یعنی محمد بن حنفیہ کے ساتھ اس مناظرہ و مباحثہ کے وقت)
 عبداللہ بن مطیع کے ساتھ اور بھی متعدد صحابہ موجود تھے۔“

جبکہ گیاوی صاحب نے جو بزم خود اکلوتی صحیح روایت پیش کی ہے اس میں تو عبداللہ بن مطیع کے ساتھ کسی ایک صحابی کا بھی ذکر نہیں، گیاوی ثابت کبھی بھی ان متعدد صحابہ کے نام ہمیں نہیں بتا سکتے۔ ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین۔

اور اگر گیاوی صاحب اپنی مناظرانہ عادت سے مجبور ہیں کہ وہ اپنی طرف سے مفروضے بنا کر پیش کریں اور پھر ان کا اصرار ہو کہ ان مفروضوں کو دلیل سمجھ لیا جائے تو اس کے جواب میں اصولی طور پر ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ عبداللہ بن مطیع کی محمد بن حنفیہ کے ساتھ بات چیت والی اس روایت کی مکمل سند (حافظ ابن کثیر اور علامہ ذہبی سے مدائنی تک والا حصہ بھی) سامنے لائیں، یا اس مصدر کے بارے میں ہمیں بتائیں جہاں سے حافظ ابن کثیر اور علامہ ذہبی نے مدائنی کی یہ روایت لی ہے، پھر ہم دیکھیں گے کہ آیا عبداللہ بن مطیع نے یہ بات کی بھی تھی یا نہیں؟۔ بات اصول پر ہوگی، نہ کہ جذبات کی بنیاد پر۔ یا آپ کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابی سیدنا ابوبکرہ

ﷺ پر حدتدف غلط لگائی تھی (جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں)۔

گیادوی صاحب کے پیش کردہ مزید دلائل و شواہد کا جائزہ:

اس کے بعد گیادوی صاحب نے ”فسق یزید پر مزید دلائل و شواہد“ کا عنوان باندھا ہے۔^① یوں ”شراب نوشی“ کے الزام سے ایک دم فسق کی طرف رخ کیا ہے، اور پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارات اور آراء ذکر کی ہیں، اس کے بعد ایک دم واقعہ حرہ کی طرف چلے گئے ہیں۔

چونکہ گیادوی صاحب اپنی طرف سے محدث اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب کا ”علمی محاسبہ“ کر رہے ہیں، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ یزید کی ”شراب نوشی“ اور ”فسق“ پر ہم صرف اصولی بحث کرنے کے پابند ہیں، یزید کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے کسی عالم یا مورخ کی ذاتی رائے سر آنکھوں پر لیکن اس کی حیثیت ان کی ذاتی رائے سے زیادہ کچھ نہیں، شریعت نے کسی بھی مسلمان پر ”فسق و فجور“ یا ”شراب نوشی“ یا ”حرام کاری“ وغیرہ جیسے الزامات کے اثبات کے لیے ایک ضابطہ اور قانون مقرر کیا ہوا ہے، ہمیں صرف اسی اصول و ضابطہ کی بنیاد پر ہی فیصلہ کرنا ہے، لہذا محدث اعظمی رحمہ اللہ نے اپنے تبصرہ کے خلاصہ مباحث میں جو لکھا ہے وہ ذہن میں ہر دم رہنا ضروری ہے، اور ان کی یہ بات اگر غلط ہے تو اسے دلیل کے ساتھ غلط ثابت کرنا چاہئے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”یزید کافر و مرتد نہیں تھا، بلکہ اس کے فسق کا بھی کوئی لائق اعتماد ثبوت نہیں ہے، علماء اسلام نے اس کے مسلمان ہونے کی تصریح کی ہے، اور کسی مسلمان کو بلا ثبوت و دلیل فاسق کہنا جائز نہیں ہے، کوئی شہرت جو عینی

① دیکھیں: صفحہ ۶۳

شاہدوں کی شہادت پر مبنی نہ ہو لائق اعتماد و حجت نہیں ہے۔“^①

نیز اسی جگہ لکھتے ہیں:

”عقیدہ فسق یزید کا تعلق سنیت سے نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک علمی تحقیق کی ہے، اگر کسی عالم کے نزدیک شرعی قواعد کے ماتحت اس کا فسق ثابت ہو، اور وہ اس کو فاسق ماننا ہو تو وہ بھی سنی ہے، اور کسی عالم کے نزدیک ان قواعد کی رُو سے اس کا فسق ثابت نہ ہوتا ہو، اس لئے وہ اس کو فاسق نہ ماننا ہو تو وہ بھی سنی ہے۔“^②

لہذا یہاں اس بحث کی کوئی اہمیت نہیں کہ یزید کے زمانہ کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے کسی عالم یا مؤرخ نے اس کے بارے میں کیا لکھا ہے، اور پھر اس طرح کی کتابیں لکھی جائیں کہ ”یزید علماء کی نظر میں“، بلکہ اہم یہ ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق یہ دیکھا جائے کہ جو الزام اس پر لگائے جاتے ہیں ان کا قطعی، یقینی اور اصول شریعت کی رُو سے کوئی قابل اعتماد ثبوت بھی ہے یا نہیں۔

جیسا کہ بیان ہوا، گیاوی صاحب نے یزید کے فسق کو ثابت کرنے کے لیے اب واقعہ حرہ کی طرف رخ کیا ہے، اور ان کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یزید کے حکم سے مدینہ کے ان لوگوں کے خلاف (جنہوں نے اسلامی سلطنت کے مسلمان حاکم کی بیعت توڑ کر اپنے میں سے کچھ لوگوں کی بیعت کی اور پھر حاکم کے خلاف مسلح خروج کیا) کاروائی کا حکم دیا تھا اور ان کی اس شورش کو کچلنے کے لیے لشکر بھیجا تھا اور اس میں بقول گیاوی صاحب، چونکہ صحابہ کا قتل بھی ہوا تھا اور صحابی کا قتل فسق ہے لہذا اس کا یہ عمل فسق تھا، یعنی گیاوی صاحب یہ تسلیم کر گئے کہ یزید ”فاسق“ واقعہ حرہ

①② محدث اعظمی کا تبصرہ، ص ۱۰۹، طبع منو، انڈیا۔

کے بعد ہوا تھا، جبکہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تبصرہ میں واقعہ حرہ پر سوائے اس روایت کے جس میں عبداللہ بن مطیع اور محمد بن حنفیہ کے درمیان بات چیت کا ذکر ہے اور کچھ زیادہ نہیں لکھا تھا، لیکن گیادوی صاحب صاحب شاید واقعہ حرہ سے بھی اپنے حق میں استدلال کرنا چاہتے ہیں اس لیے انہوں نے اس پر بھی تفصیل سے لکھا ہے، لیکن ہماری کوشش یہ ہوگی کہ گیادوی صاحب نے اپنی اس ۱۵۲ صفحے کی کتاب میں جتنی بھی روایات کتب حدیث یا کتب تاریخ سے پیش کی ہیں، ان کا تحقیقی جائزہ پہلے مکمل کیا جائے، اس کے بعد آخر میں ہم واقعہ حرہ کی طرف آئیں گے، لہذا یہاں سردست گیادوی صاحب کی خدمت میں انہی کا لکھا ایک اقتباس پیش کر کے آگے چلتے ہیں جو انہوں نے اپنے حق میں ایک بے سند بات پیش کرنے کے بعد لکھا ہے، فرماتے ہیں:

”میں تو صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ یزید کو بری کرنے والے اس کے حمایتی جو یزید کو بالکل کلین چٹ دے رہے ہیں، ان کے پاس کوئی معتبر مستند اور صحیح روایت ہے؟ وہ بھی تو سامنے لائیں تاکہ سب پر غور کیا جائے یا صرف ان کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ کمزور، غیر معتمد صرف تاریخی روایت یا صرف چند علماء کے اقوال ہیں جن کو محقق محقق کہہ کر صرف رعب جمار ہے ہیں اور درحقیقت اس قول میں کوئی دم نہیں۔“^①

تو ہم بھی گیادوی سے عرض کرتے ہیں کہ آپ کو یہ اصول معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے یا اس پر لگائے گئے الزامات سے اس کی براءت کے لیے دلائل دینے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اس کے خلاف لگائے گئے الزامات کے حق میں کوئی قابل اعتماد اور شرعی طور پر کچی دلیل یا ثبوت پیش کیا جائے،

① گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۲.

لہذا آپ کے پاس بھی ابوحنیف، واقدی اور محمد بن زکریا جیسے جھوٹوں کی روایات نیز منقطع و ضعیف روایتوں کے سوا کچھ ہے تو پیش کریں، یا اگر ضابطہ شریعت کے مطابق کوئی عینی شہادت ہے تو وہ سامنے لائیں، ورنہ چند علماء کی ذاتی آراء سے صفحہ سیاہ کر کے رعب نہ جمائیں، ہم نے آپ کی پیش کردہ ایک ایک روایت کی حقیقت کھول دی ہے اور آگے بھی کھولیں گے۔

گیاوی صاحب کے اصول، اپنے لئے الگ، دوسروں کے لیے الگ:

گیاوی صاحب نے ایک جگہ اپنا غصہ نکالتے ہوئے محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ابن کثیر کے حوالے سے نقل کردہ ایک بات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

”جو ابابعرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جملہ جو نقل فرمایا ہے، کیا اس واقعہ کے لیے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرماویں“۔^①

پھر لکھا ہے کہ:

”اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ یا امام غزالی یا ملا علی قاری یا کسی عالم اور

محقق کی تحریر پیش کر دینے سے کوئی حقیقت نہیں بدل جاتی“۔^②

کاش خود گیاوی صاحب کو بھی یہ علم ہوتا کہ ”قابل اعتماد سند“ کیا ہوتی ہے؟ اور کاش وہ بھی یہ بات ذہن میں رکھتے کہ ”کسی عالم یا محقق کی تحریر پیش کر دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی“۔

① ایضاً: صفحہ ۵۹۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۷۔

اب آئیے گویا وی صاحب نے واقعہ حرہ سے متعلق جو روایات نقل کی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

سب سے پہلے انہوں نے عبد اللہ بن مطیع کے صحابی یا تابعی ہونے پر چند سطور لکھی ہیں اور بتایا ہے کہ

”سیدنا عبد اللہ بن مطیع بقول راجح صحابی ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کو اصابہ میں صحابی تسلیم کیا ہے“،

تو عرض ہے کہ انہی حافظ ابن حجر نے عبد اللہ بن مطیع کے بارے میں لکھا ہے کہ: عبد اللہ ابن مطیع ابن الأسود العدوی المدنی لہ رؤیة“^①

عبد اللہ بن مطیع ابن الاسود العدوی المدنی انہیں (صرف) روایت حاصل ہے۔

اور ہم پہلے تفصیل سے عرض کر آئے ہیں کہ جن علماء کے نزدیک ”روایت“ اور ”صحبت“ میں فرق ہے ان کے نزدیک عبد اللہ بن مطیع، اصطلاحی صحابی نہیں ہیں، اور ”روایت“ و ”صحبت“ میں فرق کرنے والے لکھنؤ میں نہیں بلکہ کثیر علماء ہیں، اس لیے عبد اللہ بن مطیع کو ”راجح صحابی“ لکھنا بھی درست نہیں، ان کی ”صحبت“ مختلف فیہ ہی ہے۔

واقعہ حرہ سے متعلق چند روایات کی حقیقت:

یہاں گویا وی صاحب نے عبد اللہ بن مطیع کے تعارف میں حافظ ابن حجر کے حوالے سے ”زبیر بن بکار“ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے، جو ”زبیر بن بکار“ اپنے ”پچھا“ (مصعب الزبیری) سے نقل کرتے ہیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

① تقریب التہذیب، ج ۱ ص ۳۲۳ نمبر: ۳۶۲۶ طبع دار الرشید سوریا.

قال الزبير بن بكار: حدثني عمي، قال: كان ابن مطيع من رجال قریش شجاعة ونجدة وجلدا، فلما انهزم أهل الحرة قتل عبید اللہ بن طلحة، وفر عبد اللہ بن مطيع فنجاحتی تواری فی بیت امرأة من حيث لا يشعربه أحد، فلما هجم أهل الشام على المدينة في بيوتهم ونهبهم دخل رجل من أهل الشام دار المرأة التي تواری فيها ابن مطيع، فرأى المرأة فأعجبه فوائها، فامتعت منه، فصرعها فاطلع ابن مطيع على ذلك، فدخل فخلصها منه، وقتل الشامي، فقالت له المرأة: بأبي أنت وأمي! من أنت؟ ثم سكن عبد اللہ بن مطيع مكة" ①

” (ترجمہ از گیواوی صاحب) زبیر بن بکار کہتے ہیں میرے چچا نے مجھے بتایا کہ عبد اللہ بن مطیع قریش کے مردوں میں بہادر مضبوط اور جواں مرد تھے، جب اہل حرہ کی فکست ہو گئی اور عبید اللہ بن طلحہ قتل ہو گئے تو سیدنا عبد اللہ بن مطیع نے بھاگ کر اپنی جان بچائی، وہ ایک عورت کے گھر میں چپکے سے چھپ گئے، کسی کو بھی پتہ نہیں چل سکا، جب مدینہ پر شام والوں نے بلہ بولا اور ان کے گھروں کو لوٹنا شروع کیا تو ایک شامی شخص عبد اللہ بن مطیع جس عورت کے گھر چھپے تھے اسی میں گھس گیا، وہ عورت اس شخص کو پسند آ گئی، وہ شامی اس عورت پر کود پڑا، عورت اس سے بچنے کی ہر طرح کوشش کرنے لگی، اس شامی مرد نے عورت کو پچھاڑ دیا، عبد اللہ بن مطیع نے دیکھا تو جا کر اس شامی سے عورت کو چھڑایا اور شامی کو قتل کر دیا، اس پر عورت نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کون ہیں؟

① الاصابہ، ج ۳ ص ۶۵ القسم الثانی.

پھر عبد اللہ بن مطیع مکہ میں سکونت پذیر ہو گئے،^①

نوٹ: اس روایت میں ذکر ہے کہ "قتل عبید اللہ بن طلحة"، جبکہ "الاصابة"

کے کچھ نسخوں میں اس کی جگہ "قتل عبد اللہ بن حنظلة" ہے۔^②

الغرض! یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، زبیر بن بکار کے چچا
 "مصعب بن عبد اللہ الزبیری" ۲۳۶ ہجری میں ۸۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔^③
 اور تہذیب الکمال جلد ۲۸ صفحہ ۳۶ طبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت میں ان کا تعارف
 یوں ہے:

مصعب بن عبد اللہ بن مصعب بن ثابت ابن عبد اللہ بن الزبیر بن العوام

القرشی الأسدی، أبو عبد اللہ الزبیری المدنی عم الزبیر بن بکار

"مصعب بن عبد اللہ بن مصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن زبیر بن عوام

القرشی الاسدی ابو عبد اللہ الزبیری المدنی یہ زبیر بن بکار کے چچا ہیں"

اور حرہ کا واقعہ ۶۳ ہجری کا ہے، یوں وہ اس واقعہ کے تقریباً ۹۳ سال بعد
 پیدا ہوئے تھے، دوسرا اس روایت کے جھوٹے ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو اسی
 روایت میں بیان ہوا ہے کہ عبد اللہ بن مطیع واقعہ حرہ میں بچ کر مکہ چلے گئے تھے اور
 سب کو معلوم ہے کہ وہ اہل شام کے سخت خلاف بھی تھے، تو اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا تھا تو
 انہیں تو یہ واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہنا چاہیے تھا اور اسے پھیلانا چاہیے تھا
 لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ لہذا اب گیادوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ ثابت کریں کہ
 "مصعب بن عبد اللہ الزبیری" جن سے اس روایت میں یہ واقعہ بیان کروایا جا رہا

① گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۵-۳۶.

② دیکھیں: الاصابة، جلد ۸ صفحہ ۳۶ طبع دار ہجر.

③ تاریخ بغداد، ج ۵ ص ۱۳۸ دار الغرب الاسلامی بیروت.

ہے، وہ سنہ ۶۳ ہجری میں موجود تھے؟ یا بتائیں کہ انہوں نے کس سے یہ بات نقل کی؟ اس کے بعد گیادی صاحب نے بیہقی کے حوالے سے ایک روایت یہ پیش کی ہے:

"أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا عَبْدَ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ سَفْيَانَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ قَالَ: أَلْهَبَ مُسْرِفُ بْنُ عَقْبَةَ الْمَدِينَةَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَرَعَمَ الْمُغِيرَةَ فَأَنَّهُ انْفَضَّ فِيهَا أَلْفَ عَدْرَاءٍ" ①

ہم کو ابو الحسن بن فضل نے خبر دی ان کو عبد اللہ بن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث یعقوب بن سفیان نے بیان کی، ان سے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اور ان کو عبد اللہ بن جریر نے خبر دی (سند میں عبد اللہ بن جریر نہیں بلکہ صرف "جریر" ہے، گیادی صاحب کو ترجمہ میں غلطی لگی ہے، وہ خود آگے جہاں راویوں کا تعارف کروا رہے ہیں اس کا نام "جریر بن عبد الحمید" لکھتے ہیں ناقل) اور وہ مغیرہ بن مقسم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: مسرف بن عقبہ نے تین دنوں تک مدینہ میں لوٹ کھسوٹ مچائی، مزید کہا: واقعہ حرہ میں ایک ہزار کنواری عورتوں سے بدکاری کی گئی۔ ②

یہ روایت بھی باطل اور مردود ہے، "مغیرہ بن مقسم" کی وفات خود گیادی صاحب نے سنہ ۱۳۶ ہجری لکھی ہے، لہذا کبار تابعین سے بھی ان کی ملاقات ثابت نہیں اور نہ ہی انہوں نے واقعہ حرہ کا زمانہ پایا ہے، اور نہ ہی انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ

① دلائل النبوة للبیہقی، ج ۶ ص ۱۸.

② گیادی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۳-۳۸.

بات انہیں کس نے بتائی۔

نیز یہ ”مغیرہ بن مقسم“ تیسرے درجہ کے مدلس ہیں۔^① اور یہاں وہ سماع کی تصریح تو کیا اپنے استاد کا نام بھی ذکر نہیں کر رہے، پھر غور کریں اس روایت میں ایک نہیں بلکہ ایک ہزار کنواری عورتوں سے بدکاری کا ذکر ہے، کیا خیر القرون کی اسلامی فوج کا یہی حال تھا؟ پھر جھوٹ اور تہمتوں کا سلسلہ یہیں نہیں بند ہو جاتا بلکہ تہمت پرستوں نے ان ہزاروں لڑکیوں میں سے ہر لڑکی سے بچے بھی پیدا کر دیئے اور یہ ایسے بیان کیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص باقاعدہ رجسٹر لے کر ان تمام باتوں کا اندراج کیا کرتا تھا۔ لعنة الله على الكاذبين۔

گیاوی صاحب کی ایک ناشائستہ تحریر:

اور گیاوی صاحب کی دیدہ دلیری دیکھیں کہ ایک تو اس جھوٹی روایت کے آخری الفاظ ”فَرَعَمَ الْمُغِيرَةَ أَنَّهُ افْتَضَّ فِيهَا أَلْفَ عَذْرَاءَ“ کا ترجمہ یوں کیا:

مزید کہا: ”واقعہ حرہ میں ایک ہزار کنواری عورتوں سے بدکاری کی گئی“،
جبکہ درست ترجمہ یوں ہے: ”مغیرہ کا گمان ہے کہ مدینہ میں ہزار کنواری
عورتوں کی عصمت دری کی گئی“۔

بلکہ انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ یہ بھی لکھ مارا کہ:

”ظاہر ہے ان بدکاریوں کا شکار ہونے والی عورتوں میں خاصی تعداد
صحابیات کی بھی رہی ہوگی، زنا کاری کا شکار ہونے والی ان ہزار عورتوں
کے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہوں گی“۔^②

① دیکھیں: طبقات المدلسین لابن حجر، صفحہ ۳۶ طبع مکتبۃ المنار عمان۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۹۔

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کوئی شخص تعصب اور ضد میں اس حد تک جاسکتا ہے جبکہ اس کی شہرت ایک عالم کی بھی ہے؟ لیکن ابو مخنف جیسے رافضی، واقدی جیسے جھوٹے اور الغلابی جیسے جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے کی وکالت کرنے والوں سے آپ اور توقع بھی کیا کر سکتے ہیں؟ میرا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ دروغ برگردن راوی، یہ فرمائیں کہ ایک ہزار کنواری عورتوں کی عزت لوٹی گئی اور ان میں گیاوی صاحب پر نازل ہونے والی وحی کے مطابق خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی (نعوذ باللہ)، لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود مدینہ میں موجود وہ صحابہ اور خاندان اہل بیت کے وہ تمام افراد، یزید کی بیعت نہیں توڑتے اور اپنے اسی موقف پر قائم رہتے ہیں جو پہلے تھا، آپ ان حضرات کو کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟، آپ فرمائیں اگر آپ وہاں ہوتے تو آپ کی غیرت جوش مارتی یا نہیں؟، کیا آپ ”خیر القرون“ کا درست نقشہ پیش کر رہے ہیں؟

اب آگے دیکھئے، گیاوی صاحب ان ہزار کی ہزار کنواری عورتوں کے ہزار بچے بھی پیدا کر رہے ہیں، لکھتے ہیں:

”حافظ ابن کثیر مدائنی سے نقل کرتے ہیں: قَالَ الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ أَبِي قُرَّةَ قَالَ:

قَالَ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ: وَلَدَتْ أَلْفَ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْدَ الْحَزْرَةِ مِنْ غَيْرِ

ذَوْجٍ،^①

مدائنی ابوقرۃ سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ ان کو ہشام بن

حسان نے بتایا کہ مدینہ کی ایک ہزار عورتوں نے واقعہ حرہ کے بعد بغیر

شوہر کے بچے جنا۔“

اور خود گیاوی صاحب ہی ہمیں یہ بھی بتا رہے ہیں کہ (اس جھوٹی روایت کے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۸

مطابق) ہزار بچوں کا رجسٹر رکھنے والے ان ”ہشام بن حسان“ کی وفات سنہ ۱۳۸ ہجری میں ہوئی ①۔

اب یہ گیاوی صاحب کو ہی ثابت کرنا ہے کہ اپنی وفات سے ۸۵ سال پہلے یعنی سنہ ۶۳ ہجری میں ”ہشام بن حسان“ کی عمر کتنی تھی کہ انہوں نے پورے ایک ہزار بچوں کا ریکارڈ جمع کیا۔ نیز گیاوی صاحب ذرا حافظ ابن کثیر سے لے کر مدائنی تک کی سند بھی ڈھونڈھ کر لائیں یا یہ بتائیں کہ یہ بات حافظ ابن کثیر نے مدائنی کی کس کتاب سے نقل کی ہے؟

اس کے بعد گیاوی صاحب نے خوب مرچ مصالحہ لگا کر واقعہ حرہ بیان کیا ہے جس پر ہم آخر میں روشنی ڈالیں گے کہ شریعت کا حکم بیعت توڑ کر خروج کرنے والوں کے بارے میں کیا ہے، نیز کیا کسی صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ اس واقعہ میں کوئی صحابی شہید ہوا؟ اور اگر ہوا تو کس نے شہید کیا؟ یزید کی فوج نے یا اس کے خلاف خروج کرنے والوں نے؟، ہم گیاوی صاحب کی پوری تسلی کروائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب، یزید کو لکھے گئے ایک خط کی حقیقت:

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۶۱ پر گیاوی صاحب نے علامہ ابن اثیر کے حوالے سے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے یزید کو اس کے ایک خط کے جواب میں لکھے گئے ایک خط کا ذکر کیا ہے اور اس کے چند الفاظ نقل کیے ہیں، اور لکھا ہے کہ جسے دونوں خط دیکھنے ہوں وہ ابن اثیر کی تاریخ کامل کی طرف رجوع کرے، گیاوی صاحب کے بقول، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یزید کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

كَيْفَ وَقَدْ قُتِلَتْ حَسَنَاتُنا وَفُتِنَانُ عُنْدِ الْمُطَلَبِ مَصَابِيحِ الْهَدَى وَنُجُومِ

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۴۹۔

الْأَعْلَامِ غَادَرْتَهُمْ خِيولُكَ بِأَمْرِكَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ مَرْمَلِينَ بِالذَّمَاءِ،
مَسْلُوبِينَ بِالْعَزَاءِ، مَقْتُولِينَ بِالظَّمَاءِ، لَا مُكْفَنِينَ"

(ترجمہ از گیوی صاحب) کس منہ سے تو یہ بات کر رہا ہے جب کہ تو نے
ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور عبدالمطلب کے نوجوانوں کو بھی قتل کیا جو
ہدایت کے چراغ اور رہنماؤں کے ستارے تھے، ان کو تیرے گھوڑوں
نے تیرے حکم سے روند کر چھوڑا ایک زمین میں حالانکہ وہ خون میں لت
پت چٹیل میدان میں برہنہ حالت میں (یہ ”برہنہ حالت میں“ کس عربی
لفظ کا ترجمہ ہے؟ یہ گیوی صاحب بتائیں گے ناقل) اور شدت پیاس
سے مقتول پڑے تھے، ان کو کفن بھی نصیب نہ تھا۔^①

اس بارے میں عرض ہے کہ خود گیوی صاحب نے اسی صفحہ ۶۱ کے نیچے ایک
حاشیہ دیا ہے جس میں لکھا ہے:

یزید اور ابن عباس کے دونوں خطوط مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰-۲۵۱
پر بحوالہ طبرانی منقول ہیں اور علامہ نور الدین بیہقی فرماتے ہیں:
رواہ الطبرانی وفيه جماعة لم اعرفهم^②

یہاں گیوی صاحب نے چالاکی یہ دکھائی کہ علامہ نور الدین بیہقی کا ”فرمان“
صرف عربی میں نقل کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ نہیں کیا، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ
علامہ بیہقی فرماتے ہیں:

”اس بات کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایسی جماعت

① الکامل فی التاريخ، ج ۳ ص ۲۲۳ دارالکتاب العربی بیروت.

② مجمع الزوائد، ج ۷ ص ۲۵۲ الطبرانی المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۳۱ تا ۲۳۳.

ہے جنہیں میں نہیں جانتا، یعنی اس میں مجھول راویوں کی ایک پوری جماعت ہے، اور اس بات کا اقرار خود گیاوی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

”اس خط کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب و ثابت نہ ماننے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے، سو اس کے کہہ دیا جائے کہ یہ ایک تاریخی روایت ہے جس کی نہ کوئی قابل اعتماد سند ہے اور نہ اس سند کے رجال کا کوئی حال معلوم ہے، یہ بات ٹھیک ہے۔^①

لیجئے! گیاوی صاحب اس بے سرو پا روایت سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قتل یزید کے حکم سے ہوا تھا۔ کیا تحقیق اسی کا نام ہے کہ خود تسلیم بھی کر رہے ہیں کہ اس بات کی کوئی قابل اعتماد سند نہیں اور نہ ہی اس کے راویوں کا حال معلوم ہے، اور دوسری طرف اس بات کو اپنی دلیل بھی بنایا جا رہا ہے؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یزید کے بارے میں ایک قول:

آئیے صرف گیاوی صاحب کی طبیعت صاف کرنے کے لیے، ہم بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کیے دیتے ہیں، تعجب ہے کہ گیاوی صاحب کو تاریخی روایات میں ایسی روایات کیوں نظر نہیں آتیں؟، ملاحظہ فرمائیں، علامہ بلاذری (متوفی ۲۷۹ ہجری) امام مدائنی (متوفی ۲۱۵ ہجری) سے نقل کرتے ہیں:

"الْمَدَائِنِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ، قَالَ عَامِرُ بْنُ مَسْعُودٍ الْجُمَحِيُّ: إِنَّا لَبِمَكَّةَ إِذْ مَرَّ بِنَابِرِ بْنِ يَدِينَعَى مُعَاوِيَةَ، فَنَهَضْنَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ بِمَكَّةَ وَعِنْدَهُ جَمَاعَةٌ وَقَدْ وَضَعَتِ الْمَائِدَةُ وَلَمْ يَأْتِ بِالطَّعَامِ فَقُلْنَا لَهُ: يَا أَبَا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۱-۶۲.

العباس، جاء البرید بموت معاویة فوجم طویلاً ثم قَالَ: اللَّهُم أوسع
لِمُعَاوِيَةَ، أما والله ما كان مثل من قبله ولا يأتي بعده مثله وإن ابنه يزيد لمن
صالحی أهله فالزموا مجالسکم وأعطوا طاعتکم وبعیتکم، هات
طعامک یا غلام، قَالَ: فبینا نحن كذلك إذ جاء رسول خالد بن العاص وهو
على مَکة يدعو له للبيعة فَقَالَ: قل له اقض حاجتک فیما بینک وبين من
حضرک فإذا أمسینا جئتک، فرجع الرسول فَقَالَ: لا بد من حضورک
فمضى فبايع" ①

عامر بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی
خبر دینے والا ہمارے پاس سے گزرا، تو ہم اٹھ کر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما
کے پاس چلے گئے، وہ مکہ میں ہی تھے اور ان کے پاس ایک جماعت بیٹھی
تھی، اور دسترخوان لگا یا جا چکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں لایا گیا تھا، تو ہم نے
کہا: اے ابو العباس! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی ہے، یہ سن کر
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کافی دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا: اے اللہ!
معاویہ پر اپنی رحمت وسیع فرما، یقیناً آپ ان لوگوں کی مثل تو نہ تھے جو
ان سے پہلے گزر چکے، لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی دیکھنے کو نہیں
ملے گا، اور آپ کا بیٹا یزید، آپ کے خاندان کا نیک اور صالح شخص ہے،
اس لیے تم لوگ اپنی اپنی جگہ اطمینان رکھو اور اس کی اطاعت اور بیعت
کرو، (پھر نوکر سے کہا) اے غلام! کھانا لے آؤ، (عامر بن مسعود کہتے
ہیں کہ) ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص کا قاصد آیا، وہ اس

① انساب الاشراف، جلد ۵ صفحہ ۲۹۰ طبع دار الفکر بیروت.

وقت مکہ کے عامل تھے، انہوں نے عبداللہ بن عباس کو بیعت کے لیے بلایا تھا، تو عبداللہ بن عباس نے قاصد سے کہا کہ ان سے کہو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کر لیں، ہم شام کو آئیں گے، قاصد لوٹ گیا اور کہا کہ آپ ضرور آنا، تو سیدنا عبداللہ بن عباس تشریف لے گئے اور بیعت کر لی۔

گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ نے اپنی کتاب میں جتنی بھی روایات اپنے موقف کے حق میں پیش کی ہیں، ان سب کے مقابلے میں یہ روایت زیادہ مضبوط اور صحیح نہیں تو ان سے کم بھی نہیں، اس میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یزید کو صالح کہنا بھی مروی ہے اور اس کی بیعت کرنا بھی، اگر آپ واقعی غیر جانبدار تحقیق فرما رہے تھے تو یہ اور اس جیسی مزید بہت سی روایات بھی انہی کتب میں منقول ہیں جن کے حوالے آپ دے رہے ہیں، تو آپ کو صرف ابوحنیف، واقدی جیسوں کی روایات سے ہی پیار کیوں ہے؟

کیا ابن زیاد نے یزید کے فاسق ہونے کی گواہی دی؟:

آگے گیاوی صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”عبید اللہ بن زیاد“ اور ”یزید کے اپنے بیٹے“ نے بھی یزید کے فاسق ہونے کی گواہی دی ہے، اور اس کی دلیل میں پہلے ”البدایة والنہایة“ کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے:

وَقَدْ كَانَ يَزِيدُ كَتَبَ إِلَى عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنْ يَسِيرَ إِلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ،
فِي حَاصِرِ هَيْمَكَةَ، فَأَبَى عَلَيْهِ وَقَالَ: وَاللَّهِ لَا أَجْمَعُهُمَا لِلْفَاسِقِ أَبَدًا، أَقْتُلُ ابْنَ
بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَعْزُو الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَقَدْ كَانَتْ أُمُّهُ مَرْجَانَةَ قَالَتْ لَهُ
حِينَ قَتَلَ الْخَمْسِينَ: وَيَحُكُّ! مَاذَا صَنَعْتَ وَمَاذَا رَكِبْتَ، وَعَفَفْتَهُ تَعْنِيْفًا

شدیداً^{۱۱}۔

(ترجمہ از گیادی صاحب) یزید بن معاویہ نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا تھا کہ وہ عبد اللہ بن زبیر کی طرف نکلے مکہ میں ان کا محاصرہ کرے، لیکن اس نے یزید کا انکار کیا اور کہا: خدا کی قسم میں دونوں بات (باتیں ناقل) اس فاسق کے لیے جمع نہیں کروں گا، نبی کے نواسے کو بھی قتل کروں اور بیت اللہ پر فوج کشی بھی کروں؟ عبید اللہ بن زیاد کی ماں مرجانہ نے کہا جس وقت سیدنا حسین علیہ السلام کو اس نے شہید کیا تھا: تیرا ناس ہو یہ تو نے کیا کیا اور کیسا کام کر ڈالا، اور ماں نے بہت سخت سست اس کو کہا تھا۔

پھر گیادی صاحب اس روایت پر اپنے موقف کی بنیاد رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حافظ ابن کثیر کی منقولہ بالا روایت سے صرف عبید اللہ بن زیاد کا یزید کو فاسق کہنا یا سمجھنا نہیں ثابت ہوا بلکہ اس کے الفاظ لا أجمعهما للفساق أبدأ، اقتل ابن بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وأغزو البيت الحرام سے صاف صاف یہ بھی ثابت ہوا کہ اس نے سیدنا حسین علیہ السلام کا قتل بھی یزید کی مرضی اور حکم سے کیا تھا ورنہ فاسق کے لئے دونوں باتیں جمع کرنے کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے“^{۱۲}۔

دیکھا آپ نے؟ جو روایت ابھی تک انہوں نے ثابت ہی نہیں کی اس غیر ثابت روایت کی بنیاد پر اپنے مفروضوں کا محل تعمیر کرنا شروع کر دیا، آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہاں گیادی صاحب نے کیا کارستانی فرمائی ہے، وہ خوب اچھی طرح

① البدایة والنہایة جلد ۸ صفحہ ۲۳۹ طبع دار احیاء التراث العربی۔

② گیادی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۴۔

جانتے تھے کہ ابن کثیر اور ابن اثیر دونوں نے یہ بات بلا سند ذکر کی ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے انہی دونوں کے حوالے سے یہ روایت پیش کی، جبکہ یہ روایت سند کے ساتھ تاریخ طبری میں موجود ہے لیکن گیاوی صاحب نے جان بوجھ کر وہاں سے نقل نہیں کی تاکہ کسی کی نظر اس کی سند پر نہ چلی جائے، طبری میں اس کی سند یوں ہے:

"حَدَّثَنَا ابْنُ حَمِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَغِيرَةَ، قَالَ: كَتَبَ يَزِيدُ إِلَى ابْنِ

مَرْجَانَةَ: أَنْ اغْزَيْنِ الزُّبَيْرِ الخ^①

یعنی اس بات کو بیان کرنے والے وہی ”مغیرہ بن مقسم الضبی“ ہیں جن کا ذکر پہلے ایک روایت میں ہو چکا، ان کی وفات سنہ ۱۳۶ ہجری میں ہوئی ہے، ان کی تو کبار تابعین سے بھی ملاقات ثابت نہیں، کیا گیاوی صاحب بتا سکتے ہیں اپنی وفات سے تقریباً ۷۳ سال قبل کے جس واقعہ کا وہ ذکر کر رہے ہیں اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟، نیز جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا یہ ”مغیرہ بن مقسم“ تیسرے درجے کے مدلس ہیں۔^②

یہاں وہ سماع کی تصریح تو کیا اپنے استاد کا نام بھی ذکر نہیں کر رہے، مزید عرض ہے کہ طبری یہ بات اپنے استاد ”ابن حمید“ سے روایت کر رہے ہیں، جس کا نام ”محمد بن حمید الرازی“ ہے، یہ بھی شدید قسم کا مجروح راوی ہے، مثلاً:

امام ابو حاتم رازی نے اس کے بارے میں فرمایا:

"كذاب لا يحسن يكذب"^③

ایسا جھوٹا جو جھوٹ بھی اچھے طریقے سے نہیں بول سکتا (اور ابو حاتم رازی نے جس وجہ سے یہ بات فرمائی وہ بھی تفصیل کے ساتھ یہاں مذکور ہے، لہذا یہ جرح مفسر

① تاریخ الطبری، ج ۵، ص ۸۳ طبع دار التراث بیروت.

② دیکھیں: طبقات المدلسین لابن حجر، صفحہ ۳۶ طبع مکتبۃ المنار عمان.

③ الضعفاء لابن زرعہ الرازی، جلد ۲ صفحہ ۷۳۹ طبع المدینۃ المنورۃ.

ہے۔)

امام بخاری نے فرمایا:

"فیہ نظر" اس میں نظر ہے۔^①

امام ابو زرعة نے بھی اس کے جھوٹے ہونے کا بتایا۔^②

ابن خراش نے کہا: اللہ کی قسم یہ جھوٹا ہے^③

امام نسائی نے کہا: "لیس بشيء" یہ کچھ بھی نہیں۔^④

امام نسائی نے ہی کہا: "لیس بشيء" یہ ثقہ نہیں ہے۔^⑤

فضلک رازی کہتے ہیں:

"دخلت علی محمد بن حمید و هو یر کب الأسانید علی المتون"^⑥

میں محمد بن حمید کے پاس گیا تو یہ متون کی سندیں وضع کر رہا تھا (یعنی جھوٹی
سندیں بنا رہا تھا)۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

"کثیر المناکیر"^⑦

یہ بہت زیادہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔

صالح بن جزرة نے کہا:

”ما رأیت أحد ق بالکذب من ابن حمید ومن ابن الشاذکونی"^⑧

میں نے دو آدمیوں سے زیادہ جھوٹ کا ماہر کوئی نہیں دیکھا، ایک محمد بن

①التاریخ الکبیر، جلد ۱ صفحہ ۶۹ طبع انڈیا۔

②تہذیب التہذیب، جلد ۹ صفحہ ۱۳ طبع دائرة المعارف، انڈیا۔

③تہذیب التہذیب، جلد ۹ صفحہ ۱۳۔

④میزان الاعتدال، جلد ۳ صفحہ ۵۳۰ دار المعرفۃ بیروت۔

⑤⑥⑦⑧ ایضاً۔

حمید اور دوسرا ابن شاذ کونی۔

امام ذہبی نے لکھا:

"محمد بن حمید الرازی - مُتَّهِمٌ" ①

یہ وضع حدیث سے متہم ہے۔

امام سیوطی نے بھی اسے کذاب (بڑا جھوٹا) کہا ہے۔ ②

اور چونکہ یہ روایت گیاوی صاحب نے البدایۃ والنہایۃ کے حوالے سے نقل کی ہے، اس لیے ”محمد بن حمید رازی“ کے بارے میں حافظ ابن کثیر کی رائے بھی پیش ہے، اس کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ حَمِيدٍ الرَّازِيُّ - وَهُوَ شَيْعِيٌّ“ ③

”محمد بن حمید رازی نے کہا جو کہ شیعہ ہے۔“

الغرض! گیاوی صاحب کی پیش کردہ دوسری روایات کی طرح یہ روایت بھی ناقابل اعتماد اور غیر مستند ہے۔

یزید کے بیٹے کی طرف منسوب ایک جھوٹی بات:

اس کے بعد گیاوی صاحب نے عنوان باندھا ہے: ”فسق یزید پر فرزند یزید کی شہادت“، اور لکھا ہے کہ:

”یزید کے فاسق ہونے کی گواہی عبید اللہ بن زیاد نے تمہا نہیں دی ہے بلکہ

تاریخوں میں خود یزید کے بیٹے معاویہ کی گواہی بھی پائی جاتی ہے، علامہ

① تلخیص الموضوعات لابن الجوزی، صفحہ ۳۳۹ مکتبۃ الرشید، الرياض.

② اللآلئ المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ، جلد ۱ صفحہ ۱۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت.

③ البدایۃ والنہایۃ، جلد ۸ صفحہ ۲۰۹ طبع دار احیاء التراث العربی.

ابن حجر ہیتمی کی اپنی کتاب الصواعق المحرقة ص ۲۲۳ مطبوعہ استنبول میں ہے: معاویہ بن یزید نے جب اس کو یزید کے بعد ولایت اور حکومت سونپی گئی منبر پر آ کر خطبہ دیا اور کہا یہ خلافت اللہ کی ایک رسی ہے میرے دادا معاویہ نے خلافت کے اہل سیدنا علی بن ابی طالب سے جو میرے دادا سے زیادہ حق دار تھے، ان کے ساتھ نزاع کیا اور تمہارے ساتھ جو کچھ کیا تم کو معلوم ہے یہاں تک کہ ان کو موت آگئی اور اپنی قبر میں اپنے ذنوب کے ساتھ مدفون ہو گئے پھر خلافت کا قلابہ میرے والد یزید کے گلے کا بار بنا حالانکہ وہ اس خلافت کے اہل نہ تھے، انہوں نے رسول اللہ (ﷺ) کے نواسے سے جھگڑا کیا، اپنی عمر کو کھیل کود میں گزارا اور اپنی عاقبت کو برباد کر ڈالا پھر اس کے بعد رونے لگا اور کہا:

"إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمْوَرِ عَلَيْنَا عَلِمْنَا بِسُوءِ مَصْرَعِهِ وَبِئْسَ مَنْقَلَبُهُ وَقَدْ قَتَلَ عَتْرَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبَاحَ الْحَرَمِ وَخَرَّبَ الْكَعْبَةَ وَلَمْ أَذُقْ حَلَاوَةَ الْخِلَافَةِ فَلَا أَتَقَلَّدُ مَرَاتِهَا فَشَأْنُكُمْ أَمْرٌ كُمْ" ①

بڑی مصیبت ہم پر یہ ہے کہ ہم اس کے ٹھکانے کی برائی اس کی بد انجامی کو جانتے ہیں، اس نے آل رسول ﷺ کو قتل کیا ہے (یہاں حاشیہ دیا ہے کہ "یہ اقرار معاویہ بن یزید کو اپنے والد کے بارے میں ہے کہ اصل قاتل یزید ہے"۔ ناقل)

اور شراب کو مباح سمجھا اور کعبہ کی تخریب کی، میں نے خلافت کی حلاوت نہیں چکھی، اس لئے اس کی تلخی چکھنا نہیں چاہتا تم جانو اور تمہارا کام

① الصواعق المحرقة ص ۲۲۳ طبع استنبول.

جانے۔^①

قارئین محترم! میں نے گیاوی صاحب کی کتاب سے یہ طویل اقتباس اس لئے نقل کیا ہے تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ یزید بن معاویہ کی کردار کشی کے شوق میں گیاوی صاحب اور ان کے ہمنوا کس طرح رافضیوں کی گھڑی ہوئی جھوٹی کہانیوں کا سہارا لیتے ہیں اور اتنا بھی نہیں سوچتے کہ وہ یزید کے بیٹے کی طرف منسوب اس من گھڑت بات سے یزید کی ایسی تیسی کرنے کے چکر میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں، غور فرمائیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ ”یہاں تک کہ ان کو موت آگئی اور اپنی قبر میں اپنے ذنوب کے ساتھ مدفون ہو گئے“۔

میرا مولانا طاہر حسین گیاوی کو تا قیامت چیخ ہے کہ وہ الصواعق المحرقة میں لکھی اس بات کی کوئی سند بیان کر دیں، اور اگر نہ بیان کر سکیں تو پھر لعنة الله على الكاذبين پر آمین کہہ دیں، یاد رہے ابن حجر ہیتمی کی وفات ۹۷۲ ہجری میں ہوئی ہے، اور یزید کی وفات ربیع الاول ۶۳ ہجری میں ہوئی ہے، درمیان میں تقریباً ۹ صدیاں ہیں، گیاوی صاحب اگر تحقیق نامی کسی چیز سے واقف ہیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس روایت کی کوئی سند ڈھونڈ کر لائیں، چاہے وہ ابو مخنف، واقدی یا غلابی کی ہی کیوں نہ ہو..... دیدہ باید، ہم ایسی جھوٹی بے اصل کہانیوں کی بنیاد پر کسی کو بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کے بارے میں تہرا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے، چاہے وہ گیاوی صاحب ہوں یا ان کے مرجع و ماوی سید لعل شاہ بخاری ہوں۔^②

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۳-۶۵۔

② دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۴۱۲-۴۱۳۔

گیا وی صاحب کی ”بزعم خود“ ایک اور صحیح روایت کا حال:

اس کے بعد گیا وی صاحب نے پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

”اب ایک دوسری صحیح سند والی روایت پیش کر رہا ہوں“ اور پھر امام بیہقی

کی کتاب ”دلائل النبوة“ کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ الْفَضْلِ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ
ابن سَفِيَّانَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَفِيرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ فُلَيْحٍ أَنَّ أَبَا عَمْرٍو بْنَ
حَفْصِ بْنِ الْمُغْبِرَةَ وَقَدْ عَلَى يَزِيدَ فَأَكْرَمَهُ وَأَحْسَنَ جَائِزَتَهُ، فَلَمَّا قَدِمَ
الْمَدِينَةَ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْمُنْبَرِ - وَكَانَ مَرْحُومًا صَالِحًا - فَقَالَ أَلَمْ أَحِبَّ أَنْ
أَكْرَمَ وَاللَّهِ لَوْ أَيْتَ يَزِيدَ ابْنُ مَعَاوِيَةَ بِشَرِّكَ الصَّلَاةِ سَكْرًا فَأَجْمَعَ النَّاسُ عَلَيَّ
خُلَعَانِيهِ بِالْمَدِينَةِ فَخَلَعُوهُ"

(ترجمہ از گیا وی صاحب) ہم کو ابو الحسن بن المفضل نے خبر دی ان کو
عبداللہ بن جعفر نے بتایا ان کو یعقوب بن سفیان نے کہا کہ میں نے ابن
عمیر سے سنا اور انہوں نے کہا کہ ابن فلیح نے خبر دی کہ (عمرو بن حفص)
(گیا وی صاحب نے ترجمہ میں یوں لکھا ہے، جبکہ روایت میں ”ابو عمرو
بن حفص“ ہے۔ ناقل) بطور وفد یزید کے پاس بھیجے گئے (یہاں بھیجے گئے
کے کوئی الفاظ نہیں بلکہ ”وَقَدْ“ کے لفظ ہیں، یعنی وہ یزید کے پاس آئے
ناقل) تو یزید نے اکرام کیا اور اچھا انعام دیا (جو کہ یقیناً انہوں نے
قبول کیا۔ ناقل) لیکن جب وہ مدینہ لوٹ کر آئے تو منبر کے قریب کھڑے
ہوئے وہ نیک اور پسندیدہ شخص تھے انہوں نے کہا: میرا اکرام کیا گیا تو

میں کیوں ناپسند کروں لیکن بخدا میں نے یزید بن معاویہ کو نشے میں دیکھا کہ اس نے نماز ترک کر دی پھر مدینہ والے اس کی بیعت توڑنے پر متفق ہو گئے اور یزید کی بیعت توڑ ڈالی۔“ ①

اور اس روایت پر گیا وی صاحب نے اپنی تحقیق یوں پیش کی ہے کہ:
 ”اس روایت کے اندر امام بیہقی کے کل پانچ راوی ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں۔“

اب گیا وی صاحب کی بلا جانے کہ راویوں کا ثقہ ہونا یا کسی روایت کا ”صحیح الاسناد“ ہونا اور چیز ہے اور روایت کا ”صحیح“ ہونا الگ چیز ہوتی ہے، منقطع السند روایت کے راوی بھی ممکن ہے سارے ثقہ ہی ہوں لیکن وہ صحیح نہیں ہوتی، بہر حال آئیے دیکھتے ہیں یہاں گیا وی صاحب نے کیا مغالطے دیئے ہیں۔

”ابن عفیو“ اور ”ابن فلیح“ کون؟

اس سند میں دو راوی آئے ہیں، ایک ”ابن عفیو“ جن سے یعقوب بن سفیان روایت کر رہے ہیں، اور دوسرے ”ابن فلیح“ جن سے یہ ”ابن عفیو“ روایت کر رہے ہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ ”ابن عفیو“ کون ہیں؟ تو امام بیہقی نے اسی روایت کے بعد اسی جگہ آگے یہ بات بھی لکھی ہے:

قَالَ يَعْقُوبُ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ كَثِيرٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدِ الْمَازِنِيِّ، وَمَعْقِلَ بْنَ سَيَانَ الْأَشْجَعِيَّ، وَقَتِيلَ مَعَاذِ بْنِ الْحَارِثِ الْقَارِيَّ وَقَتِيلَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي عَامِرٍ

(ترجمہ) یعقوب (بن سفیان) نے کہا کہ میں نے سعید بن کثیر بن عفیو

① گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۵-۶۶.

الانصاری کو یہ کہتے سنا کہ: حرہ والے دن عبد اللہ بن زید المازنی، معتقل بن سنان الأشجعی، معاذ بن حارث القاری اور عبد اللہ بن حنظلہ قتل ہوئے۔ اس طرح خود یعقوب بن سفیان نے بتا دیا کہ اس ابن عفیر سے مراد ”سعید بن کثیر بن عفیر انصاری“ ہیں، اب رہ گئی یہ بات کہ جس ”ابن فلیح“ سے یہ سعید بن کثیر بن عفیر روایت کر رہے ہیں وہ کون ہے؟ تو گیاوی صاحب نے یہاں دعویٰ کیا ہے کہ اس سے مراد ”محمد بن فلیح التونی ۱۹۷ ہجری ہیں (دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۷) لیکن یہ بات درست نہیں، بلکہ اس ”ابن فلیح“ سے مراد ”یحییٰ بن فلیح بن سلیمان“ ہے، اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ کتب رجال میں جب ہم ”سعید بن کثیر بن عفیر“ کا تعارف پڑھتے ہیں تو ان کے اساتذہ میں (یعنی جن سے انہوں نے روایت کی ہے) ہمیں ”یحییٰ بن فلیح“ کا نام ملتا ہے، جبکہ ”محمد بن فلیح“ کا نام نہیں ملتا، مثلاً امام مزنی کی تہذیب الکمال دیکھیں، اس میں ہے:

سعید بن کثیر بن عفیر بن مسلم... روی عن: بسطام بن حرث المکی
 ...و...و...و یحییٰ بن فلیح...^①

نیز بعض دوسری روایات میں جہاں یہی طریق ہے اس میں ”سعید بن کثیر“ کے استاد ”ابن فلیح“ کا مکمل نام بھی ملتا ہے، مثلاً یہی امام بیہقی اپنی دوسری کتاب ”السنن الکبریٰ“ میں ایک روایت کی سند یوں بیان کرتے ہیں:

”أَخْبَرَنَا هُوَ عَلِيًّا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ الْقَارِسِيُّ، ثنا

① تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، جلد ۱، صفحہ ۳۶، مؤسسة الرسالة بیروت.

يَعْقُوبُ بْنُ مَيْمَانَ، ثنا سَعِيدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ فُلَيْحٍ، عَنْ
ثُورِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ الشَّرَّابَ، كَانُوا يَضْرِبُونَ عَلَيَّ
عَهْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالْأَيْدِي وَالْيَعَالِ وَالْعَصِي، حَتَّى تُؤْفَى رَسُولُ اللَّهِ
ﷺ، قَالَ: ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ ①

یہ امام بیہقی کی ہی روایت ہے اور اس میں ”عبداللہ بن جعفر“ سے لے کر ”ابن
فلیح“ تک بالکل وہی سند ہے جو گیاوی صاحب کی متادلہ روایت کی ہے اور اس میں
کامل صراحت ہے کہ ”سعید بن کثیر“ کے استاد ”یحییٰ بن فلیح“ ہیں۔ اور رواۃ کے
تعیین کا ایک بڑا ذریعہ دوسری سندوں میں صراحت کے ساتھ نام آنا ہے جبکہ دوسرا
ذریعہ کتب رجال میں اساتذہ و تلامذہ کا مذکور ہونا ہے، ان دونوں طریقوں سے ”سعید
بن کثیر“ کے استاد ”ابن فلیح“ سے ”یحییٰ بن فلیح“ کا تعین ہوتا ہے۔

اب گیاوی صاحب کو یا تو علم ہی نہیں تھا کہ اس ”ابن فلیح“ سے مراد ”یحییٰ بن
فلیح“ ہے، یا اگر علم بھی تھا تو انہوں نے جان بوجھ کر اسے ”محمد بن فلیح“ بنا کر پیش
کیا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ”یحییٰ بن فلیح“ کی توثیق پیش کرنا ان کے بس کی بات نہیں،
بلکہ امام ابن حزم (متوفی ۴۵۶ ہجری) نے تو صاف لکھا ہے:

”یحییٰ بن فلیح بن سلیمان وهو مجهول البتة والحجة لا تقوم
بمجهول“ ②

یحییٰ بن فلیح تو یقینی طور پر مجهول الحال راوی ہے اور ایک مجهول کی
روایت سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

① السنن الكبرى للبيهقي، جلد ۸ صفحہ ۵۵۶ طبع دار الکتب العلمیة بیروت.

② الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم، جلد ۷ صفحہ ۱۶۲۔ دار الأفاق الجديدة بیروت.

پھر اس "ابن فلیح" نے بلا واسطہ "ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ" کا قول نقل کیا ہے (اور ان ابو عمرو بن حفص کو گیاوی صاحب نے صحابی بتایا ہے) جبکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ "ابن فلیح" نے صحابہ کا زمانہ پایا ہو کیونکہ اس کے والد "فَلَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ أَبِي الْمُغِيرَةِ بْنِ حَنْظَلَةَ الْخَزَاعِمِيِّ وَيُقَالُ الْأَسْلَجِيُّ" کی پیدائش ہی طبقہ صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے، امام ذہبی ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"وَلِدٌ فِي آخِرِ أَيَّامِ الصَّحَابَةِ، وَهُوَ أَسْنُ مِنْ مَالِكِ بَقْلِيلٍ" ①

ان کی ولادت صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے اور یہ (امام) مالک سے قدرے عمر میں بڑے ہیں۔

تو جب "یحییٰ بن فلیح" کے والد کی اپنی پیدائش ہی دور صحابہ کے بالکل آخری ایام میں ہوئی ہے تو خود "یحییٰ" نے کیسے دور صحابہ رضی اللہ عنہم پایا؟ لہذا گیاوی صاحب کو اب اس راوی یا راویوں کا پتہ بھی لگانا ہوگا جن کے واسطے سے یہ "ابن فلیح" صحابی سے روایت کر رہا ہے۔ یاد رہے گیاوی صاحب نے اس "ابن فلیح" سے مراد جو "محمد بن فلیح" لئے ہیں ان کے ساتھ ان کی وفات سنہ ۱۹۷ ہجری بھی لکھی ہے، تو بھی گیاوی صاحب کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ "محمد بن فلیح" نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا، اور ان کی کسی صحابی سے ملاقات یا ان سے سماع ثابت ہے۔

اب آئیے آگے چلتے ہیں، اس روایت میں ایک نام "ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ" آیا ہے، اور گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ "یہ صحابی ہیں" اور اس پر "تہذیب التہذیب" اور "الاصابة" کے حوالے دیئے ہیں۔ ② اور اس روایت میں جو واقعہ بتایا

① سیر اعلام النبلاء، جلد ۵ صفحہ ۳۵۳ مؤسسه الرسالۃ بیروت.

② دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب کا صفحہ ۶۷

جارہا ہے وہ سنہ ۶۳ ہجری یعنی واقعہ حرہ کے زمانے کا ہے، کیونکہ روایت میں اہل مدینہ کی طرف سے یزید کی بیعت توڑے جانے کا ذکر ہے، لیکن جب ہم ”ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ“ نامی صحابی کا تعارف پڑھتے ہیں تو وہ ”تہذیب التہذیب“ میں کچھ یوں ہے:

”أبو عمرو بن حفص بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن محزوم
المخزومي وهو زوج فاطمة بنت قيس وقيل اسمه عبد الحميد وقيل
أحمد، اسمه كنيته... صحابي خرج مع علي إلى اليمن لما أمره النبي
ﷺ عليها فمات وقيل إنه بقي إلى خلافة عمر بن الخطاب“^①
(ترجمہ) ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن محزوم الحزومی،
یہ فاطمہ بنت قیس کے شوہر تھے، ان کا نام عبد الحمید بھی بتایا گیا ہے اور احمد
بھی، ان کی کنیت ہی ان کا نام بن گئی..... یہ صحابی ہیں، جب نبی کریم ﷺ
نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو یہ ان کے ساتھ گئے تھے اور
(وہیں) فوت ہو گئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت
تک زندہ رہے۔

اور الاصابۃ میں ان کا تعارف یوں ہے:

”أبو عمرو بن حفص بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن محزوم القرشي
المخزومي، زوج فاطمة بنت قيس- وقيل: هو أبو حفص بن عمرو بن
المغيرة- واختلف في اسمه، فقليل: أحمد، وقيل عبد الحميد، وقيل
اسمه كنيته- وأمه ذرة بنت خزاعي الثقفية، وكان خرج مع علي إلى

① تہذیب التہذیب، جلد ۱۲، صفحہ ۱۷۷، طبع دار المعارف.

اليمن في عهد النبي ﷺ فمات هناك. ويقال: بل رجع إلى أن شهد فتوح الشام" ①

(خلاصہ) ابو عمرو بن حفص بن المغيرة ان کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے احمد بتایا ہے، بعض نے عبد الحمید بتایا ہے، اور بعض کا کہنا ہے کہ ان کا نام ان کی کنیت ہی ہے، ان کی والدہ کا نام درّۃ بنت خزاعی ہے، یہ نبی ﷺ کے زمانے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کی طرف نکلے تھے اور وہیں ان کی وفات ہو گئی، بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے شام کی فتوحات میں شرکت کی۔

اور "الاستيعاب" میں ان کا تعارف یوں ہے:

"أبو عمرو بن حفص بن المغيرة ويقال: أبو عمرو بن حفص بن عمرو ابن حفص بن المغيرة بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم القرشي المخزومي. قيل: اسمه عبد الحميد. وقيل اسمه أحمد. وقيل: بل اسمه كنيته. بعثه رسول الله ﷺ مع علي بن أبي طالب حين بعث علياً أميراً إلى اليمن، فطلق امرأته هناك فاطمة بنت قيس الفهرية، وبعث إليها بطلاقها، ثم مات هناك" ②۔

خلاصہ اس کا بھی یہی ہے کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہو گئی تھی۔

اور اسد الغابۃ میں ان کا تعارف یوں ہے:

① الاصابة في تمييز الصحابة، جلد ۷ صفحہ ۲۳۹ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

② الاستيعاب في معرفة الاصحاب، جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ طبع دار العجیل بیروت۔

"أبو عمرو بن حفص بن المغيرة قاله الزبير، وقيل: أبو حفص بن المغيرة. ويقال: أبو عمرو بن حفص بن عمرو بن المغيرة القرشي المخزومي. اختلف في اسمه فقيل: أحمد، وقيل: عبد الحميد، وقيل: اسمه كنيته. وأمه ذرة بنت خزاعي بن الحويرث الثقفي. بعته رسول الله ﷺ مع علي حين بعث عليا إلى اليمن، فطلق امرأته فاطمة بنت قيس الفهرية هناك، وبعث إليها بطلاقها، ثم مات هناك وقيل: عاش بعد ذلك" ①

اس کا بھی وہی خلاصہ ہے کہ ان کی وفات یمن میں ہو گئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس کے بعد بھی زندہ رہے تھے۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ "ابو عمرو بن حفص بن المغيرة" نامی صحابی کی وفات آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہی یمن میں ہو گئی تھی، اور جو بعض اقوال اس کے خلاف ملتے ہیں وہ بھی یہ بتاتے ہیں کہ ان کی وفات سیدنا عمرؓ کے دور خلافت میں ہو چکی تھی، لہذا اب یہ گیاوی صاحب کا فرض ہے کہ وہ ہمیں بتائیں کہ یہ کون سے "ابو عمرو بن حفص بن المغيرة" صحابی تھے جو سنہ ۶۳ ہجری تک زندہ تھے اور جو یزید کے پاس گئے تھے۔

یاد رہے گیاوی صاحب کی محولہ بالا روایت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ "ابو عمرو بن حفص بن المغيرة" صحابی تھے، اور نہ ہی واقعہ حرہ میں کہیں ان کا ذکر ملتا ہے، بلکہ گیاوی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں جو واقعہ حرہ کے مقتولین کی فہرست گنوائی ہے اس میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا، حالانکہ گیاوی صاحب نے واقعہ حرہ میں

① اسد الغابہ، جلد ۶ صفحہ ۲۲۱ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت.

جس طرح قتل و غارت گری کا نقشہ کھینچا ہے اس میں ان کا ذکر ضرور ہونا چاہیے تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟ کیونکہ بقول گیاوی صاحب یہ یزید کی شراب نوشی کے عینی گواہ تھے۔

قارئین محترم! یہ ہے "دلائل النبوة للبيهقي" کی اس روایت کا حال، لیکن گیاوی صاحب انتہائی تعلی کے ساتھ یہاں بھی لکھتے ہیں:

”یہ سند بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح سند ہے اور امام بیہقی جیسے عظیم محدث اسی سند سے روایت نقل فرما رہے ہیں، یہ روایت بھی یزید کا شراب پینا اور نشہ کی حالت میں رہنا بتا رہی ہے اور نماز چھوڑنا بھی فسق کی واضح دلیل ہے اور کوئی تاریخی روایت بھی نہیں ہے، اگر اب بھی یزید کا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوا تو کیا ثبوت کے لیے وحی نازل ہوگی؟“^①

اس پر ہم صرف اتنا ہی عرض کرتے ہیں کہ اس روایت کی سند کس درجہ کی ہے وہ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے، یہ روایت گھڑنے والا اتنا جاہل تھا کہ اسے یہ علم ہی نہ ہوا کہ جس صحابی کے نام سے وہ یہ جھوٹ گھڑ رہا ہے وہ تو یزید کے پیدا ہونے سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے، لہذا گیاوی صاحب غصہ نہ کریں، کسی کو شرابی اور فاسق ثابت کرنے کے لیے واقعی نبی کریم ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل ہونے والی شریعت کے اصول و ضابطہ کے مطابق ثبوت کی ہی ضرورت ہے، اور جھوٹی سندوں والی اور غیر ثابت شدہ روایات کی بنیاد پر پیش کی گئی گواہیوں کی واقعی شریعت کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں۔

اس روایت کے جھوٹی ہونے کے لیے ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ اس میں بیان ہے کہ ”تمام اہل مدینہ نے بالاتفاق یزید کی بیعت توڑ دی تھی“ جو کہ سراسر جھوٹ ہے،

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۷۔

آپ کی ہی تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ اہل بیت بلکہ بنی عبدالمطلب کے کسی فرد نے بیعت نہیں توڑی تھی، محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ، زین العابدین رضی اللہ عنہ، نے بھی نہیں توڑی تھی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے متعلقین اہل عیال اور خاندان والوں نے نہیں توڑی تھی۔

ایک کٹ ججتی اور اس کا جواب:

کچھ لوگ یہاں یہ کٹ ججتی پیش کرتے ہیں کہ

”صحیح سند کے ساتھ ثابت کیا جائے کہ بنی عبدالمطلب اور اہل بیت کے

افراد نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی۔“

تو عرض ہے کہ آپ ہی ہمیں بتاتے ہیں کہ ”اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑی تھی“ اور خاص طور پر ”عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع وغیرہما“ کا تو نام لے کر آپ بتاتے ہیں کہ وہ ان بیعت توڑنے والوں کے قائدین میں سے تھے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ان لوگوں کو بیعت توڑنے سے منع کرنا تو صحیح روایات میں بیان ہوا ہے، تو کیا آپ صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ

”اس سے پہلے تمام اہل مدینہ نے بشمول عبداللہ بن عمر، زین العابدین،

محمد بن حنفیہ، عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع نے یزید کی بیعت کی ہوگی

تھی؟“

کیونکہ بیعت توڑنے کی بات تو تب ہی درست ہوگی اگر پہلے بیعت کی گئی ہو، میرا یہ سوال کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب بیعت توڑنے کے واقعات تاریخ میں بیان کیے گئے ہیں تو ان میں ان معروف لوگوں کے نام بھی مذکور ہیں جنہوں نے واقعہ حرہ کے موقع پر یزید کی بیعت توڑی تھی، اور ان ناموں میں عبداللہ بن حنظلہ و عبداللہ

بن مطیع یا ان کے ساتھیوں کا ذکر تو آتا ہے لیکن کسی مؤرخ نے سیدنا علی بن الحسین (زین العابدین) یا محمد بن حنفیہ یا ان کے خاندان کے کسی فرد کا نام بیعت توڑنے والوں میں ذکر نہیں کیا جبکہ مدینہ میں یہ حضرات اہم ترین اور معروف ترین تھے، لہذا ثابت آپ کو کرنا ہے کہ اہل بیت نبوت کے فلاں فلاں فرد نے بیعت توڑنے والوں کا ساتھ دیا، مؤرخین تو صراحت کے ساتھ یہ بات لکھتے ہیں کہ

”عبداللہ بن عمر اور اہل بیت کی جماعت نے اپنا عہد نہیں توڑا تھا اور یزید کی بیعت کے بعد کسی کی بیعت نہیں کی تھی“

اور

”آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی نے بھی ایام حرہ میں خروج نہیں کیا تھا، اور جب مسلم بن عقبہ (یزید کی فوج کا سپہ سالار) آیا تو اس نے سیدنا زین العابدین کا اکرام کیا اور انہیں امان کا خط دیا“۔^①

① البدایہ والنہایہ، ج ۱، ص ۶۵۲ اور ص ۶۵۶ طبع دارمجر.

کتب اسماء الرجال میں یزید کی شراب نوشی کی تصریحات کا داویلا

ہم نے شروع میں عرض کر دیا تھا کہ علم جرح و تعدیل میں عام طور پر ان اشخاص سے بحث کی جاتی ہے جنہوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ لیا ہے، اور جن لوگوں نے احادیث کو روایت کرنے میں حصہ نہیں لیا ان سے اس فن میں عام طور پر بحث نہیں ہوتی، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے ہوں، کیونکہ کسی بھی راوی کی عدالت اور ضبط کا فیصلہ راوی کی بیان کردہ روایات (مرویات) کو دیکھ کر ہوتا ہے، جب ایک راوی ایسی روایات بیان کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایات کے مطابق ہوں تو ایسے راوی کو ثقہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ روایات کی موافقت جہاں اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ راوی ’ضابط‘ ہے یعنی اس کا حافظہ ٹھیک ہے، وہیں اس بات کی بھی دلیل ہوتی ہے کہ راوی عادل بھی ہے کیوں کہ اس نے روایات میں تبدیلی نہیں کی، جب راوی کی توثیق یا تضعیف کے لئے عام طور سے راوی کی مرویات کو ہی بنیاد بنایا جاتا ہے تو اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کسی راوی کی توثیق و تضعیف کے لیے ضروری نہیں ہے کہ توثیق یا تضعیف کرنے والا اس راوی کے دور کا ہو، کیوں کہ جب روایات دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی دور کا عالم جرح و تعدیل کسی بھی دور کے راوی کی مرویات کا استقراء کر کے اس کے بارے میں ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کر دیتا ہے اور راوی کے بارے میں یہ رائے خالص اجتہادی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایک ہی راوی کے بارے میں علماء کے اقوال میں اختلاف بھی ملتا ہے، ایک کے نزدیک ایک راوی ثقہ ہوتا ہے تو دوسرے کے نزدیک ضعیف، تاہم کبھی کبھار راوی کی عدالت کے

سلسلے میں راوی کے اخلاق اور ذاتی کردار کو بھی پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں یہ شہادت مل جائے کہ وہ دین دار اور متقی تھا تو اس کی تعدیل کی جاتی ہے، یا اس کے برعکس کسی راوی کے بارے میں یہ مل جائے کہ وہ فاسق یا شرابی یا زانی یا بددین تھا وغیرہ تو اس پر جرح کی جاتی ہے اور یہ معاملہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اجتہاد پر، اس لئے اس معاملے میں شہادت اور گواہی کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے.....

نیز اس طرح کی شہادت اور گواہی دینے کا حق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہے جو راوی کے ہم عصر ہوں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شہادت کو بنیاد بنا کر جب محدثین جرح و تعدیل کرتے ہیں تو اس بارے میں صرف معاصرین ہی کی شہادت و گواہی قبول کرتے ہیں، نیز معاصرین سے بھی اس کا بسند صحیح نقل ہونا ضروری سمجھتے ہیں، بصورت دیگر اس طرح کی باتوں کو رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کی ہم نوائی بعد کے کسی بڑے سے بڑے امام ہی نے کیوں نہ کی ہو۔ لیکن گیاوی صاحب کے دلائل کا تھیلا چونکہ خالی ہو چکا، اس لیے اب آخری سہارے کے طور پر لکھتے ہیں:

”اسماء الرجال کے اندر بھی یزید کی شراب نوشی کی مزید تصریحات موجود ہیں، ان سب کو مسترد اور رد کر دیا جائے تو نہ اسماء الرجال کا کوئی اعتبار باقی رہے گا نہ علم حدیث اور سند کا کوئی بھروسہ رہ جائے گا، ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ دین باز پچھ اطفال ہو کر رہ جائے گا“۔^①

یہ وہ مغالطہ ہے جو صرف گیاوی صاحب ہی نہیں بلکہ ان کے ہم نوا اکثر دیتے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۷۔

ہیں، اس کا جواب ہم اوپر دے چکے کہ کسی راوی کی ذات پر فاسق یا شرابی یا زانی وغیرہ کی جرح کا معاملہ اجتہادی نہیں ہوتا بلکہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے، لہذا اگر کسی راوی پر ”شراب نوشی“ یا ”زنا کاری“ یا ”فسق“ کی کوئی جرح کرے تو اسے الرجال میں بھی اس کے لیے شرعی شہادت درکار ہے اور شہادت بھی ان کی جو لازم کے ہم عصر ہوں، ورنہ ایسی جرح کو مسترد کر دیا جاتا ہے، یہ کوئی اجتہادی معاملہ نہیں بلکہ اس کے لیے قطعی ثبوت درکار ہے اور اس کا ثبوت صرف اس طریقے سے ہوگا جو شریعت نے مقرر کیا ہوا ہے۔

زیر ابن بکار کی ایک غیر مستند روایت اور امام مالک کی طرف منسوب ایک روایت:

آگے گیا وی صاحب نے پھر ”الاصابة“ کے حوالے سے ”محمد بن ابی الجهم بن حذيفة العدوي“ کی طرف منسوب ایک روایت نقل کی ہے، جو الاصابة میں ”تاریخ یعقوب بن سفیان الفسوی“ کے حوالے سے درج ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

ذكر الزبير أن محمدا هذا شهد الحرة فقتله مسلم بن عقبة بعد ذلك صبوا، وكان قبل ذلك وفد على يزيد فأجازهم، فلما خرج أهل المدينة على يزيد شهد محمد عليه أنه يشرب الخمر وغير ذلك، فقال له مسلم بن عقبة: والله لا تشهد شهادة زور بعدها أبدا، وكذا ذكر يعقوب بن سفیان في تاريخه عن إبراهيم ابن المنذر عن محمد بن الضحاک عن مالك وزاد: وكانت الحرة سنة ثلاث وستين، وقتل يومئذ من حملة القرآن سبعمائة نفس۔

(ترجمہ از گیا وی صاحب) زیر ابن بکار نے ذکر کیا ہے یہ محمد، واقعہ حرہ میں شریک تھے اور واقعہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے ان کو قید کر کے قتل

کر دیا، اس سے پہلے انہوں نے ایک بار یزید سے ملاقات کی تھی اور یزید نے ان کو انعام بھی دیا تھا، لیکن محمد بن ابی الجہم نے یزید کے خلاف گواہی دی تھی کہ وہ شراب پیتا ہے اس کے علاوہ اور غلط باتوں کے بارے میں بھی بتایا تھا، اس پر مسلم بن عقبہ نے کہا: خدا کی قسم اس واقعہ کے بعد جھوٹی گواہی نہ دے گا، اس لئے ان کو قتل کر دیا، اور اسی طرح یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں ابراہیم بن المنذر عن محمد بن ضحاک عن مالک بیان کیا ہے، اور واقعہ ۶۳ ہجری کو پیش آیا تھا اور اس میں سات سو حاملین قرآن اس دن قتل کئے گئے۔^①

اس کے بعد گیاوی صاحب پھر جوش میں آ کر لکھتے ہیں:

”اس کے پہلے والی روایت میں ابو عمرو صحابی نے (جو یزید کے پیدا ہونے سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ ناقل) واللہ لروایت یزید بن معاویہ فرمایا تھا کہ بخدا میں نے یزید کو دیکھا نشر کی حالت میں نماز چھوڑتے ہوئے، اس روایت میں محمد بن ابی جہم رضی اللہ عنہ نے شہادت دی شراب پینے کی، کیا محمد بن ابی جہم جیسا صحابی جھوٹی اور بے دیکھے گواہی دے گا؟ ان کو شہادت کے شرعی شرائط کا علم بھی نہ تھا؟ بعد کے لوگ شہادت کے معنی جان گئے، ان صحابی کو اس کا کوئی علم اور پتہ نہ تھا، کیا یہ بات باور کرنے کے لائق ہے، اس روایت کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، آخری راوی امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس پر روایت ختم ہوتی ہے۔“^②

①② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۷-۶۸.

قارئین محترم! گیاوی صاحب خواخواہ جذباتی ہو رہے ہیں، ان کا کام تھا کہ وہ پہلے اپنا دعویٰ تو ثابت کرتے کہ جن دو صحابہ کی گواہی کا وہ ذکر کر رہے ہیں ان سے یہ باتیں بسند صحیح و متصل ثابت ہیں، کیا گیاوی صاحب کو علم نہیں کہ ”منقطع السند روایت“ اور ”مجهول الحال“ راویوں کی روایت سے کسی کے خلاف ”شرابی“ ہونے کی شرعی شہادت ثابت نہیں ہو سکتی، وہ پہلے یہ روایات تو اصول حدیث کے معیار پر ”صحیح“ ثابت کریں پھر اس کے بعد یہ بات آئے گی کہ اس میں جو بات بیان ہوئی ہے وہ شرعی شہادت بن سکتی ہے یا نہیں۔

پھر ہم نے پہلے بطور مثال ایک واقعہ ذکر کیا تھا جس میں ایک صحابی سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ”زنا“ کی گواہی دی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی گواہی رد کر دی، اور ان پر حد قذف جاری کی گئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر یہ اپنی غلطی مان کر توبہ کر لیں تو پھر مقبول الشہادۃ ہو جائیں گے، لیکن وہ اپنی گواہی پر مصر رہے، اب گیاوی صاحب وہاں بھی اسی جوش و جذبہ کے ساتھ فرمائیں کہ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کو شہادت کے شرعی شرائط کا علم تھا یا نہیں؟ کیا سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ جیسا صحابی جھوٹی گواہی دے گا؟ کیا یہ بات باور کرنے کے لائق ہے؟، اور پھر دوسری طرف یہ فرمائیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت کے شرعی شرائط کا علم تھا یا نہیں؟ انہوں نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ پر حد قذف کیوں لگائی؟۔ فماہو جو ابکم فہو جو ابنا۔

اور مزے کی بات یہ کہ مندرجہ بالا روایت کے بارے میں خود گیاوی صاحب بقلم خود اگلے ہی صفحے پر لکھتے ہیں:

”چونکہ امام مالک کی پیدائش، صحابی رسول جو گواہی دے رہے ہیں محمد بن

ابی الجہم کی شہادت کے بعد ہوئی، لہذا دونوں کے درمیان محدثین کے

قاعدہ سے انقطاع یا ارسال ماننا ضروری ہے“۔^①

گیاووی صاحب کی نئی اصطلاح منقطع السند صحیح روایت؟:

اور اگلی بات نہایت عجیب و غریب لکھی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”پھر اس روایت میں مزید قوت ایک تیسری سند والی روایت سے بھی

ہوتی ہے جس میں واقدی جیسا ضعیف راوی پایا جاتا ہے (یہ روایت،

گیاووی صاحب آگے پیش کرنے جا رہے ہیں۔ ناقل)، دیگر صحیح منقطع

السند روایتیں اس کو قوت پہنچاتی ہیں اس لیے اصول حدیث اور محدثین

کے قاعدہ کے مطابق وہ بھی قوی اور قابل استدلال قرار پائے گی“۔^②

یوں جناب گیاووی صاحب نے خود ہی بتا دیا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

منسوب جو روایت انہوں نے پیش کی ہے وہ ”منقطع“ ہے، کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی

پیدائش ہی ”محمد بن ابی الجہم“ کی وفات کے بعد ہوئی ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے

اس شخص کا نام نہیں ذکر کیا جس سے انہوں نے یہ بات سنی ہے، اور یہ کوئی نماز روزے

یا فقہ کا اجتہادی مسئلہ نہیں بلکہ شراب نوشی کی گواہی کی بات ہے، یہاں ہر چیز کا قطعی

الثبوت ہونا ضروری ہے۔

باقی گیاووی صاحب کی اصطلاح ”صحیح منقطع السند روایتیں“ ہمارے لیے نئی

ہے، شاید انہوں نے ”صحیح“ کی کوئی نئی قسم ایجاد کی ہے، ورنہ ”منقطع السند“ روایت

صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟ (جب تک اس کی سند کا انقطاع کسی اور طریق سے دور نہ کیا

جائے)۔

①② گیاووی صاحب کی کتاب: صفحہ ۶۹-۷۰۔

رہا گیا وی صاحب کا یہ دھوکہ کہ

”امام مالک کے بارے میں آتا ہے کہ وہ جس سے بھی روایت کریں وہ

ثقفہ ہے سوائے عبدالکریم کے“۔

لہذا اس روایت کو بھی قبول کیا جائے، یہ صرف دھوکہ ہی ہے، کیونکہ یہ اس صورت کے بارے میں ہے جب امام مالک جس سے روایت کر رہے ہیں اس کا نام بھی لیں، ورنہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ عبدالکریم ہے یا کوئی اور؟ جبکہ ہماری زیر بحث روایت میں یہ بیان ہی نہیں کہ امام مالک نے یہ روایت کس سے لی ہے، فرض کر لیں میں یہ کہوں کہ امام مالک نے یہ روایت عبدالکریم سے لی ہے، تو گیا وی صاحب میری بات کی تردید کر سکتے ہیں؟

نوٹ: محمد بن ابی الجہم کے والد "ابو جہم بن حذیفہ" فتح مکہ کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔^① اور ان کے بیٹے محمد بن ابی الجہم کے بارے میں صرف یہ ملتا ہے کہ ان کی ولادت عہدِ نبوی میں ہوئی تھی۔^②

اتنی ہی بات گیا وی صاحب کے مدد و (جن کی کتاب سے گیا وی صاحب نے استفادہ کر کے اپنی کتاب لکھی ہے) سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی ذکر کی ہے۔^③ اب آیا انہیں صحبت یا روایتِ نبوی بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اس کی تحقیق درکار ہے۔

① الاستیعاب، جلد ۳ صفحہ ۱۶۲۴ دارالجمیل بیروت.

② الاستیعاب، جلد ۳ صفحہ ۱۳۶۸.

③ دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۹۳.

سیدنا معتقل بن سنان کی طرف منسوب روایت اور گیاوی صاحب کے مغالطے

در مغالطے:

گیاوی صاحب نے اپنے دلائل کی تھیلی جھاڑتے ہوئے ایک بار پھر "وافدی کذاب" کی ایک اور روایت بحوالہ مستدرک حاکم اور طبقات ابن سعد نقل کی ہے، اور نقل کرنے سے پہلے خود اس روایت کو "واقدی والی ضعیف روایت" بھی تسلیم کیا ہے، آئیے اس روایت کا جائزہ لیتے ہیں، ہم یہاں گیاوی صاحب کی طرف سے کیا گیا اس روایت کا اردو ترجمہ ہی نقل کرتے ہیں، اور پھر مذکورہ دونوں کتابوں میں مذکور اس روایت کی سند کا جائزہ لے کر گیاوی صاحب کی تلبیسات پر کچھ عرض کرتے ہیں، گیاوی صاحب اردو میں یوں ترجمہ کرتے ہیں:

”معتقل بن سنان اشجعی، نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہ چکے تھے، فتح مکہ میں اپنی قوم کا جھنڈا لے ہوئے تھے اور تازہ نوجوان تھے اس کے بعد بھی زندہ تھے یہاں تک کے ولید بن عقبہ بن عتبہ بن ابی سفیان نے ان کو بھیجا اور وہ مدینہ کا گورنر تھا پھر مسلم بن عقبہ جو مسرف بن عقبہ سے معروف ہے دونوں جمع ہوئے، سیدنا معتقل نے مسرف سے کہا: دونوں میں پہلے انس و گفتگو تھی یہاں تک کہ معتقل نے یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑا تو معتقل نے بتایا کہ میں تمہرا جبراً اس شخص یعنی یزید کی بیعت کے لئے نکلا لیکن قضاء قدر سے میرا اس کے پاس جانا ہو گیا وہ تو ایسا آدمی ہے کہ شراب پیتا ہے محرمات سے زنا کرتا ہے پھر وہی باتیں کہیں جو یزید کی عادت میں تھیں الخ“ ①

تو یہ ہے وہ روایت جس میں یزید کو ”شرابی“ اور ”زانی“ بتایا گیا ہے، آئیے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۰-۷۱۔

اب اس کی سند کا جائزہ لیتے ہیں، طبقات ابن سعد میں اس کی سندیوں ہے:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ زَيْدِ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ... الخ

اور مستدرک میں امام حاکم نے اپنی سندیوں بیان کی ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْأَصْبَهَانِيُّ، ثنا الحسن بن الجهم، ثنا الحسين بن الفرج، ثنا محمد بن عمرو، قال: كان معقل بن سنان بن مظهر بن عركي بن قتيان بن سبيع بن بكر بن أشجع شهد الفتح مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فحدثني أبو عبد الرحمن بن عثمان بن زياد الأشجعي، عن أبيه، قال: كان معقل بن سنان الأشجعي قد صحب النبي ﷺ... الخ

ان دونوں سندوں پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ دونوں سندوں میں ”محمد بن عمرو قادی“ کذاب و وضاع موجود ہے، جس کا مفصل تعارف ہم شروع میں کروا چکے، خود گیاوی صاحب بھی مجبوراً اسے ”ضعیف“ تسلیم کرتے ہیں، لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں بار بار اس سے دلیل پکڑتے ہیں، اگرچہ حقیقت میں وہ کوئی معمولی ضعیف نہیں بلکہ ”کذاب“ اور ”وضاع“ ہے لہذا روایت کے جھوٹا اور باطل ہونے کے لیے اس کا سند میں ہونا ہی کافی ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد کی سند میں ”محمد بن عمرو قادی“ جس سے روایت کر رہا ہے اس کا نام ”عبدالرحمن بن عثمان بن زیاد“ لکھا ہے، اور چونکہ ”عبدالرحمن“ اپنے والد سے روایت کر رہا ہے تو آخری راوی کا نام ہوا ”عثمان بن زیاد“۔

۳۔ جبکہ مستدرک حاکم کی سند میں ”محمد بن عمرو اقدی“ جس سے روایت کر رہا ہے اس کا نام لکھا ہے ”ابو عبد الرحمن بن عثمان بن زیاد“ اور آخری راوی اس سند میں بھی ہے ”عثمان بن زیاد“۔

۴۔ نیز امام حاکم کی سند میں ”محمد بن عمرو اقدی“ سے روایت کرنے والے کا نام ہے ”حسین بن فرج“ اور اس سے روایت کرنے کا نام ہے ”حسن بن جہم“ اور اس سے روایت کرنے والے کا نام ہے ”ابو عبد اللہ الاصبہانی“ اور اس سے امام حاکم نے روایت کی ہے۔

اب گیاوی صاحب کی کارگیری ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں کہ طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم دونوں کتابوں میں مرور ایام اور طباعت کی غلطی کی وجہ سے راویوں کے نام غلط لکھے گئے ہیں، ان کے مطابق اقدی جس سے روایت کر رہا ہے اس کا صحیح نام ”عبد الرحمن بن زیاد بن عثمان“ ہے جو طبقات ابن سعد میں غلطی سے ”عبد الرحمن بن عثمان بن زیاد“ لکھا گیا اور مستدرک میں غلطی سے ”ابو عبد الرحمن بن عثمان بن زیاد“ لکھا گیا۔ اس کے بعد گیاوی صاحب شروع ہو گئے ہیں ”عبد الرحمن بن زیاد“ اور ”زیاد بن عثمان“ کی توثیق ثابت کرنے میں، لیکن راویوں کے نام تبدیل کر کے بھی ان کی بات نہ بن سکی، پہلے تو کسی ”عبد الرحمن بن زیاد“ نامی راوی کے بارے میں لکھا کہ اس کا ذکر فلاں فلاں کتاب میں ہے، اور یہ قباث بن اشیم صحابی سے روایت کرتے ہیں، اور حوالہ دیا ہے ابن حبان کی ”اللفقات“، ابن ابی حاتم کی ”الجرح والتعديل“ اور امام بخاری کی ”التاریخ الکبیر“ اور علامہ قطلوبغا السودونی کی ”اللفقات ممن لم يقع فی الکتب السنۃ“ کا، جب کہ ان میں سے کسی جگہ بھی یہ بیان نہیں کہ یہ ”عبد الرحمن بن زیاد“ وہی ہیں جو اپنے والد ”زیاد بن عثمان“ سے بھی روایت کرتے ہیں، اور نہ

ہی ان میں سے کسی کتاب میں ان کے دادا کا نام یعنی ”عثمان“ ساتھ لکھا ہے، گویا وی صاحب نے بس ”عبدالرحمن بن زیاد“ لکھا دیکھا اور جھٹ سے حوالے جڑ دیے اور یہ مغالطہ دینے لگے کہ یہ اس ”عبدالرحمن بن زیاد“ سے مراد وہی راوی ہے جو اپنے والد ”زیاد بن عثمان“ سے روایت کرتا ہے، تاہم یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ جو روایت وہ پیش کر رہے ہیں اس میں سرے سے ”عبدالرحمن بن زیاد“ نام کا کوئی راوی ہے ہی نہیں، نہ طبقات ابن سعد میں اور نہ ہی مستدرک حاکم میں، اور گویا وی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں غلطی سے نام تبدیل ہو گئے ہیں، یہ ان کا خیال ہے جو یقینی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پھر گویا وی صاحب ”زیاد بن عثمان“ کا تعارف کرواتے ہوئے خود ہی امام ابن ابی حاتم اور علامہ ذہبی کے حوالے سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ”یہ مجہول ہے“۔

نوٹ: ابن ابی حاتم نے اپنے والد امام ابو حاتم رازی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"هو مجهول" یہ مجہول ہے۔^①

اور علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

"مجهول۔ عدادہ فی التابعین۔ لا یعرف"^②

یہ مجہول ہے، تابعین میں شمار کیا گیا ہے لیکن غیر معروف ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے:

"مجهول" یہ مجہول ہے۔^③

اور ان کتب میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس کی روایت صرف ”عباد بن زیاد“

① الجرح والتعديل، ج ۳ ص ۵۳۹ طبع حیدرآباد دکن.

② میزان الاعتدال، ج ۴ ص ۹۲ دار المعرفۃ بیروت.

③ لسان المیزان بتحقیق شیخ ابی غدہ، ج ۳ ص ۵۳۵ طبع دار البشائر.

سے ہی ملتی ہے۔

لیکن گیاوی صاحب کا اصرار ہے کہ اگرچہ یہ مجہول ہے، لیکن چونکہ ابن حبان نے اس کا نام اپنی کتاب "الثقات" میں لکھا ہے، نیز علامہ قطلوبغا السودونی نے اس کا نام اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے لہذا اسے ثقہ ہی تسلیم کیا جائے، اب سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس کا تعارف کیا ہے؟ ابو حاتم رازی (متوفی ۲۷۷ ہجری) نے بھی اسے "مجہول" ہی کہا ہے، تو اب گیاوی صاحب اس کی "جہالت" دور کرنے کی دلیل یوں دیتے ہیں کہ:

”زیاد بن عثمان سے روایت کرنے والے دو ہیں، ایک تو ان کے بیٹے عبدالرحمن بن زیاد ہیں اور دوسرے حجاج بن حجاج الاسلمی ہیں، اور اصول حدیث کا قاعدہ معلوم ہے کہ جس سے دو شخص روایت کرتے ہیں وہ مجہول نہیں کہا جاسکتا ہے (یعنی جن ائمہ فن نے اسے مجہول کہا ہے ان کے علم میں یہ بات نہیں تھی۔ ناقل) اس لئے عبدالرحمن بن زیاد کو بھی مجہول نہیں کہا جاسکتا ان سے محمد بن عمرو اقدی اور یونس بن سیف روایت کرتے ہیں، غرض اس روایت میں واقدی کے سوا کوئی بھی نہ مجہول اور نہ غیر ثقہ یا ضعیف ہے“۔^①

یہاں گیاوی صاحب نے سراسر مغالطہ دیا ہے، ”زیاد بن عثمان“ نامی راوی کے بارے میں جن کتب کے حوالے خود گیاوی صاحب نے اسی صفحے پر دیے ہیں ان میں سے کسی ایک جگہ بھی یہ ذکر نہیں کہ ”اس سے اس کا بیٹا عبدالرحمن بھی روایت کرتا ہے“ بلکہ یہ تک ذکر نہیں کہ یہ ”زیاد بن عثمان“ واقعی وہی ہے جس کے بیٹے کا نام ”عبدالرحمن“ ہے یا کوئی اور ہے؟ لہذا یہ گیاوی صاحب کا اپنا مفروضہ ہے کہ ”زیاد

① دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۲۔

بن عثمان“ سے روایت کرنے والوں میں اس کا بیٹا ”عبدالرحمن بن زیاد“ بھی ہے، لہذا صحیح یہی ہے کہ ”زیاد بن عثمان“ کی جہالت دور نہیں ہو سکتی، وہ مجہول راوی ہی ہے جیسے ائمہ فن نے تصریح کی ہے۔

الغرض! اس روایت کی سند میں صرف ”واقدی کذاب“ کا ہونا ہی اسے باطل اور مردود روایت ثابت کرنے کے لیے کافی تھا، نیز اگرچہ دونوں کتابوں کی سند میں نہ ہی ”عبدالرحمن بن زیاد“ نامی کوئی راوی ہے اور نہ ہی ”زیاد بن عثمان“ نامی کوئی راوی ہے لہذا ہم نے گذشتہ ساری تفصیل صرف گیاوی صاحب کے مغالطوں کو ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے ورنہ ہمیں ”عبدالرحمن بن زیاد“ اور ”زیاد بن عثمان“ نام کے راویوں پر بات کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔

آخر میں مستدرک حاکم کی روایت کی سند میں موجود ایک اور راوی ”الحسین بن الفرج“ کے بارے میں بھی جان لیں:

امام بیہقی بن معین نے اسے ”کذاب“ اور ”نشر کرنے والا“ (صاحب سکر) کہا ہے، ابو زرہ نے اسے ”لاشیء“ (کچھ بھی نہیں) کہا۔^①

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بفرض محال اس روایت کو ایک لمحے کے لیے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس میں ایسے کوئی الفاظ نہیں کہ سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہو کہ ”میں نے زید کو شراب پیتے اور زنا کرتے دیکھا ہے“، جبکہ ہم بار بار یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ شریعت میں شراب نوشی اور زنا کی شہادت کے اصول و ضابطے معروف ہیں، اور یہ شہادت بھی ان ضابطوں کے مطابق نہیں بن سکتی، یہ بات گیاوی صاحب کے دماغ میں بھی تھی اس لیے انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۳ پر یہ لکھا ہے کہ:

① دیکھیں: المحرر والتعديل، ج ۳ ص ۶۲ طبع حیدرآباد دکن.

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اصحابہ کے اندر ج ۲ ص ۴۴۶ پر معتقل بن سنان صحابی رضی اللہ عنہ سے بحوالہ واقدی یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں:

"انی قدمت علی هذا الرجل فوجدته يشرب الخمر وينكح الحرام... میں اس شخص کے پاس آیا تو اسے شراب پیتے ہوئے پایا اور حرام نکاح کرتے ہوئے۔"

اور پھر آگے خود ہی تشریح کرتے ہیں کہ:

”اس جگہ وجدثہ کے معنی رائیثہ کے ہیں۔“^①

در اصل گیاوی صاحب یہ اس لیے لکھ رہے ہیں تاکہ وہ اسے ”یعنی شہادت“ ثابت کر سکیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ جو نقل کیے ہیں ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت کس کتاب میں ہے؟؟ طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم میں تو نہیں، لہذا جب تک وہ مصدر نہیں مل جاتا جس میں یہ الفاظ ہیں اس وقت تک گیاوی صاحب کی یہ دلیل بھی قابل غور نہیں، کیونکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل سند بیان ہی نہیں کی اور نہ یہ بتایا ہے کہ انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت کہاں سے لی ہے۔ بہر حال جب یہ روایت ہے ہی سرے سے مردود اور باطل تو اس پر مزید وقت ضائع کرنا بھی بے فائدہ ہے، ہاں اگر گیاوی صاحب ”واقدی“ کی گواہی پر کسی کو شرابی اور زانی ثابت کرنے پر ہی بضد ہیں اور اسے عدل و انصاف سمجھتے ہیں تو ان کی مرضی۔

تاریخ ابن عساکر کی ایک روایت پر ایک نظر:

سیدنا معتقل بن سنان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک اور روایت بھی ”تاریخ مدینة دمشق“ المعروف بہ ”تاریخ ابن عساکر“ کے حوالے سے آج کل نقل کی جاتی ہے۔^① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۳۔

ہے، جس کا حوالہ اگرچہ مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب نے نہیں دیا لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے، وہ روایت مع کمل سند یہ ہے:

"أخبرنا أبو غالب الماوردي أنا أبو الحسين بن الطيوردي أنا أبو الحسن محمد بن عبد الواحد بن محمد بن جعفر أنا أبو بكر أحمد بن الحسن بن إبراهيم بن شاذان أنا أبو بكر أحمد بن محمد بن شيبه بن أبي شيبه البرزاز أنا أبو جعفر أحمد بن الحارث الخراز نا أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف المدائني عن عوانة وأبي زكريا العجلاني عن عكرمة بن خالد أن مسلما لما دعا الناس إلى البيعة قال ليت شعري ما فعل معقل بن سنان الأشجعي وكان له مصافيا فخرج ناس من أشجع يطلبونه فأصابوه في قصر العرصة ويقال أصابوه في جبل أحد فقالوا له الأمير يسأل عنك فارجع إليه قال أنا أعلم به منكم إنه قاتلي قالوا أكلا فأقبل معهم فقال له مسلم مرحبا بأبي محمد ويقال قال له أبا عبد الرحمن وبها كان يكنى أظنك ظمأنا وأظن هؤلاء قد أتعبوك قال أجل قال شوبوالة عسلا بثلج من العسل الذي حملتموه لنا من حوارين ويقال قال خوضوا له سويق اللوز بالثلج ففعلوا وسقوه فقال سفاك الله أيها الأمير من شراب الجنة قال لا جرم والله لا تشرب بعدها لا أم لك شرابا حتى تشرب من حميم جهنم قال أنشدك الله والرحم قال ألسنت القائل ليلة لقيتك بطبرية وأنت منصرف من عند أمير المؤمنين وقد أحسن جائزتك سرنا شهرا وحسنا ظهرا ورجعنا صفرا نرجع إلى المدينة فنخلع الفاسق شارب الخمر ونبايع رجلا من المهاجرين أو أبناء المهاجرين ياتيس أشجع فيم

غطفان وأشجع من الخلع والتأميراني والله عاهدت الله لا ألقاك في حرب

أقدر فيها على قتلك إلا قتلتك وأمر به فقتل... ①

خلاصہ اس روایت کا یہ ہے کہ: ”عکرمہ بن خالد“ نامی راوی کا بیان ہے کہ جب مسلم (بن عقبہ) نے مدینہ والوں کو (یزید) کی بیعت کی طرف بلایا (غالباً واقعہ حرہ کے دوران یا اس کے بعد) تو اس نے ”معتقل بن سنان اشجعی“ کے بارے میں کہا کہ: کاش معتقل نے ایسا نہ کیا ہوتا، پس اشجع قبیلہ کے لوگ ان (یعنی معتقل بن سنان اشجعی) کی تلاش میں نکلے، تو انہیں قصر العرصہ نامی جگہ میں پایا (یہ مدینہ کے نواح میں ایک مقام ہے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں جبل احد میں پایا، تو ان لوگوں نے معتقل سے کہا: امیر (یعنی مسلم بن عقبہ) آپ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں تو ان کے پاس لوٹ چلیں، معتقل نے کہا: میں اسے تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں، وہ مجھے قتل کر دے گا، ان لوگوں نے کہا کہ: نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا، تو معتقل ان کے ساتھ آگئے، پس مسلم (بن عقبہ) نے ان سے کہا: خوش آمدید ”ابو محمد“، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے انہیں ”ابو عبد الرحمن“ کے ساتھ مخاطب کیا جو کہ ان کی کنیت تھی، اور کہا: میرا خیال ہے آپ پیاسے ہیں اور ان لوگوں نے آپ کو تھکا دیا ہے، تو (معتقل نے) کہا: ہاں ایسی ہی بات ہے، تو (مسلم بن عقبہ) نے کہا کہ ان کے لیے وہ شہد برف ڈال کر لاؤ جو تم حوارین (ایک مقام کا نام) سے اپنے ساتھ لائے ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ ان کے لیے بادام کا

① تاریخ ابن عساکر، ج ۵۹، ص ۳۶۳-۳۶۵، دار الفکر بیروت.

ٹھنڈا مشروب تیار کرو اور انہیں پلاؤ، چنانچہ انہیں پلایا گیا، تو انہوں نے کہا: اے امیر! اللہ آپ کو جنت کا مشروب پلائے، تو جو اب میں اس نے (یعنی مسلم بن عقبہ) نے کہا: وہ تو ضرور ہوگا، لیکن آپ اس کے بعد جہنم کے کھولتے پانی کے سوا کچھ نہیں پیئیں گے، تو (معتقل نے کہ): میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں رحم کریں، تو (مسلم) نے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں جس رات ہم طبریہ میں ملے تھے، اور آپ امیر المؤمنین (یعنی یزید) کے پاس سے ہو کر آ رہے تھے جس نے آپ کو اچھا انعام و اکرام دیا تھا، اور آپ نے اس وقت کہا تھا کہ: ہم نے مہینے کا سفر کیا، اور (سواری) کی پیٹھ تھکا دی، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا، پس ہم اس فاسق اور شرابی کی بیعت توڑ دیں گے اور مہاجرین یا مہاجرین کی اولاد میں سے کسی شخص کی بیعت کریں گے۔ اور پھر مسلم نے کہا کہ: میں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر آپ مجھے کسی جنگ میں ملے اور مجھے آپ کے قتل پر قدرت حاصل ہوئی تو میں آپ کو قتل کر دوں گا، پس اس کے حکم سے انہیں قتل کر دیا گیا۔“

اس روایت کو بھی یزید کے ”شراب نوش“ اور ”فاسق“ ہونے کی شہادت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ہم اس پر بھی کچھ عرض کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ کہ اس روایت میں جس طرح یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو یہ واقعہ بیان کر رہا ہے وہ خود وہاں موجود نہ تھا بلکہ اس نے کسی اور سے یہ سنا ہے، ورنہ وہ یہ نہ کہتا کہ:

”قبیلہ والوں نے انہیں قصر العرصہ نامی جگہ میں پایا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں جبل احد میں پایا۔“

اور وہ یوں نہ کہتا کہ:

”مسلم بن عقبہ نے سیدنا معقل بن سنان کو ابو محمد کہہ کر مخاطب کیا اور یہ بھی

کہا گیا ہے کہ ابو عبد الرحمن کہہ کر مخاطب کیا۔“

پھر وہ یہ بھی نہ کہتا کہ مسلم بن عقبہ نے:

”شہد کا ٹھنڈا مشروب پلانے کا کہا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادام کا

مشروب پلانے کا کہا۔“

اس طرزِ بیان سے صاف اور واضح ہو گیا کہ اگر یہ بات اس روایت کے مطابق ”عکرمہ بن خالد“ نامی راوی ہی بیان کر رہا ہے تو وہ اس واقعہ کے وقت مسلم بن عقبہ اور سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہما کے پاس نہیں تھا ورنہ وہ یہ نہ کہتا کہ ”یہ بھی کہا گیا ہے کہ.....“ لہذا یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ”عکرمہ بن خالد“ نے یہ واقعہ کس سے سنا ہے اور یہ باتیں کس نے کہیں؟۔ یاد رہے! اسے راوی کا وہم بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ وہ یوں نہیں بیان کر رہا کہ ”مجھے بھول گیا کہ لوگوں نے معقل بن سنان کو قصرِ الحرصہ میں پایا یا جبلِ احد میں، اور مجھے یاد نہیں رہا کہ مسلم بن عقبہ نے سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہما کو ابو محمد کی کنیت سے مخاطب کیا یا ابو عبد الرحمن کی کنیت سے، اور مجھے یاد نہیں آ رہا کہ انہیں شہد کا مشروب پلانے کا کہا یا بادام کا، بلکہ ”وینقال“ کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ”یہ بھی کہا گیا ہے“، کہنے والا کون ہے؟ کوئی علم نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ”عکرمہ بن خالد“ نامی بھی دو آدمی ہیں اور دونوں کا زمانہ

بھی تقریباً ایک ہی ہے، قاضی ابویعلیٰ بغدادی حنبلی (متوفی ۵۸۰ ہجری) نے لکھا ہے:

”عکرمہ بن خالد، اثنان مخزومیان أحدھما مکی وهو: عکرمہ بن خالد

بن سعید بن العاص بن هشام... والآخر مدنی وهو: عکرمہ بن خالد بن

سلمة... ①

”عکرمہ بن خالد نام کے دوراوی ہیں اور دونوں مخزومی ہیں، ان میں سے ایک مکہ کے رہنے والے ہیں، ان کا نام عکرمہ بن خالد بن سعید بن العاص بن ہشام ہے..... اور دوسرے مدینہ کے رہنے والے ہیں، ان کا نام عکرمہ بن خالد بن سلمة ہے۔“

اب یہاں تاریخ ابن عساکر کی روایت میں آخری راوی صرف ”عکرمہ بن خالد“ مذکور ہے، اس کے بعد دادا یا پردادا کا نام نہیں لکھا تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ واقعہ چونکہ مدینہ کا ہے اس لیے یہ ”عکرمہ بن خالد بن سلمة مدنی“ ہے (اگرچہ واقعہ اس کا بھی چشم دید نہیں ہے بلکہ اس نے بھی کسی سے سنا ہے جیسا کہ واقعہ کے انداز بیان سے ظاہر ہے)، اور ”عکرمہ بن خالد بن سلمة“ کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کا کہنا کچھ یوں ہے:

① امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”منکر الحدیث“ کہا۔ ①

② امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف“ کہا۔ ②

③ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”منکر الحدیث“ کہا۔ ③

④ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف“ کہا۔ ④

تیسری بات یہ کہ تاریخ ابن عساکر کی مندرجہ بالا روایت میں ”عکرمہ بن

① تجمیر الأسماء والکنی المذکورہ فی کتاب المتفق والمفترق للخطیب البغدادی، جلد ۲ صفحہ ۶۳ طبع مرکز النعمان، اليمن.

② تاریخ الکبیر، ج ۶، ص ۳۹ طبع حیدرآباد دکن / الضعفاء الصغیر للبخاری، ص ۱۱۱ طبع حیدرآباد دکن.

③ الضعفاء والمتروکون للنسائی، ص ۸۶ طبع دار الوعی حلب.

④ الجرح والتعدیل، ج ۷، ص ۹ طبع حیدرآباد دکن.

⑤ تاریخ الاسلام، ج ۳، ص ۲۸۲ طبع دار الوعی الاسلامی.

خالد“ سے روایت کرنے والے دوراوی مذکور ہیں، ایک "عوانة" اور دوسرے "ابوزکریا العجلانی"، جبکہ اسی سند کے ساتھ یہی روایت (الفاظ کے فرق کے ساتھ) اسی تاریخ ابن عساکر جلد ۵۴ صفحہ ۱۸۱ پر بھی ہے، لیکن وہاں سندیوں ہے:

"عن أبي زكريا العجلاني عن عكرمة بن خالد وعوانة... الخ"

یعنی اکیسے "ابوزکریا العجلانی" عکرمة بن خالد اور "عوانہ"

دونوں سے روایت کیا ہے، اب کون سی سند درست ہے؟ واللہ اعلم۔

چوتھی بات یہ کہ "ابوزکریا العجلانی" مجہول راوی ہے اور اس کا تعارف یا توثیق و تعدیل ہمیں تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہیں ملی، بلکہ ایک معاصر عالم شیخ اکرم بن محمد زیادة الفالوجي الأثري، جنہوں نے ان راویوں کی معجم ترتیب دی ہے جن سے ابن جریر طبری نے روایت کی ہے انہوں نے بھی "ابوزکریا العجلانی" کے بارے میں لکھا ہے:

"لم أعرفه، ولم أجده له ترجمة" ①

"میں اسے نہیں جانتا اور نہ ہی مجھے اس کا تعارف کہیں ملا ہے۔"

نیز اس روایت کی سند میں ایک راوی "عوانة" ہے، اگر اس سے مراد "عوانہ

بن الحکم" ہے تو اس کی توثیق بھی کہیں نہیں ملتی، امام ذہبی نے بھی اتنا لکھا ہے:

"أخباري مشهور عراقي..... وَقَلَّ أَنْ زَوَى حَدِيثًا مُسْنَدًا،

ولهذا لم يذكر بجرح ولا تعديل، والظاهر أنه صدوق" ②۔

"تاریخی روایات بیان کرنے والا مشہور عراقی ہے، بہت کم روایتیں سند

① المعجم الصغير لرواة الامام ابن جرير الطبري، جلد ۲ صفحہ ۷۰۴ طبع دار ابن عفان، القاہرہ

② تاریخ الاسلام للذہبی، جلد ۳، صفحہ ۷۴ طبع دار الغرب الاسلامی

کے ساتھ بیان کرتا ہے اسی لئے نہ اس پر کوئی جرح ملتی ہے اور نہ اس کی تعدیل ملتی ہے، ظاہری طور پر لگتا ہے کہ یہ صدوق ہے۔“

حافظ ابن حجر اسی "عوانہ بن الحکم" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"كان أبوه عبدًا خياطًا وأمه أمة وهو كثير الرواية عن التابعين قل أن روى حديثًا مسندًا وأكثر المدائني عنه" ①

اس کا باپ ایک غلام تھا جو کہ درزی تھا اور اس کی ماں ایک باندی تھی، وہ تابعین سے بہت سی باتیں روایت کرتا ہے لیکن بہت کم ایسا ہے کہ اس نے کوئی بات مسند بیان کی ہو، مدائنی نے اس سے بہت زیادہ روایات لی ہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ "عوانہ بن الحکم" کی تعدیل و توثیق کہیں نہیں ملتی نیز اس کی اکثر روایات غیر مسند ہی ہوتی ہیں۔

پانچویں بات یہ کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے خوش آمدید کہا اور پھر ٹھنڈا شربت پلایا، اور جب انہیں یہ کہا کہ میں آپ کو قتل کرنے لگا ہوں، تو انہوں نے مسلم بن عقبہ کو اللہ کا واسطہ دے کر رحم کرنے کی درخواست کی، یہ بات ہضم ہونے والی نہیں، کیونکہ اگر واقعی سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ جو فیصلہ انہوں نے کیا وہ بالکل درست تھا تو انہیں رحم کی اپیل کرنے کی ضرورت نہ تھی، اس روایت کے ان الفاظ سے ایک صحابی کی ذات پر حرف آتا ہے کہ جب انہوں نے موت سامنے دیکھی تو رحم کی درخواست کرنے لگے اور مسلم بن عقبہ کو "امیر" کہہ کر بلانے لگے، اور یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ اگر مسلم بن عقبہ نے انہیں قتل ہی کرنا تھا تو پھر ان کی تواضع ٹھنڈے

① لسان المیزان بتحقیق شیخ ابی غدہ، ج ۶ ص ۲۳۷ طبع دار البشائر الاسلامیہ.

مشروبات سے کیوں کی؟۔

چھٹی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ یہ روایت سنداً و معنیاً دونوں حیثیتوں سے صحیح اور متصل ہے تو بھی اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات کی دلیل ہو کہ سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے یوں گواہی دی کہ ”میں نے یزید کو شراب پیتے دیکھا اور اسے فلاں فسق والا کام کرتے دیکھا ہے“، بلکہ یہاں صرف اتنا مذکور ہے کہ مسلم بن عقبہ نے معقل بن سنان رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ آپ کو یاد ہے جب ہم فلاں جگہ پر ملے تھے تو آپ نے کہا تھا کہ ہم مدینہ جا کر اس فاسق اور شرابی کی بیعت توڑ کر مہاجرین یا ان کے بیٹوں میں سے کسی کی بیعت کریں گے، لہذا فرض کریں اگر سیدنا معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا بھی ہو تو ان کا یہ کہنا شرعی طور پر ایسی شہادت نہیں قرار دی جاسکتی جس کی بنیاد پر کسی پر شرابی یا فاسق کا الزام ثابت کیا جائے۔

گیاوی صاحب کی تعلی:

گیاوی صاحب نے اس کے بعد عنوان باندھا ہے:

”مذکورہ بالا تاریخی دستاویزوں کی روشنی میں فسق یزید آشکارا، مگر مولانا

اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا غیر معقول موقف“

اور پھر لکھتے ہیں:

”اگر بے ادبی معاف ہو تو اس جگہ عرض کر دوں کہ مولانا حبیب الرحمن

اعظمی اور قاضی ابوبکر ابن عربی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا دیجئے کہ سیدنا

عمرو بن حفص صحابی (ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ - ناقل) اور سیدنا معقل بن

سنان رضی اللہ عنہ دو گواہ چشم دید شہادت یزید کے شراب پینے کی دے رہے ہیں،

اب آپ حضرات صحابہ کو جھٹلا کر کس کی حمایت کر رہے ہیں“^①۔

اس پر ہم بھی گیاوی صاحب سے دست بستہ عرض کرتے ہیں، اگر جسارت معاف ہو تو آپ جو سیدنا معتقل بن سنان رضی اللہ عنہ کی گواہی کا ذکر کر رہے ہیں اس کا دار مدار ”محمد بن عمر واقدی“ جیسے ”کذاب“، ”وضاع“، ”بالاتفاق متروک“ اور ”بالاجماع ضعیف“ شخص پر ہے، اسی طرح آپ نے جو ”ابو عمرو بن حفص بن مغیرة صحابی“ کا نام لیا ہے، یہ صحابی تو یزید کے پیدا ہونے سے کئی سال پہلے فوت ہو چکے تھے، یہ بات انہی کتابوں میں لکھی ہے جن کے حوالے سے آپ نے ان کا صحابی ہونا بتایا ہے، نیز یہ کہ آپ کی اس گواہی کا دار و مدار ”یحییٰ بن فلیح“ ایک مجہول الحال راوی پر ہے، اس کے والد ”فَلَيْحُ بْنُ سَلَيْمَانَ بْنِ أَبِي الْمَغِيرَةِ بْنِ حَنْبَلِ بْنِ الْغَزَاةِ وَيُقَالُ الْأَسْلَمِيُّ“ کی پیدائش ہی طبقہ صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے، جیسا کہ امام ذہبی کے حوالے سے گزر چکا کہ:

"وَلَدَ فِي آخِرِ أَيَّامِ الصَّحَابَةِ، وَهُوَ أَسْنُ مِنْ مَالِكٍ بِقَلِيلٍ"

ان کی ولادت صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے اور یہ (امام) مالک سے قدرے عمر میں بڑے ہیں، تو ”یحییٰ بن فلیح“ نے صحابہ کا زمانہ کیسے پایا ہوگا؟ لہذا گستاخی معاف! قاضی ابوبکر بن العربی، امام غزالی اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی (رحمۃ اللہ علیہ) کو یہ ”چشم دید“ شہادتیں دکھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں کہ آپ کی گواہی کی بنیاد واقدی جیسے کذاب و وضاع اور یحییٰ بن فلیح جیسے مجہول راوی پر ہے۔ نیز آپ یہ بھی بتانا چاہ رہے ہیں کہ آپ کے ایک عینی گواہ ایسے صحابی بھی ہیں جو یزید کے پیدا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے، غور فرمائیں کیا آپ اس کے لیے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۴۔

اپنا علم اور اپنا زور قلم استعمال کر رہے ہیں؟، کیا آپ ”واقدی“ و ”ابن فلیح“ جیسے گواہوں کی بات کو دلیل بناتے ہوئے مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ تعریض کر رہے ہیں کہ:

”مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر کا کیا معنی ہے: نیز یہ کہ یزید جمہور اہل سنت کی تصریح کے بموجب مسلمان تھا، اور کسی مسلمان کو فسق و فجور کے ساتھ متصف ماننے اور ثابت کرنے کے لئے شرعی اصول سے ضروری ہے کہ اس کے فسق و فجور کی چشم دید شہادتیں موجود ہوں“۔^①

ہمیں حیرت ہے کہ گياوی صاحب کو مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس سادہ سی بات کا معنی ابھی تک سمجھ نہیں آیا، اگر نہیں آیا تو ہم مزید سمجھا دیتے ہیں کہ نہ صرف چشم دید شہادتیں درکار ہیں بلکہ وہ شہادتیں دینے والے ”عادل“ بھی ہوں، اب گياوی صاحب ”واقدی“، ”ابو مخنف“، ”محمد بن زکریا الغلابی“ اور ”ابن فلیح“ جیسوں کی روایات کی بنیاد پر اپنی شہادتیں پیش کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں لیکن پہلے ان سب کو ”عادل“ ثابت کریں..... امید ہے اب آپ کو یہ بات سمجھ آگئی ہوگی۔

در اصل گياوی صاحب کو غصہ اس بات کا ہے کہ مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ، حافظ حدیث و مفسر قرآن قاضی ابوبکر ابن العربی (متوفی ۵۴۳ ہجری) کی کتاب ”العواصم من القواصم“ سے یہ الفاظ نقل کیے تھے کہ:

”فإن قيل۔ کان یزید خمازاً۔ قلنا: لا یحل إلا بشاہدین، فمن شہد بذلك

عليه...“

”اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہیں گے کہ دو عینی شاہدوں کی

① گياوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۴۔

شہادت کے بغیر ایسا کہنا جائز نہیں، پس بتاؤ کہ کس نے اس کے خلاف چشم دید گواہی دی ہے؟“

اس پر گیاوی صاحب نے قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کو سنا شروع کر دیا، اور یہاں تک ان پر تعریض کر دی کہ:

”باقی رہی بات قاضی ابوبکر عربی کی ان کے سامنے تو دو یعنی شاہد سیدنا معقل بن سنان رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا عمرو (درست ”ابو عمرو“ ہے۔ ناقل) بن حفص رحمۃ اللہ علیہ پیش کر دیئے البتہ ان کو یہ ضرور یاد دہانی کر دینے کی ضرورت ہے کہ وہ مالکی ہیں اور گزر چکا ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب اور اہل مدینہ کا مسلک شراب کے معاملہ میں یعنی شاہد کا تقاضا کرنا خود ان کے مسلک کے خلاف ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال تھا“۔^①

ملاحظہ فرمائیں! گیاوی صاحب کے نزدیک وہی مرغ کی ایک ہی ٹانگ ہے، بار بار یعنی شاہدوں اور چشم دید گواہوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن جن روایات کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں انھیں خود وہ غیر ثابت اور غیر مستند بھی مانتے ہیں، یا گیاوی صاحب بتائیں کہ کیا چودہ سو سال بعد ان کے سامنے ان دو صحابہ نے اپنی چشم دید شہادت قلم بند کروائی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ کے اس دعوے کی بنیاد وہ راوی ہوئے ناں جن کے واسطے سے آپ تک یہ بات پہنچی؟ تو آپ کو پہلے ان راویوں کو ”عادل“ ثابت کرنا ہے، اور پھر سند کو بھی متصل ثابت کرنا ہے اس کے بعد آپ ان صحابہ کی طرف اس گواہی کی قطعی نسبت کرنے کے مجاز ہوں گے۔ پھر آپ کو خود مالکی مسلک سمجھنے میں غلطی لگی، ذرا فقہ مالکی کی کتب کا مطالعہ فرمائیں، آپ کو کہیں بھی ایسا نہیں ملے گا کہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۸۔

”امام مالک کے نزدیک کسی کو شرابی ثابت کرنے کے لیے عینی شاہد کی ضرورت نہیں“،
 بلکہ ان کے مسلک میں یہ لکھا ہے کہ
 ”اگر دو عادل عینی شاہد یہ گواہی بھی دے دیں کہ ہم نے فلاں شخص کے
 منہ سے شراب کی مہک سونگھی ہے۔“

تو اس گواہی کی بنیاد پر بھی اس پر حد جاری ہوگی۔ (ہم نے ابن رشد مالکی کی
 کتاب کا حوالہ پہلے نقل کر دیا ہے)، جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ”صرف مہک سونگھنے“
 کے عینی شاہد بھی ہوں تو اس سے حد واجب نہیں ہوگی، بلکہ گواہ ایسے ہونے چاہئیں جو یہ
 گواہی دیں کہ ”ہم نے اس شخص کو شراب پیتے دیکھا ہے“، اور یہ بات بھی ذہن میں
 رہے کہ گیاوی صاحب نے کوئی ایک گواہ ایسا بھی تک نہیں پیش کیا جس نے یہ کہا ہو کہ
 ”میں نے یزید کے منہ سے شراب کی مہک سونگھی“، کہ ان کو امام مالک کے مسلک کا بار
 بار ذکر کرنا کوئی مفید ہو۔

اب ہم گیاوی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ آپ فرمائیں! امام اعظم
 ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق جن کے آپ فقہ میں مقلد بھی ہیں، کسی پر شراب نوشی
 کا الزام ثابت کرنے کے لیے کم از کم ایسے دو عدد عادل چشم دید گواہ ہونا ضروری ہیں یا
 نہیں جو یہ گواہی دیں کہ ہم نے خود فلاں شخص کو شراب پیتے دیکھا ہے؟؟۔ بینوا
 توجروا۔

گیاوی صاحب کا غصہ اس پر بس نہ ہوا تو قاضی ابوبکر ابن العربی کے بارے
 میں مزید لکھتے ہیں:

”اب یہ بھی سن لیجئے کہ ابن عربی (درست ابن العربی ہے ناقل) اپنی

اوقات سے زیادہ بڑھ کر لکھنے بولنے کے لئے جانے جاتے ہیں“۔^①

اس پر ہم کیا کہیں؟ صرف اتنا عرض ہے کہ گیاوی صاحب اپنے ان الفاظ پر غور فرمائیں، رائے کا اختلاف الگ چیز ہے لیکن پانچویں چھٹی صدی ہجری میں گزرے امت مسلمہ کے ایک جانے مانے حافظ الحدیث و مفسر قرآن، امام غزالی کے شاگرد اور قاضی عیاض مالکی استاد کے بارے میں یہ طرزِ مخاطب درست نہیں، پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ گیاوی صاحب پاکستان کے ایک صاحب اور چودھویں صدی کے عالم ”سید لعل شاہ بخاری“ کی ایک تنازعہ کتاب ”استخلاف یزید“ کے حوالے سے قاضی ابوبکر ابن العربی کے استدلال کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ کسی کی رائے سے دلائل کے ساتھ اختلاف کوئی معیوب بات نہیں، لیکن حفظ مراتب کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

نوٹ: جن ”سید لعل شاہ بخاری“ صاحب کا تذکرہ گیاوی صاحب نے کیا ہے، انہوں نے تو ”صحیح بخاری“ کی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سیدنا ام حرام رضی اللہ عنہا کے واسطے سے مروی ہے کہ

”میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندری سفر کر کے جہاد کے لیے جائے گا اس نے اپنے لیے (رحمت و مغفرت اور جنت) واجب کر لی..... اور میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشنے ہوئے) ہوں گے“۔

جس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

”أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمَّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۷۸۔

رَسُولَ اللَّهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتَ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَوْلَ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي

يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورَ لَهُمْ، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لَا" ①

اس حدیث کے بارے میں ”سید لعل شاہ بخاری“ لکھتے ہیں:

”میرا دعویٰ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خود ساختہ

ہے، آنحضرت ﷺ نے اول جیش - أوجبوا - مدینة قیصر - مغفور لهم

کے الفاظ نہیں فرمائے۔“ ②

اس ایک مثال سے سید لعل شاہ بخاری صاحب (جو کہ اب اس دنیا میں نہیں رہے) کے نظریات کا اندازہ ہو جاتا ہے، چونکہ اس حدیث سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کی مقبوت نکلتی تھی، تو بجائے کوئی تاویل کرنے کے انہوں نے سیدھا صحیح بخاری کی اس روایت کو ہی ”خود ساختہ“ لکھ دیا۔

اسی طرح لعل شاہ بخاری صاحب نے ”صحیح مسلم“ کی ایک روایت کے بارے میں لکھا کہ:

”میرے نزدیک اس روایت کا ایک جملہ بھی صحیح نہیں ہے، یہ روایت

بجميع اجزاءها ومقاصدها باطل ہے۔“ ③

لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ یہی لعل شاہ صاحب، اپنی اسی کتاب میں محمود احمد عباسی صاحب پر طنز کرتے ہوئے ایک جگہ عنوان قائم کرتے ہیں: ”تصعب نے اندھا کر دیا۔ صحیحین کی روایات کا انکار“ اور پھر اس پر کئی صفحات لکھے ہیں کہ ”محمود احمد عباسی نے بخاری و مسلم کی فلاں فلاں روایت کا انکار کیا ہے

① صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۹۲۳ باب ما قبل فی قتال الروم.

② ایضاً صفحہ ۱۳۳.

③ استخلاف یزید، صفحہ ۳۲۰.

اور فلاں فلاں روایت کے مضامین کو باطل قرار دیا ہے، شاید ان کے

ذہن میں نہ رہا ہو کہ وہ خود بھی یہی کام پہلے کر آئے ہیں۔^①

بہر حال! اس کے بعد گیاوی صاحب نے دو صفحے (۷۹ اور ۸۰) اس بات پر لکھے ہیں کہ کسی امام یا عالم کی طرف سے کسی خلیفہ یا بادشاہ کو ”امیر المؤمنین“ کے لقب کے ساتھ یا و کرنے سے اس بادشاہ کا عادل اور ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ فاسق حکمران کو بھی ”امیر المؤمنین“ کہا جاسکتا ہے، لہذا اگر کسی نے (مثلاً امام لیث بن سعد رضی اللہ عنہ) یزید کی وفات کے بعد بھی یزید کو ”امیر المؤمنین“ کہا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اسے فاسق نہیں سمجھتے تھے۔

ہم اس پر یہ عرض کرتے ہیں کہ گیاوی صاحب یہ فرمائیں کہ کسی بادشاہ کو اس کے سامنے نہیں بلکہ اس کے مرنے کے بعد ”امیر المؤمنین“ کے لقب سے یاد کرنا اس کے ادب و احترام پر بھی دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ ادب و احترام پر بھی دلالت نہیں کرتا تو کیا آپ خود یزید کو ”امیر المؤمنین یزید بن معاویہ“ کہنا اور لکھنا نا پسند تو نہیں کریں گے؟ اگر آپ ایسا نہیں پسند کرتے تو کیوں؟ کیا ایک فاسق کو ”امیر المؤمنین“ کہنا آپ کے نزدیک درست نہیں؟

مزید گیاوی صاحب یہ فرمادیں کہ ان جیسے یزید کے باب میں غلو کرنے والے اور اسے ہر حال میں فاسق و فاجر اور شرابی و زانی ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہوئے محققین، سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو بہت اچھالتے ہیں جس میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو صرف اس بنا پر بیس کوڑے مارے تھے کہ اس نے یزید کو ”امیر المؤمنین“ کہہ دیا تھا،

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۲۲۰ و ما بعد۔

اور خود گیا وی صاحب نے مندرجہ بالا اثر کو بحوالہ ابن حجر ہیتمی صحیح بتایا ہے اور محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا رد کیا ہے جس میں انہوں نے یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے شخص کو کوڑے مارنے والے اثر کو ایک دوسرے اثر سے معارض بتایا تھا۔^①

تو کیا گیا وی صاحب اور ہمنوا ہمیں یہ سمجھائیں گے کہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید کو ”امیر المؤمنین“ کہنے والے کو کوڑے کیوں لگوائے ہوں گے؟ کیا اس شخص نے اسے ”امیر المؤمنین“ کہہ کر کوئی گناہ کر دیا تھا؟ یا اس کی تعریف کر دی تھی؟
نوٹ: عمر بن عبدالعزیز کے یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے شخص کو کوڑے لگوانے والی روایت غیر مستند اور غیر ثابت ہے، یہاں تفصیل کا مقام نہیں۔

گیا وی صاحب کا صحابہ کی تنقیص کے مرتکب ایک شخص کی کتاب سے استدلال:

اس کے بعد گیا وی صاحب نے اپنے دل کی بات، گیا رہو صدی ہجری میں گذرے ایک شخص "صالح بن مہدی المقبلی" (متوفی ۱۱۰۸ ہجری) کی کتاب "العلم الشامخ فی ابصار الحق علی الانباء والمشائخ" کے حوالے سے کہنے کی کوشش کی ہے، اور اس شخص کے کندھے پر بندوق رکھ کر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا رد کرنے کی سعی نامشکور کی ہے، نیز اس شخص کے قلم سے یزید پر لعنت بھی کروائی ہے اور ابن حجر ہیتمی پر تنقید بھی کروائی ہے۔

ہم گیا وی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ اسی شخص نے اسی کتاب میں اسی جگہ یزید سے پہلے اس کے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی کیا ہے، اور کس طرح ان پر تبرا کیا ہے؟ چند جھلکیاں پڑھ لیں:

① دیکھیں گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۶-۱۳۷۔

”وَأَمَّا معاوية فطالب ملك افتحم فيه كل داهية و ختمها بالبيعة ليزيد فالذي يزعم أنه اجتهد فأخطأ، لا نقول اجتهد فأخطأ لكنه اما جاهل لحقيقة الحال مقلد، و اما ضال اتبع هواه، اللهم اننا نشهد بذلك“^①

”جہاں تک معاویہ کی بات ہے، تو وہ حکومت کا طالب تھا، اس نے اپنی حکومت میں ہر صاحب بصیرت آدمی کو ختم کر دیا اور اپنی حکومت کا اختتام یزید کے لیے بیعت لے کر کیا، پس جو یہ کہتا ہے کہ اس نے اجتہاد کیا اور اس میں خطا کھائی، تو ہم نہیں کہتے کہ وہ مجتہد مخطی تھا، بلکہ وہ یا تو حقیقت حال سے جاہل اور مقلد تھا، یا ایسا گمراہ تھا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔“

پھر اسی صفحہ پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والوں پر طنز کرتے ہوئے یہی مصنف لکھتا ہے:

”.....يحسون لمن سنّ لعنة على المنابر في جوامع المسلمين منذ وقتة الى وقت عمر بن عبدالعزيز اللاحق بالأربعة الراشدین رضی اللہ عنہم ورضوا عنه مع أن سب علي فوق المنابر وجعله سنة تصغر عنده العظام.....“

”یہ لوگ ایک ایسے شخص کو اچھا سمجھتے ہیں جس نے مسلمانوں کی تمام جامع مسجدوں کے منبروں پر (سیدنا علی پر) لعنت کرنے کی سنت شروع کی جو اس کے زمانہ سے لے کر عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک جاری رہی جن کا شمار چاروں خلفاء راشدین کے ساتھ ہوتا ہے، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منبروں

① العلم الشامخ فی اشارة الحق علی الأباؤ والمشائخ، صفحہ ۳۶۶.

پر برا بھلا کہنا اور اسے سنت بنا دینا ایسی چیز ہے کہ اس کے سامنے بڑے بڑے جرم چھوٹے لگتے ہیں“۔^①

علاوہ ازیں مولانا گیاوی صاحب نے اس شخص کی کتاب کا حوالہ پیش کرتے ہوئے ایک چالاکی یہ دکھائی ہے کہ اس کی عربی عبارت میں ایک لفظ مرتد کو مرید کے ساتھ بدل دیا اور پھر اردو ترجمہ میں بھی تبدیلی کر دی، اس شخص نے یزید کے بارے میں لکھا تھا:

"واعجب من ذلك من يحسن ليزيد المرتد" جس کا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ "اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے جو کہ یزید مرتد کو اچھا سمجھتا ہے"۔^②

جبکہ گیاوی صاحب نے اس عبارت کو "من يحسن ليزيد المرید" بنا دیا اور اردو ترجمہ میں اسے "یزید پلید" بنا دیا، لہذا مجھے شدید حیرت ہے گیاوی صاحب پر کہ وہ ایک ایسے شخص کی کتاب کے حوالے سے امام غزالی اور ابن حجر ہمتی کا رد کر رہے ہیں جس نے صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ تبرا کیا، اور اگر گیاوی صاحب نے اس کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہوا ہے اور پھر اس سے اپنے حق میں استدلال کیا ہے تو ہمیں یہ رائے قائم کرنے میں کوئی عذر مانع نظر نہیں آتا کہ گیاوی صاحب کے نظریات و خیالات بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی ہوں گے جو اس کتاب کے مصنف کے ہیں۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

① العلم الشامخ فی اثار الحق علی الایام والمشاخ، صفحہ ۳۶۶۔

② مقبولی کی کتاب: صفحہ ۳۶۷ طبع مصر۔

گیاوی صاحب کا پسندیدہ نعرہ:

اپنی کتاب کے صفحہ ۸۶ پر ایک بار پھر گیاوی صاحب نے یہ نعرہ لگایا ہے کہ:
 ”گذشتہ ادراق میں مستند حوالوں کے ساتھ روایتیں گذر چکی ہیں کہ یزید
 شراب پیتا تھا، اور یہ بیان صرف تاریخی بیان نہیں ہے اور اس کے ثبوت
 کے معنی گواہوں اور چشم دید شہادتوں کو لکھ چکا ہوں۔“

یہی بات ایک بار پھر گیاوی صاحب نے صفحہ ۹۵ پر بھی یوں دہرائی ہے:
 ”گذر چکا ہے کہ صحیح روایتوں سے یزید کا فسق ثابت ہے اور تاریخی
 روایتیں صرف اور صرف تائیدی ہیں، ان پر سب کا دار و مدار نہیں۔“

ہم نے گیاوی صاحب کے ان تمام ”مستند“ حوالوں کا مکمل پوسٹ مارٹم کر دیا
 ہے، اور ان کی ”صحیح“ روایتوں کی حیثیت بتادی ہے، نیز گیاوی صاحب کی ان چشم
 دید گواہیوں والی روایات کی حقیقت بھی ہم نے بیان کر دی ہے، ہاں اس بات سے
 ہمیں انکار نہیں کہ اگر گیاوی صاحب کے نزدیک واقعی، ابوحنیف، محمد بن زکریا
 الغلابی جیسے لوگ ”عادل اور ثقہ“ گواہ بننے کے لائق ہوں، نیز منقطع السند روایات
 ان کے نزدیک ”صحیح متصل“ ہوں تو وہ ان پر اعتماد کر کے جو چاہے کہتے رہیں، لیکن وہ
 اپنی یہ زالی تحقیق دوسروں پر تھوپنے کا حق نہیں رکھتے، کیونکہ ہمارے خیال میں شریعت
 کے مقرر کردہ ضابطے اور قانون کی نظر میں نیز اصول حدیث کی رُو سے ان کی پیش کردہ
 روایتوں اور شہادتوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم گیاوی صاحب سے یہ نہیں کہتے کہ وہ
 اپنی تحقیق کے خلاف موقف رکھیں اور ضرور محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے اتفاق کریں،
 ہم نے صرف ان کی اس تحقیق پر نقد کیا ہے اور بس، یہی بات مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں
 لکھی تھی:

”عقیدہ فسقِ یزید کا تعلق سنیت سے نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک علمی تحقیق کی ہے، اگر کسی عالم کے نزدیک شرعی قواعد کے ماتحت اس کا فسق ثابت ہو، اور وہ اس کو فاسق مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے، اور کسی عالم کے نزدیک ان قواعد کی رُو سے اس کا فسق ثابت نہ ہوتا ہو، اس لئے وہ اس کو فاسق نہ مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے“۔^①

آگے گیا وی صاحب لکھتے ہیں:

”تاریخیں اگر سچائی کو سپورٹ کرتی ہیں تو کیا اس وجہ سے تاریخی بیانات کو جھٹلا دینا عقلمندی ہے یا سچائی ہی کا انکار کر دینا صحیح طریقہ ہے؟ میرے خیال میں ایسی حرکت کرنا نہ صرف بے جا یزید کی حمایت کرنا ہے بلکہ عقل کے خلاف بغاوت و سرکشی ہے“۔^②

اس پر معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ گیا وی صاحب جسے ”سچائی“ سمجھے بیٹھے ہیں پہلے اسے ”سچ“ ثابت تو کریں؟ اگر آپ کی اس ”سچائی“ کو سچ مان لیا جائے تو پھر بقول محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ:

”آپ تاریخوں میں یہ پورا بیان پڑھ جائیے، آپ کو کہیں نہ ملے گا کہ سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کے فسق و فجور کا ذکر کیا، یا کو فیوں نے یہ کہا یا لکھا کہ یزید بے نمازی ہو گیا ہے، شراب پیتا ہے، ایسا ہے ویسا ہے، نہ اس کا ہی ذکر ملے گا کہ سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی یہ کہا ہو کہ مجھ کو تو امارت سے کوئی مطلب نہیں نہ اس کی کوئی خواہش ہے، میں تو صرف یزید کے فسق و فجور

① محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ بر شہید کربلاء یزید صفحہ نمبر: ۱۰۹ طبع منو، انڈیا۔

② گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۸۶۔

کے خلاف جنگ کے لیے نکلا ہوں.....“^①

نیز لکھتے ہیں:

”..... وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ و سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام اہل مدینہ جن میں ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں، یزید کی بیعت کر لیتے ہیں، اور کوئی ایک شخص بھی زبان پر یہ نہیں لاتا کہ وہ شرابی، کبابی، فاسق و فاجر ہے، حتیٰ کہ جن دو بزرگوں نے بیعت سے پرہیز کیا وہ بھی اس کا اشارہ تک نہیں کرتے کہ ہم اس کے فسق و فجور کی وجہ سے پرہیز کرتے ہیں، حد ہو گئی کہ جب ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ان حضرات کو تفریق بین جماعت مسلمین سے بچنے کی نصیحت کرتے ہیں، اس وقت بھی وہ یہ نہیں فرماتے کہ تفریق جماعت بے شک بری چیز ہے لیکن ابھی اس کی بیعت ہی کہاں مکمل ہوئی ہے، نیز ایک فاسق و فاجر کو باختیار خود امام و امیر بنانا بھی تو کوئی اچھی بات نہیں ہے لہذا ہم اس کے ہاتھ میں ہاتھ کس طرح رکھ دیں؟“^②

کہیں یہی وجہ تو نہیں تھی کہ گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کا نام تو رکھا ”شہید کربلا اور کردار یزید“ لیکن اس پر کچھ نہ لکھا کہ شہید کربلا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں یزید کی بیعت نہیں کی تھی؟ اور انہوں نے اپنی شہادت تک یزید کی ذات پر کیا کیا الزامات لگائے تھے؟ انہوں نے اپنی کتاب کی ابتدا ہی واقعہ حرہ سے کی ہے، اور ”شہید کربلاء“ کا لفظ صرف کتاب کے ٹائٹل پر ہی لکھا ہے، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے

① محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ: ۳۹-۳۰.

② ایضاً: صفحہ: ۳۸-۳۹.

ہیں کہ یہاں ان کی وہ سچائی کہیں نظر نہیں آتی جو وہ اور ان کے ہمنوا یہ کہہ کر بتاتے ہیں کہ ”سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے خلاف نکلنے کی وجہ اس کا فسق و فجور اور شراب نوشی تھا“۔

یزید کے بارے میں ایک شعر کی حقیقت:

گیادوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۸ پر ”البدایۃ والنہایۃ“ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”زبیر بن بکار“ (متوفی ۲۵۶ ہجری) نے ”عبدالرحمن بن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل“ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے یزید کے بارے میں ایک شعر میں کہا کہ وہ ”خواہشات کے پیچھے نمازیں برباد کرنے والا تھا“، اور پھر بات کو بڑا بنانے کے لیے گیادوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ

”یاد رکھئے اس کا راوی سیدنا عبدالرحمن بن سعید ہے، جو عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید کے صاحب زادے ہیں“۔

اس پر عرض ہے کہ گیادوی صاحب نے اس کی مکمل سند ذکر نہیں کی، اور البدایۃ والنہایۃ میں صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ

”زبیر بن بکار نے یہ بات کہی ہے“، زبیر بن بکار کی وفات ۲۵۶ ہجری میں ہوئی، نیز ”البدایۃ والنہایۃ“ میں اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

”و زعم بعض الناس ان هذا الشعر لموسی بن یسار“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر ”موسی بن یسار“ کا ہے۔“

لہذا جب تک اس بات کی مکمل سند نہیں سامنے آتی ہم اس پر مزید کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لہذا گیادوی صاحب کا آپے سے باہر ہو کر یہ لکھنا کہ:

”محقق ابن کثیر کے الفاظ پڑھیے اور فیصلہ کیجئے کہ کسی مجہول راوی کی بات ہے یا صرف افواہ یا تاریخی بیان ہے، یاد رکھئے اس کا راوی سیدنا عبدالرحمن بن سعید ہے، جو عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں“^①۔

یہ تلیس و مغالطہ دہی کی انتہاء ہے، گیاوی صاحب یہ تو بتائیں کہ کیا زبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ ہجری) نے یہ بات خود عبدالرحمن بن سعید سے سنی ہے؟ اگر نہیں تو پھر درمیان کے راوی کون ہیں؟ چونکہ نہ وہ راوی حافظ ابن کثیر نے ذکر کیے ہیں اور نہ ہی گیاوی صاحب نے لہذا وہ ابھی تک مجہول ہی تو ہیں، پھر آپ نے یہ نعرہ کیوں بلند کیا کہ:

”محقق ابن کثیر کے الفاظ پڑھیے اور فیصلہ کیجئے کہ کسی مجہول راوی کی بات ہے؟“ ہم آپ کے حکم کے مطابق محقق ابن کثیر کی بات پڑھ کر ہی آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ زبیر بن بکار اور عبدالرحمن بن سعید بن زید کے درمیان کے راوی کون ہیں؟، اگر وہ مجہول نہیں ہیں تو گیاوی صاحب ان کا تعارف کروادیں۔

نیز گیاوی صاحب یہ بتائیں کہ کیا عبدالرحمن بن سعید بن زید نے یہ کہا ہے کہ ”میں نے یزید کو شہوات کے پیچھے نماز برباد کرتے دیکھا ہے؟“ عشرہ مبشرہ میں سے کسی صحابی کے بیٹے کی طرف کسی بات کا مجہول راویوں کے واسطے سے منسوب ہونا اس روایت کو صحیح ثابت کر دیتا ہے؟ یا اگر روایت صحیح بھی ہو تو عشرہ مبشرہ میں سے کسی صحابی کا بیٹا ہونا کیا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی بن دیکھے گواہی کو شرعی اصول و ضوابط پر پرکھنا جائے؟۔ اب آپ کا دلائل کا تھیلا خالی ہو گیا تو آپ بے سند باتوں سے استدلال کرنے لگے؟

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ: ۸۷۔

پھر محقق ابن کثیر کو تو خود یقین نہیں کہ یہ شعر کس کا ہے، چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

"وزعم بعض الناس أن هذا الشعر لموسى بن يسار"

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر (عبدالرحمن بن سعید بن زید کا نہیں)

بلکہ موسیٰ بن یسار نامی شخص کا ہے۔“

کیا کسی جم غفیر نے یزید کی شراب نوشی کی شرعی شہادت دی؟:

اس کے بعد گیا وی صاحب نے عنوان باندھا ہے: ”فسق یزید پر وفد مدینہ کی

شہادت“، اور پھر لکھا ہے:

”یزید کے پاس جو وفد گیا تھا، اس وفد میں دو تین ہی آدمی نہ تھے، بلکہ

اس وفد کو تمام مؤرخین ”رجال کثیر“ کہتے ہیں، حتیٰ کہ خود مولانا حبیب

الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وفد کی نہ کوئی تعداد متعین کر پاتے ہیں نہ افراد،

ہر کوئی ایک جم غفیر ہی کہتا ہے۔“

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ورجال کثیر من أشرف اهل المدينة“^①

”اس وفد میں اشرف اہل مدینہ کے بہت افراد تھے۔“

..... (آگے گیا وی صاحب لکھتے ہیں)..... ”اب آپ ہی بتائیے کہ اس

وفد میں عبداللہ بن مطیع اور بقول ابن کثیر عبداللہ بن حنظلہ الغسلی صحابی اور

بقول امام محدث بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ابو عمرو بن حفص صحابی وغیرہ کا ایک جم غفیر موجود

ہے اور لوٹنے کے بعد بلا اختلاف سب یزید کے شراب پینے کو بتا رہے ہیں

اور اس کے نمازوں کے ترک کی بھی گواہی دے رہے ہیں اور اس بنیاد پر

① البدایة والنہایة ج ۸ ص ۳۰۳ مطبوعہ دار ابن کثیر دمشق بیروت.

اس کی بیعت توڑ رہے ہیں اور سب کی سب باتیں متواتر ہیں تو صرف شراب پینا ہی غیر متواتر کیسے ہوگا کہ آج یزید کی حمایت کرنے والے اس کے تواتر کا انکار کر رہے ہیں اور ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ دلیل سے شراب نوشی ثابت کیجئے، بتائیے تواتر کے بعد اب کون سی دلیل چاہئے، اگر کوئی صاحب اس وفد میں سے ایک شخص کا بیان دکھادیں کہ شراب نوشی سے انہوں نے انکار کیا ہے اور آپس میں ہی اس وفد کے بیان میں کوئی اختلاف تھا، لیکن اختلاف محمد بن حنفیہ یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نہ دکھائیے یہ لوگ تو اس وفد میں گئے ہی نہ تھے اور انہوں نے جو کچھ اختلاف کیا ہے وہ بیعت توڑنے سے اختلاف کیا ہے، جس کی وجہ دوسری ہے، شراب نوشی نہیں ہے۔^①

یہاں گیاوی صاحب نے ایک نہیں بلکہ بہت سے مغالطے دیے ہیں اور ایک نہیں بلکہ بہت سی غلط بیانات کی ہیں آئیے آپ کو بتاتے ہیں:

خود گیاوی صاحب نے اپنی کتاب میں جو عبداللہ بن مطیع اور محمد حنفیہ کے درمیان ہونے والی گفتگو پر مشتمل روایت نقل کی ہے (جس پر ہم پہلے تبصرہ کر آئے ہیں) اس میں صرف ایک آدمی یعنی عبداللہ بن مطیع کی بات منقول ہے اور اسی روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ اقرار بھی کیا کہ ”ہم نے یزید کو شراب پیتے خود نہیں دیکھا“، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک نہیں بلکہ ایک لاکھ آدمی بھی کسی سنی سنائی بات کی بنیاد پر یہ کہیں کہ ”فلاں شراب پیتا ہے، لیکن ہم نے خود نہیں دیکھا“ تو ان کی بات کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں، اور لاکھ آدمیوں کی غیر ثابت بات ”تواتر“ ہرگز نہیں کہلائے گی،

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۸۹-۹۰.

اسی بات کو محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”ہر افواہ جو پھیل جائے اس کو خبر متواتر کہنا تواتر کی سخت توہین ہے، تواتر کے لیے جہاں اور شرطیں ہیں اس کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اگر خبر کا تعلق دیکھنے کی چیز سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا مستند انتہا مشاہدہ ہو، ورنہ وہ متواتر نہیں ہو سکتی۔ پس یزید کی بد اعمالیوں کو متواتر کہنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان خبروں کا سلسلہ اوپر جا کر جہاں ختم ہوتا ہے، وہاں بکثرت ایسے لوگوں کے بیانات پائے جاتے ہیں یا نہیں جو یہ کہتے ہوں کہ ہم نے ان بد اعمالیوں کا ارتکاب کرتے ہوئے یزید کو دیکھا ہے، اگر خبروں کا سلسلہ ایسے بیانات پر ختم ہوتا ہے تو ان کو متواتر کہنا بے شک صحیح ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ان کی آخری کڑی محض افواہ اور سنی سنائی باتیں ثابت ہوتی ہیں، تو ان کو متواتر کہنا بالکل غلط اور صریح مغالطہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھ کر کہنے والا ایک شخص بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ جم غفیر، اور دعویٰ کر دیا جاتا ہے تواتر کا، حالانکہ اس صورت میں تواتر تو درکنار، شرعی اصول سے بد اعمالیوں کا مطلقاً ثبوت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں یزید پر شرعی اصول سے فاسق ہونے کا حکم کیسے لگے گا؟“ ①

گیاوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مندرجہ بالا اقتباس آنکھیں کھول کر پڑھ لیتے، اس کے بعد یہ ثابت کرتے کہ

”مدینہ سے جو لوگ گئے ہیں ان میں سے فلاں فلاں نے یہ گواہی دی کہ

① محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: صفحہ ۵۰-۵۱.

ہم نے یزید کو شراب پیتے دیکھا ہے“
اس کے بعد یہ بات آگے نقل ہوتی تو یہ تو اتر قابل قبول ہوتا۔

اس کو آسان مثال سے یوں سمجھئے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ بات ایک قسم کی متواتر ہی چلی آرہی ہے کہ سیدنا عیسیٰ ﷺ کو گرفتار کر کے صلیب پر ڈالا گیا تھا اور انہوں نے صلیب پر ہی جان دے دی تھی، اسی بنیاد پر ہندوستانی متنبی مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ واقعی سیدنا عیسیٰ ﷺ کو صلیب پر ڈالا گیا تھا، اور اس قسم کا چیلنج دیا کہ:

”میرے ساتھ میری شہادت کے واسطے لاکھوں انسان موجود ہیں، قوموں کی قومیں اپنی متواتر اور متفقہ شہادتیں پیش کر رہی ہیں، اگر کسی کو شک و شبہ ہو تو یہودی موجود ہیں، نصرانی موجود ہیں، ان سے پوچھ لو کہ ان کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے..... دیکھو تو اتر قوی کو بغیر کسی زبردست دلیل اور حجت تیرہ کے توڑ دینا اور اس کی پرواہ نہ کرنا بھاری غلطی ہے۔“^①

جبکہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ ﷺ کو اللہ جل شانہ نے دشمنوں سے محفوظ رکھا اور وہ آپ تک پہنچ ہی نہیں سکے تھے، اللہ نے آپ کو آسمانوں پر اٹھالیا، اور قرآن کریم نے صاف ﴿مَا صَلَّبُوهُ﴾ فرما کر اس بات کی تردید فرمادی کہ دشمن انہیں صلیب پر ڈال ہی نہ سکے تھے، لیکن مرزا قادیانی اور اس کے پیروکار ﴿مَا صَلَّبُوهُ﴾ کا معنی یہ کرتے ہیں کہ: ”دشمن، سیدنا عیسیٰ ﷺ کو صلیب پر قتل نہیں کر سکے تھے“ (یعنی گرفتار کر کے صلیب پر ڈالنے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ صلیب پر جان دینے کی نفی ہے)، اور

① ملفوظات مرزا قادیانی، جلد ۵ صفحہ ۶۹۱-۶۹۲

پھر مرزا قادیانی نے یہود و نصاریٰ کے تو اتر قومی کو اپنی دلیل بنایا۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس تو اتر کی بنیاد ہی انواہ پر ہے، اس لیے اسے تو اتر کہنا (بقول علامہ حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ) تو اتر کی توہین ہے، کیونکہ یہودی یا عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے کوئی ایک ایسا معتمد یعنی گواہ پیش نہیں کر سکتے جس نے یہ کہا ہو کہ ”میں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر ڈالا جانا اور انہیں ایذا پہنچا کر قتل کیا جانا خود دیکھا ہے“ کیونکہ خود بائبل ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جس وقت دشمن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے آئے تو حواری جان بچا کر بھاگ گئے تھے اور موقع پر کوئی حواری موجود نہ تھا۔

لہذا کسی کو شرابی یا زانی ثابت کرنے کے لیے شریعت نے ”تواتر“ یا ”شہرت“ کو دلیل نہیں قرار دیا، بلکہ اس کے لئے باقاعدہ ضابطہ شہادت بتایا ہے، اور اگر اس ضابطہ کے مطابق کسی پر یہ الزام ثابت ہو جائے تو پھر اس کے بعد تو اتر کی بھی ضرورت نہیں ہوگی، الزام ثابت سمجھا جائے گا۔

پھر گیادوی صاحب بار بار صحابی ”ابو عمرو بن حفص“ کا نام لیتے ہیں، لیکن انہیں یہ تک علم نہیں کہ تعارف صحابہ پر مشتمل کتب کے مطابق یہ صحابی تو یزید کی پیدائش سے قبل فوت ہو چکے تھے، پھر انہوں نے یزید کو شراب پیتے کیسے دیکھ لیا؟ (اس پر ہم پہلے بات کر آئے ہیں)۔

گیادوی صاحب نے یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ مدینہ سے جو وفد گیا تھا اسے ”جم غفیر“ لکھا ہے، جبکہ ”رجال کثیر“ کا سادہ سا ترجمہ ہے ”بہت سے آدمی“، اب یہ تعداد کتنی تھی؟ یہ کہیں بھی بیان نہیں ہوا، لیکن یہ طے ہے کہ ان میں سے کسی ایک آدمی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ”ہم دمشق گئے تھے تو وہاں ہم نے یزید کو شراب پیتے دیکھا ہے“، لہذا جب ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تو پھر یہ سوال اٹھانا کہ بتایا جائے

کہ اس وفد میں سے کسی نے یزید کی شراب نوشی کا انکار کیا ہو، تلبیس نہیں تو کیا ہے؟، گیا وی صاحب! آپ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ اس وفد میں سے کم از کم دو نے یزید کو شراب پیتے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہو، ہمارا دعویٰ ہے کہ اس بات میں سب کا اتفاق تھا کہ ان میں سے کسی نے اسے ایسا کرتے خود نہیں دیکھا، اب آپ اس بات میں ان میں سے کسی کا اختلاف ثابت کریں۔ دیدہ باید، اس الزام کو ثابت آپ نے کرنا ہے، کیونکہ عینی شہادت آپ کے ذمہ ہے۔

پھر آپ کتنے بھولے پن کے ساتھ کہتے ہیں کہ

”چونکہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ اس وفد میں شامل نہ تھے اس لیے ان کی بات نہ پیش کی جائے۔“

تو عرض ہے کہ یہ بات آپ تب کرتے اگر وفد میں شامل کسی ایک آدمی نے یہ کہا ہوتا کہ ”ہم وہاں گئے تھے تو وہاں ہم نے یزید کو شراب پیتے دیکھا تھا“، اگر ایسی کوئی شہادت آپ کے پاس معتبر راویوں کے واسطے سے ہے تو پیش کریں، اور اگر نہیں، بلکہ آپ کی پیش کردہ (بقول شما) صحیح روایت کے مطابق تو اس وفد کے ایک سرکردہ رہنما عبد اللہ بن مطیع نے خود اقرار کیا تھا کہ ”ہم نے خود یزید کو شراب پیتے نہیں دیکھا“، تو پھر اس گواہی کی شریعت اور ضابطہ شہادت کی رو سے کیا حیثیت رہی؟ اور جب اس وفد میں سے کوئی ایک بھی ”یعنی گواہ“ سامنے نہیں آیا تو پھر ان کی بات اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کی بات میں کیا فرق رہا؟، بلکہ دوسری طرف تو محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی ”چشم دید شہادت“ اسی روایت میں موجود ہے، کیا آپ کے نزدیک محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے جھوٹی گواہی دی تھی؟..... کھل کر بتائیں۔

لہذا آپ سے یہ مطالبہ حق بجانب ہے کہ یزید کی شراب نوشی کو شرعی دلیل اور

گواہی سے ثابت کیجئے جو آپ کسی طرح بھی نہیں کر سکے۔

اور یہ آپ کا صریح مخالف ہی ہے کہ:

”یہ واقعہ (یعنی واقعہ حرہ۔ ناقل) اسلامی تاریخ کا مشہور و متواتر واقعہ ہے، جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، اس کا شکار وہ صحابہ و تابعین ہوئے جنہوں نے یزید کی بیعت توڑی اور اس کے خلاف خروج کیا، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ یزید فاسق ہو چکا ہے، شراب پیتا ہے، تو جب واقعہ مشہور و متواتر ہے تو صحابہ و تابعین کا بغاوت کرنا اور یزید کا شراب پینا بھی مشہور و متواتر ہی ہوا“^①۔

آپ کو یہ ثابت کرنا ہے کہ (آپ کے بقول) جن صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم نے یزید پر ”شراب نوشی“ کا الزام لگایا تھا انہوں نے اپنی اس بات پر کیا شہادت پیش کی تھی؟، اور پھر کیا ان کا یہ الزام مستند طریقے اور عادل و ثقہ راویوں کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے یا نہیں؟، اور اگر ایسی کوئی شہادت فرض کریں قابل اعتماد ذریعے سے ملتی بھی ہے تو کیا وہ شہادت شرعی ضابطہ شہادت کے مطابق کافی بھی ہے یا نہیں؟

پھر آپ نے یہ غلط بیانی کی کہ

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ نے جو اختلاف کیا تھا وہ شراب نوشی کی وجہ سے نہیں کیا تھا“،

جبکہ آپ خود اپنی پیش کردہ روایت میں محمد بن حنفیہ کی طرف سے عبداللہ بن مطیع کی شراب نوشی والی بات کی تردید نقل کر چکے ہیں، محمد بن حنفیہ نے واضح طور پر شراب نوشی کے الزام کو غلط بتایا تھا، اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب عبداللہ بن مطیع کو

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۳۔

سمجھانے کی غرض سے تشریف لائے تو وہاں عبداللہ بن مطیع نے یہ الزام ان کے سامنے دہرایا ہی نہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کی تردید کی ضرورت پیش آتی۔
گیادوی صاحب کا ایک اقرار:

یہیں گیادوی صاحب نے چند سطریں اس بات پر لکھی ہیں کہ
 ”اگر امام وقت درمیان ایام خلافت میں فاسق ہو جائے تو بیعت خود بخود
 ٹوٹ جائے گی یا اس کا معزول کرنا اور بیعت توڑنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا؟“
 اس پر گیادوی صاحب لکھتے ہیں:

”سیدنا عبداللہ بن عمر عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی صحیح ہے، بیعت
 توڑنے والے صحابہ جواز کے قائل ہیں، یہ ایک دوسری بحث ہے، علماء
 متکلمین نے عقائد کی کتابوں میں تفصیلاً اس پر بحث کی ہے، اور مختصراً ابن
 کثیر نے الہدایۃ والنہایۃ میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے، جس کا جی چاہے
 دیکھ لے، اس جگہ یہ مسئلہ زیر بحث نہیں“ ①۔

لہذا یہ بات قارئین کے ذہن میں رہے کہ گیادوی صاحب نے سیدنا عبداللہ بن
 عمر رضی اللہ عنہما کے موقف کو بیعت توڑنے والوں کے مقابلے میں صحیح بتلایا ہے، اس پر ہم مزید
 کلام واقعہ حرہ اور اس کے اسباب و وجوہات کے باب میں کریں گے ان شاء اللہ۔
گیادوی صاحب کی ایک اور تلبیس:

مولانا سید طاہر حسین گیادوی نے صفحہ ۹۰ پر ایک عنوان باندھا ہے: ”مولانا
 اعظمی کا علمی مغالطہ“ اور پھر مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:
 ”ہماری عقیدت اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی کہ ایک شرابی و بے
 ① گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۰۔

نمازی و زانی کی بیعت توڑنے والوں کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے فقیہ مجتہد، عالم باعمل اور متقی و پاک باز صحابی یہ حدیث سنانے جائیں گے کہ: ”جو امام کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے گا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرے گا کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت کا قلابہ نہ ہو، وہ جاہلیت کی موت مرا“^①

اس موقع پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس حدیث کو سنانا صریح دلیل اس بات کی ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر نہیں سمجھتے تھے، اگر فاسق و فاجر سمجھتے تو یہ حدیث نہ سنا تے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایسے فاسق کی بیعت توڑ دینا جائز تو ضرور ہے، مگر بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، لہذا یہ اقدام جائز یا مناسب نہیں ہے۔^②

اس پر گیا وی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ حدیث سنانا ہی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ فسق اور شراب نوشی کا نہیں تھا بلکہ بیعت توڑنے کا تھا ورنہ اگر فسق یا شراب نوشی کا مسئلہ ہوتا تو اس حدیث کو سنانے کی ضرورت نہ تھی، سیدھے سیدھے یہ کہنا چاہئے تھا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو کہ یزید شرابی اور فاسق، حدیث کا سنانا اس جگہ تو بالکل بے محل ہے کیونکہ بحث یزید کے فاسق اور شرابی ہونے کی ہے، اس لیے مذکورہ حدیث کا فسق کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔“^③

① دیکھو مسلم ۲/۱۲۸.

② تبصرہ بر شہید کربلاء و یزید ص ۷۵.

③ گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۱.

ہمارا یہاں گیا وی صاحب سے سوال ہے کہ کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے یزید کے شرابی اور فاسق ہونے کی بات کرنے کی ہمت کی تھی؟ اگر کی تھی تو سند کے ساتھ وہ بیان کریں، بلکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے بیعت توڑنے پر اتنی سخت وعیدیں سنانے اور اپنے متعلقین و اہل و عیال کو یہاں تک کہہ دینے کہ تم میں سے جس نے بھی یزید کی بیعت توڑی، میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہے گا، یہ سب سننے کے باوجود کسی آدمی نے آپ کے سامنے کہنے کی جرأت نہیں کی کہ ”حضرت! یزید شرابی، زانی اور فاسق ہے“، اگر ایسا کچھ ہوا ہوتا تو پھر ہم دیکھتے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس الزام کی تردید فرمائی یا تصدیق فرمائی یا خاموش رہے، اگر گیا وی صاحب کے پاس ایسی کوئی روایت ہے تو پیش کریں۔

اور اگر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے یہ جرأت ہی نہیں کی تو پھر خواہ مخواہ یہ مفروضہ تراشا کہ ”اگر فسق یا شراب نوشی کا مسئلہ ہوتا تو اس حدیث کو سنانے کی ضرورت نہ تھی، سیدھے یہ کہنا چاہئے تھا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو کہ یزید شرابی اور فاسق ہے“، سوائے تلبیس کے اور کچھ نہیں۔ لہذا محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ: ”اگر (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) یزید کو فاسق و فاجر سمجھتے تو یہ حدیث نہ سنا تے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایسے فاسق کی بیعت توڑ دینا جائز تو ضرور ہے، مگر بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، لہذا یہ اقدام جائز یا مناسب نہیں ہے“۔

اس لئے یہ جو مفروضے گھڑ کر پیش کیے جاتے ہیں کہ:

”سمجھتے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے بیعت نہ توڑنے والے بھی

یزید کو فاسق و فاجر و شرابی اور زانی ہی تھے، لیکن صرف فتنہ سے بچنے کی

خاطر انہوں نے بیعت نہ توڑی“،

جیسا کہ خود گیاوی صاحب نے بھی یہ شوشہ چھوڑا ہے اور لکھا ہے کہ:
 ”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اجتہاد میں یزید کی بیعت کا نہ توڑنا اس فتنہ بلکہ اس سے بدرجہا خطرناک فتنہ کی وجہ سے تھا جس کے اندیشہ کا اظہار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملنے اور یزید کی بیعت کا حکم آنے کے وقت انہوں نے پہلے ہی کر دیا تھا“۔^①

یہ صرف ایک مفروضہ ہی ہے، جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یا بیعت توڑنے والوں کا ساتھ نہ دینے والے کسی بھی شخص سے یہ بات ثابت نہیں کہ انہوں نے خود ایسا کہا ہو۔ نیز ذہن میں رہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں تھا بلکہ انہوں نے صریح اور واضح احادیث سنائی تھیں اور ان کا جواب کوئی نہ دے سکا تھا، رہا گیاوی صاحب کا یہ کہنا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملنے پر کسی قسم کے اندیشے کا اظہار کیا تھا، تو ہم نہیں جانتے کہ گیاوی صاحب کا اشارہ کس بات کی طرف ہے، اگر وہ یہ بات وضاحت کے ساتھ ذکر کر دیتے تو اس پر کچھ عرض کیا جاتا۔

گیاوی صاحب کا صحابہ کی ایک جماعت کو ”خروج اور بغاوت کرنے والا“ بتانا

آگے گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

”یزید کے خلاف خروج و بغاوت کرنے والے بھی صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی جنہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تھا“۔^②

یہاں گیاوی صاحب نے بقلم خود یزید کی بیعت توڑنے والوں کو ”صحابہ رضی اللہ عنہم“

①② گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۹۲۔

کی ایک جماعت، اور ”بغاوت کرنے والے“ یعنی ”باغی“ لکھا ہے، لہذا ہمیں کوئی الزام نہ دے کہ ہم صحابہ کو باغی لکھ رہے ہیں۔ لیکن ہمارا گیاوی صاحب سے سوال ہے کہ آپ واقعہ حرہ میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے والے ”متفق علیہ“ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ”جماعت“ میں سے پانچ دس کے نام ہی بسند صحیح لکھ دیں جنہوں نے یزید کی بیعت پہلے کی ہوئی تھی اور پھر توڑ کر اس کے خلاف بغاوت اور خروج کیا تو ہم ممنون ہوں گے، کیونکہ ہم بھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ واقعہ حرہ یعنی ۶۳ ہجری تک کس کس صحابی نے یزید کی بیعت کر رکھی تھی۔

الغرض! سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیعت توڑنے والوں کو ”قیامت کے دن بغیر حجت کے ہونے“ اور ”جاہلیت کی موت مرنے“ اور ”عدار کے لیے ایک جھنڈا نصب کیے جانے“ جیسی وعیدوں پر مشتمل احادیث سنا کر انہیں بیعت توڑنے سے منع کرنا، صریح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے سامنے کسی نے بھی یزید کے فاسق و فاجر و شرابی و زانی ہونے کی بات نہ کی تھی اور اگر بالفرض کی تھی تو ثابت نہ کر سکے تھے۔

آگے گیاوی صاحب ایک بار پھر لکھتے ہیں کہ:

”مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب کی منطق سے لازم آتا ہے کہ عبداللہ بن مطیع، ابو عمرو بن حفص، معتقل بن سنان، محمد بن ابی الجہم رضی اللہ عنہم اور پورا وفد جو مدینہ سے یزید کے پاس گیا تھا اور انہوں نے یزید کے شراب نوشی کی خبر دی تھی وہ سب کے سب جھوٹے تھے اور صحابہ دیدہ و دانستہ کذب بیانی بھی کرتے تھے اور کسی بھی عادل بادشاہ کے خلاف خروج و بغاوت بھی کیا کرتے تھے۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب یا تو ان تمام کو غلط کار اور کاذب مانتے ہیں یا سب کی صحابیت سے انکار کرتے ہیں، اس کے علاوہ

ان کے لئے کوئی تیسرا راستہ نہیں۔^①

میں یہاں گیا وہی صاحب سے ایک بار پھر عرض کروں گا کہ ہم ”محمد بن عمر واقدی“، ”ابوحنفہ لوط بن یحییٰ“، ”محمد بن زکریا الغلابی“ اور ان جیسے راویوں کو یقیناً جھوٹا اور کذاب سمجھتے ہیں، نیز ہم ہر اس روایت کو بطور شرعی شہادت تسلیم نہیں کر سکتے جو ”منقطع السند“ ہو یا اس میں کوئی ”مجهول الحال“ راوی ہو، نیز ہم یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ”ابو عمرو بن حفص بن المغیرة بن عبد اللہ بن عمر بن محزوم المنخزومی“ نامی صحابی یزید کے پیدا ہونے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، لہذا ایسے جھوٹے راویوں، ایسی غیر ثابت شدہ روایات کی بنیاد پر اٹھائے گئے آپ کے خیالی مفروضوں کو بھی ہم درست نہیں سمجھتے۔

کتب حدیث و تاریخ میں بہت سی موضوع اور جھوٹی روایات پائی جاتی ہیں، بہت سی منقطع السند اور ضعیف احادیث بھی پائی جاتی ہیں، تو فرض کریں کوئی شخص کسی موضوع حدیث سے دلیل پکڑے اور کہے کہ ”حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا“۔ اور جب اسے بتایا جائے کہ ”اس حدیث کی سند میں فلاں راوی جھوٹا اور کذاب ہے“ یا ”اس کی سند منقطع ہے“ تو اس کے جواب میں کیا یہ طعنہ دینا درست ہوگا کہ: ”تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا تو نبی ﷺ کو (نعوذ باللہ) غلط بات کہنے والا مانو، یا آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرو؟؟“ ہمارے مطابق تو ہرگز نہیں، لیکن گیا وہی صاحب کی منطق کی رُو سے یہ ”طعنہ“ درست ہوگا۔

لہذا اصولی بات یہی ہے کہ:

”کسی مسلمان پر شراب نوشی، زنا کاری، یا فسق کی تہمت، اس وقت تک

① گیا وہی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۳-۹۴۔

صرف تہمت ہی رہے گی جب تک شریعت کے ضابطہ شہادت کے مطابق چشم دید عادل گواہ نہ پیش کیے جائیں،
اور ایسی گواہی مکمل نہ ہونے کی صورت میں ملزم کو اس الزام سے بری سمجھا جائے گا۔

استخلاف یزید اور بیعت یزید کا مسئلہ:

گیاوی صاحب نے ایک دعویٰ یہ کیا ہے کہ:
”سیدنا عمرو بن حزم اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی، ان کے علاوہ بھی کچھ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے صرف یزید کی بیعت نہیں کی تھی بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا تھا، جیسے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ“..... پھر علامہ ابن اثیر کا قول پیش کیا ہے کہ..... انہوں نے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا کہ:
”وکرہ بیعت یزید“ سیدنا مسور بن مخرمہ نے یزید کی بیعت کو مکروہ سمجھا تھا۔^①

اس پر عرض ہے کہ گیاوی صاحب اور ان کے ہمنوا عام طور پر بیعت کے دو واقعات کو جو کہ الگ الگ ہیں، ایک دوسرے میں ضم کر کے دھوکہ دیتے ہیں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ یزید کے لئے ایک بیعت لی گئی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں جسے ”ولی عہدی“ کی بیعت کہا جاتا ہے، اور اس بارے میں کتب تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے (قطع نظر ان روایات کی اسناد سے) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمان جس باہمی خانہ جنگی اور آپس

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۴.

کی جس خونریزی سے گزرے تھے اس کے پیش نظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحریک و تجویز سے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا تاکہ ان کے بعد اس مسئلہ پر مسلمانوں کی تلواریں جمل و صفین کی طرح پھر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام نہ ہونے پائیں، یاد رہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی ذاتی رائے اور سوچ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چھ حضرات پر مشتمل ایک مجلس بنانے کی تھی کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بنا لیا جائے، ان میں یزید کا نام اشارتاً و کنایہ بھی شامل نہ تھا،

چنانچہ قیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ مجھے، زیاد نے ایک کام سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، جب میں اپنا کام نمٹا چکا تو میں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟، آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: "یکون بین جماعة۔ کہ میرے بعد خلافت ایک جماعت کے درمیان ہوگی، پھر خود ہی اس جماعت کے یہ نام گنائے، سیدنا سعید بن العاص، سیدنا عبداللہ بن عامر، سیدنا حسن بن علی، سیدنا مروان بن الحکم، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین"۔^①

البتہ حالات کے ضمن میں ولی عہدی کے ذریعے تقرر خلیفہ کے طریق کار کو ہی اپنایا گیا جس سے صحابہ کرام میں سے سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا حسین اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم صرف چار صحابہ کا اختلاف بیان کیا جاتا ہے، پانچواں نام سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی لیا جاتا ہے لیکن ان کے بیعت نہ کرنے

① البدایہ والنہایہ، ج ۱۱ ص ۳۲۰ طبع دارمحرر.

کے ثبوت میں نہ تو ان کا کوئی قول و فعل تاریخ میں ملتا ہے اور نہ وہ ان مذکورہ چار صحابہ کے ساتھ اس سلسلے میں کہیں نظر آتے ہیں، البتہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی ولی عہدی کی بیعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”.....فَبَايَعَ لَهُ النَّاسُ فِي سَائِرِ الْأَقَالِيمِ، إِلَّا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعَبْدَ

اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَالْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَابْنَ عَبَّاسٍ“

”سوائے عبد الرحمن بن ابی بکر، عبد اللہ بن عمر، حسین بن علی، عبد اللہ بن زبیر اور ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کے باقی تمام صوبوں اور علاقوں کے لوگوں نے یہ بیعت کر لی تھی“۔^①

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”وَلَمَّا أَحَدَتْ الْبَيْعَةَ لِيَزِيدَ فِي حَيَاةِ مُعَاوِيَةَ، كَانَ الْحُسَيْنِ مَعْنَى مُنْتَمِعٍ مِنْ مَبَايَعَتِهِ هُوَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ، ثُمَّ مَاتَ ابْنُ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ مُصَمَّمٌ عَلَى ذَلِكَ، فَلَمَّا مَاتَ مُعَاوِيَةَ سَنَةَ مِثْسِينَ وَبَوَّعَ لِيَزِيدَ، بَايَعَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَصَمَّمَ عَلَى الْمُخَالَفَةِ الْحُسَيْنِ وَابْنَ الزُّبَيْرِ“۔^②

”جب سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی زندگی میں یزید کی (ولی عہدی کی) بیعت لی گئی تو سیدنا حسین، سیدنا ابن زبیر، سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکر، سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس (رضی اللہ عنہم) اس بیعت سے رکے رہے، پھر سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکر کی وفات اسی حال میں ہو گئی، لیکن جب سنہ ۶۰

① البداية والنهاية، جلد ۱، صفحہ ۳۰۷، طبع دار ہجر.

② ایضاً صفحہ ۳۰۷.

ہجری میں سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات ہوئی اور یزید کی (خلافت کی) بیعت لی گئی تو سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس نے بیعت کر لی، جبکہ سیدنا حسین اور سیدنا ابن زبیر اپنی مخالفت پر قائم رہے۔“

لیکن ان چاروں یا پانچوں حضرات کا یہ اختلاف، ولی عہد کے ذاتی کردار سے متعلق نہ تھا بلکہ ولی عہدی والے طریق کار سے متعلق تھا، ان کا کہنا یہ نہ تھا کہ ہم یزید کی بیعت اس لئے نہیں کرتے کہ وہ فاسق و فاجر اور نالائق و نااہل ہے، بلکہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں اس کی بیعت میں شامل اس لئے ہے کہ جس طریقے سے اس کو خلیفہ نامزد کیا گیا ہے سرے سے وہ طریقہ ہی غلط ہے، "ہرقلیہ" و "کسرویہ" یعنی رومی و فارسی طریقہ ہے، چنانچہ گیواوی صاحب نے ہی خود "البدایۃ والنہایۃ" کے حوالے سے سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا یہ اعتراض نقل کیا ہے جو انہوں نے مروان بن الحکم کے سامنے کیا تھا۔^① اس کے مطابق سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے جو نقطہ اعتراض اٹھایا وہ یزید کے ذاتی کردار یعنی اس کے فسق و عدل سے متعلق نہ تھا بلکہ خلافت کے لئے اس کی نامزدگی کے طریق کار سے متعلق تھا، انہوں نے فرمایا:

"جعلتموها والله هرقلیة وكسرویة"۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

"اجتتم بہا هرقلیة تبایعون لأبنائکم"^②

یعنی اللہ کی قسم! تم نے ہرقلیہ و کسرویہ بنا دیا ہے کہ اپنے بیٹوں کے لئے بیعت لینے لگے ہو۔

① دیکھیں گیواوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۹-۱۲۰۔

② البدایۃ والنہایۃ، ج ۱۱ ص ۳۳۰ دار ہجر/فتح الباری، ج ۸ ص ۵۷۷ دار المعرفۃ بیروت/عمدۃ القاری، ج ۱۹ ص ۱۶۹ دار احیاء التراث العربی بیروت وغیرہا من شروح الحدیث و کتب التاریخ۔

پھر یہی کچھ ان کے بعد سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) نے بھی کہا اور کیا، چنانچہ ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ:

"وقام الحسين بن علي فانكر ذلك و فعل مثله ابن عمر وابن الزبير" ①
 ”(ان کے بعد) حسین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے (بھی) اس تجویز سے اختلاف کیا اور ایسا ہی (حضرات) ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے (بھی) کیا۔“

پھر جب اس سلسلہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود مدینہ منورہ تشریف لائے اور ان حضرات سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو ان سے بھی ان حضرات نے اختلاف ولی عہدی والے طریق کار کے نقطہ پر ہی کیا، یزید کے ذاتی فسق و عدل کا نام اشارتاً بھی کوئی اپنی زبان پر نہ لایا، چنانچہ سب سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے، انہوں نے فرمایا کہ:

”آپ سے پہلے بھی خلفاء ہو گزرے ہیں، ان کے بھی بیٹے تھے، آپ کا بیٹا ان کے بیٹوں سے کوئی بڑھ کر لائق فائق نہیں، انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے وہ رائے قائم نہیں کی تھی جو آپ اپنے بیٹے کے لئے کر رہے ہیں بلکہ انہوں نے تو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھا تھا“ ②۔

ان کے بعد سیدنا معاویہ کی گفتگو سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ہوئی، انہوں نے فرمایا کہ:

”آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے بیٹے کی ولی عہدی کا معاملہ تنہا آپ کے

① کامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۰۰ ادار الكتاب العربی بیروت.

② تاریخ الخلفاء، ص ۳۲۶ طبع وزارة الاوقاف، قطر.

ہی سپرد کر دیں؟ واللہ! ایسا ہرگز نہ ہوگا، ہم تو یہ معاملہ مسلمانوں کے مشورہ میں ہی رکھیں گے (کہ وہی اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے مجاز ہیں)۔“^①

ان کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ: ”اگر آپ بذات خود امارت (و خلافت) سے اکتا چکے ہیں تو ایک طرف ہو جائیے پھر اپنے بیٹے کو آگے لائیے تو ہم اس ہی کی بیعت کر لیں گے، ورنہ اگر آپ کی بیعت کے ہوتے ہوئے آپ کے بیٹے کی بھی بیعت کر لی جائے تو آپ ہی بتلائیے کہ پھر ہم آپ دونوں باپ بیٹوں میں سے کس کی سنیں، مانیں گے، اور کس کی ٹالیں گے؟، اس لئے بیک وقت آپ دونوں باپ بیٹوں کی بیعت نہیں کی جاسکتی (کہ ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے)..... ان كنت قد مللت الامارة فاعتزلها وهلم انك فلنبايعه ارايت اذا بايعت انك معك لا يكما نسمع ونطيع، لا تجتمع البيعة لكما ابدا.....“^②

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد یہ چاروں حضرات، مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے، پیچھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچے، انہوں نے وہاں پھر ان حضرات سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہی تو ان حضرات نے فرداً فرداً گفتگو کرنے کے بجائے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا دیا، اس موقع پر بھی یہ حضرات، تقریر خلیفہ کے طریق کار کو ہی زیر بحث لائے، یزید کے فسق و عدل کا کوئی ذکر اس دفعہ بھی انہوں نے نہیں کیا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن زبیر نے فرمایا کہ:

①② تاریخ الخلفاء، ص ۳۲۶ طبع وزارت الاوقاف، قطر.

”آنحضرت ﷺ سے لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک جن طریقوں سے خلیفہ کا تقرر ہوتا رہا ہے ان میں سے جو طریقہ آپ اختیار کریں ہم اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں (ان کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہمیں قبول نہیں)۔ سیدنا معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا: آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے بیک زبان ہو کر فرمایا: ”قولنا، قولہ“ کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو (ہمارے نمائندے) ابن زبیر نے کہا ہے“۔^①

یہ تو بات تھی یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت کے موقع کی۔ سنہ ۶۰ھ میں سیدنا معاویہ کی وفات کے بعد جب موقع آیا یزید کی بیعت خلافت کا تو اُس وقت ان حضرات میں سے ایک یعنی سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما تو جنت کو سدھار چکے تھے، سیدنا عبداللہ بن عمر اور مورخین کے مطابق سیدنا عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) ہر دو نے اس کی بیعت کر لی تھی، باقی صرف دو یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی ابھی تک اپنی رائے پر قائم تھے، جب ان سے خلافت یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو بیعت انہوں نے اگرچہ اس وقت بھی نہ کی لیکن اپنے اس مخالف کی بنیاد یزید کے فسق و فجور کو اب بھی قرار نہیں دیا، بلکہ جب اُس وقت کے گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے ان دونوں بزرگوں کو بلا کر ان کے سامنے یزید کی بیعت کی بات رکھی تو عام روایات کے مطابق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تو یہ فرمایا کہ:

”مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کیا کرتا اور پھر تم بھی تو میری اس خفیہ بیعت کو کافی نہ سمجھو گے بلکہ اعلانیہ کا بھی مطالبہ کرو گے، اس لئے جب تم اور لوگوں کو بیعت کے لئے بلاؤ تو ہمیں بھی بلا بھیجنا تا کہ معاملہ ایک ہی دفعہ

① کامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۰۳ دارالکتاب العربی بیروت.

میں نمٹ جائے،“ رہے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تو وہ ایک دن کی مہلت لے کر راتوں رات مکہ مکرمہ نکل گئے، اس کے سوا کچھ اور انہوں نے بھی نہ کہا نہ کیا۔^①

لیکن حافظ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ گورنر مدینہ کی طرف سے طلب بیعت کے جواب میں دونوں ہی بزرگوں نے یہ فرمایا تھا کہ:

"مثلنا لایباع سرأولکننا یباع علی رؤس الناس اذا اصبحنا"^②

کہ ہم جیسے آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتے لیکن ہم تو بوقت صبح لوگوں کے سامنے (علی الاعلان) بیعت کریں گے۔ وہاں سے یہ حضرات اپنے گھروں کو لوٹے، پھر (کچھ اور سوچ کر صبح کا انتظار کیے بغیر) راتوں رات ہی مکہ مکرمہ کی طرف نکل گئے۔

گیاوی صاحب کا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر ایک افتراء:

گیاوی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے:

”اسی طرح (یزید) کی ولی عہدی کی بیعت کے معاملہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مخالفت کی اور بخاری میں خود ان کا بیان موجود ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے کے لیے جب ولی عہد پر ارشاد فرماتے ہیں (نوٹ: گیاوی صاحب کی کتاب کی عبارت یوں ہی ہے۔ ناقل) مملوک خلافت کے زیادہ حقدار ہیں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ ان کا جواب دوں کہ جنہوں نے آپ سے اور آپ کے

① طبری، ج ۵ ص ۳۳۹ دار التراث بیروت/البدایة، ج ۱۱ ص ۳۶۸ کامل ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۲۸.

② الاستیعاب فی معرفة الاصحاح، ج ۱ ص ۳۹۶ دار الحیئل بیروت.

والد سے اسلام کے لیے جنگ لڑی ہے وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، مگر

فتنہ اور خون ریزی کے ڈر سے میں بول نہ سکتا“۔^①

قارئین محترم! یہاں گویا وی صاحب نے صحیح بخاری کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ یہ واقعہ یزید کی ولی عہدی کے لیے بیعت لینے کے وقت کا ہے، بلکہ مصنف عبدالرزاق کی ایک صحیح روایت میں صراحت ہے کہ یہ واقعہ حکیم کے فوراً بعد کا ہے (یہ روایت ہم آگے نقل کرتے ہیں) نیز دوسرے قرائن بھی بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت لینے سے بہت پہلے کا ہے، علاوہ ازیں

گویا وی صاحب نے یہاں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر یہ بہتان بھی باندھا ہے کہ

”خود ان کا بیان موجود ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادے

کی ولی عہدی کے لیے بیعت لیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ وہ خلافت کے

زیادہ حقدار ہیں تو میرا ارادہ ان کو جواب دینے کا تھا لیکن میں خاموش

رہا..... الخ“

جب کہ بخاری کی اس روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ منقول نہیں، نہ

انہوں نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کا ذکر کیا اور نہ ہی یہ واقعہ اس وقت کا ہے، کیونکہ

اسی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس وقت ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بقید حیات تھیں

(کیونکہ روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی ہے: قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ...)

کہ میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔^②

اور ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات سنہ ۴۵ میں ہوئی، ایک قول سنہ ۴۵

① دیکھئے بخاری جلد ۲ ص ۵۹۹ اور گویا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۹.

② دیکھیں: صحیح بخاری، روایت نمبر: ۴۱۰۸.

ہجری کا ہے بلکہ ایک قول سنہ ۲۷ ہجری کا بھی ہے۔^①

جبکہ یزیدی ولی عہدی کی بیعت کا واقعہ کسی بھی طرح سنہ ۵۰ ہجری سے پہلے کا نہیں ہے، کیونکہ یہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔^② اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات مشہور اقوال کے مطابق ۳۹ یا ۵۰ یا ۵۱ ہجری میں ہوئی تھی (ایک قول ۵۸ ہجری اور ایک ۴۴ ہجری کا بھی نقل کیا جاتا ہے جو کہ مرجوح ہے، لیکن سید لعل شاہ صاحب کا اصرار ہے کہ یہ مرجوح قول ہی درست ہے)

لہذا گیاوی صاحب اگر اس روایت کو یزیدی ولی عہدی کی بیعت کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں (جیسے ان کے مدوح سید لعل شاہ صاحب نے بھی اس روایت کو یزیدی ولی عہدی کی بیعت کے ساتھ جوڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ بیعت سنہ ۴۴ ہجری کا واقعہ ہے، جبکہ خود سید لعل شاہ صاحب نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ

”اس بارے میں مؤرخین کے صرف دو قول ملتے ہیں، ایک سنہ ۵۱ ہجری

کا اور دوسرا سنہ ۵۶ ہجری کا، میرے احاطہ علم میں کوئی تیسرا قول

نہیں۔“^③

تو اب گیاوی صاحب کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس وقت ام المومنین سیدہ حفصہ

رضی اللہ عنہا زندہ تھیں۔

① الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد ۳ صفحہ ۱۸۱۱ دار العجیل بیروت / الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، جلد ۸ صفحہ ۸۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت / أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، جلد ۶ صفحہ ۶۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

② گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے، دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۴۰۴ اور صفحہ ۴۷۵ اور صفحہ ۲۸۱۔

③ دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۲۷۳ طبع اول۔

نوٹ: محمود احمد عباسی نے أم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات سنہ ۵۳ ہجری میں بتائی ہے۔^① یہ ان کا اپنا خیال ہے، کسی مصدر سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ یہ واقعہ کب کا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، صحیح بخاری کی اسی روایت کے تحت لکھتے ہیں:

"وَوَقَعَ فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنِ مَعْمَرٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَلَمَّا تَفَرَّقَ الْحَكَمَانِ وَهُوَ يَفْسِرُ الْمُرَادَ وَيَعِينُ أَنَّ الْقِصَّةَ كَانَتْ بِصُفْيَانَ وَجُوزَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ الْاجْتِمَاعَ الْأَخِيرَ الَّذِي كَانَ بَيْنَ مَعَاوِيَةَ وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَرِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ تَزُدُّهُ وَعَلَى هَذَا تَقْدِيرَ الْكَلَامِ فَلَمَّا تَدَعَاهُ حَتَّى ذَهَبَ إِلَيْهِمْ فِي الْمَكَانِ الَّذِي فِيهِ الْحَكَمَانِ فَحَضَرَ مَعَهُمْ فَلَمَّا تَفَرَّقُوا خَطَبَ مَعَاوِيَةَ الْخُ وَالْبَعْدَ مِنْ ذَلِكَ قَوْلَ بِنِ الْجُوزِيِّ فِي كَشْفِ الْمَشْكَلِ أَشَارَ بِذَلِكَ إِلَى جَعْلِ عَمَرَ الْخِلَافَةَ سُورِي فِي سِتَّةٍ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ مِنَ الْأَمْرِ شَيْئًا فَأَمَرَ تَهَ بِاللِّحَاقِ قَالَ وَهَذَا حِكَايَةُ الْحَالِ الَّتِي حَزَتْ قَبْلَ وَأَمَّا قَوْلُهُ فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسَ خَطَبَ مَعَاوِيَةَ كَانَ هَذَا فِي زَمَنِ مَعَاوِيَةَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَجْعَلَ ابْنَهُ نَزِيدَ وَلِيَّ عَهْدِهِ كَمَا قَالَ وَلَمْ يَأْتِ لَهُ بِمُسْتَنَدٍ وَالْمُعْتَمَدُ مَا صَرَّحَ بِهِ فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ"^②

خلاصہ: عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے جو روایت ذکر کی ہے اس کے مطابق اس حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ ”جب حکمین الگ ہوئے“ یوں ان الفاظ نے مراد واضح کر دی اور اس بات کی تصریح کر دی کہ یہ

① دیکھیں: تحقیق مزید، طبع دوم، صفحہ ۲۳ طبع: الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی۔

② فتح الباری، جلد ۷ صفحہ ۲۰۳ دار المعرفۃ بیروت۔

واقعہ صفین کا ہے، بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان میں (صلح کے سلسلے میں) آخری ملاقات ہوئی تھی، لیکن عبدالرزاق کی روایت اس بات کو رد کرتی ہے..... اور اس سے بھی زیادہ بعید ابن جوزی کا قول ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس بات کا اشارہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بنائی گئی چھ رکنی شوری میں ان کا کوئی دخل نہ رکھنے سے متعلق تھا، اور دوسری بات کہ جب لوگ منتشر ہو گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، یہ اس وقت سے متعلق ہے جب انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تھا (ابن حجر کہتے ہیں) ابن جوزی نے اس بات کی کوئی مستند دلیل نہیں پیش کی، لہذا قابل اعتماد بات وہی ہے جس کی تصریح عبدالرزاق کی روایت میں ہے۔

یوں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اس قول کا رد کر دیا جس میں اس واقعہ کو سیدنا معاویہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح کے وقت کا بتایا گیا تھا، اس کے بعد ”ابن جوزی“ کی بات کو اس سے بھی زیادہ بعید بتا کر اس کا بھی رد کر دیا، جبکہ سیدنا لعل شاہ صاحب اور ان کے خوشہ چیں گیا وی صاحب ابن جوزی کی اس غیر مستند بات کو لے کر چل رہے ہیں، رہی مصنف عبدالرزاق کی وہ روایت جس کی طرف حافظ ابن حجر نے اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

”عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الثَّوْرِيِّ، عَنِ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عَمَرَ، قَالَ مَعْمَرٌ:
وَأَخْبَرَنِي ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ عَمَرَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى
حَفْصَةَ وَنُوسَاتِهَا تَنْطِفُ، فَقُلْتُ: قَدْ كَانَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ مَا تَرَيْنِ، وَلَمْ يَجْعَلْ
لِي مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ، قَالَتْ: فَالْحَقُّ بِهِمْ، فَإِنَّهُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، وَالَّذِي أَحْسَى أَنْ

يَكُونُ فِي اخْتِباسِكَ عَنْهُمْ فُرْقَةً فَلَمْ تَدْعُهُ حَتَّى يَذْهَبَ، فَلَمَّا تَفَرَّقَ

الْحَكَمَانِ عَطَبَ مَعَاوِيَةَ فَقَالَ: مَنْ كَانَ مُتَكَلِّمًا فَلْيَطْلِعْ قَرْنَهُ" ①

آپ نے دیکھا کہ اس روایت میں صاف طور پر "فلما تفرق الحكمان" کی صراحت ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کے درمیان حکیم ہو رہی تھی، اور اس وقت تو یزید کی ولی عہدی یا بیعت کا دور دور تک کہیں کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔

یاد رہے! جب ایک حدیث کی تشریح دوسری صحیح حدیث سے ہو جائے تو وہاں کسی شارح کے اپنے قول کی ضرورت نہیں رہتی، اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی لیے اسی قول کو صحیح فرمایا ہے جس کی تائید مصنف عبدالرزاق کی روایت کر رہی ہے، لہذا گویا وی صاحب کا اس واقعہ کو یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے ساتھ جوڑنا بھی درست نہیں، اور ہم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ان جیسے عالم کی نظر سے حافظ ابن حجرؒ کی یہ بات اوجھل رہی ہوگی۔

آمد م برسر مطلب:

الغرض! یزید کی ولی عہدی اور استخلاف سے اختلاف کرنے والے سیدنا حسینؑ سمیت چاروں پانچوں ہی صحابہ نے اس سلسلے کے اپنے مکالمات و مذاکرات کے کسی بھی مرحلے میں اپنے اس اختلاف کی بنیاد یزید کے فسق و فجور کو قرار نہیں دیا بلکہ ولی عہدی کے طریقے کار کو قرار دیا۔ اُن کا اختلاف، ولی عہد کی ذات سے ہرگز نہ تھا بلکہ ولی عہدی کے طریقے کار سے تھا۔ وہ اعتراض یہ نہ کر رہے تھے کہ باپ اپنے فاسق و فاجر اور نالائق و نااہل بیٹے کو اپنا جانشین کیوں بنا رہا ہے، بلکہ ان کا اعتراض باپ کے

① مصنف عبدالرزاق، جلد ۵ صفحہ ۴۸۳ حدیث نمبر: ۹۷۷۹۔

بعد مطلقاً بیٹے کی جانشینی پر تھا، خواہ بیٹا، فاسق و فاجر ہو یا عادل و صالح، چنانچہ ان حضرات نے اس موقع پر جس "ہرقلیہ" و "کسرویہ" کا حوالہ دیا تھا اس میں بھی دستور اپنے صرف بدکردار و بدچلن اور نالائق و نااہل بیٹوں کو ہی باپوں کے بعد جانشین بنانے کا نہ تھا بلکہ اچھے بڑے ہر قسم کے بیٹوں کو جانشین بنانے کا تھا، اس لئے ان حضرات کا یزید کی ولی عہدی کو "ہرقلیہ" و "کسرویہ" کہنا ہی بجائے خود اس بات کی کافی اور ثانی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں سیدنا حسین کا اپنے ساتھیوں سمیت اختلاف، باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کے حوالہ سے تھا، بیٹے کے فسق و عدل کے حوالہ سے ہرگز نہ تھا۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مفروضہ نہ جانے کس بنیاد پر پیش کیا کہ:

”مباہین یزید بھی اسے فاسق ہی سمجھتے تھے اس لئے اس کا فسق متفق علیہ تھا“۔^①

اور پھر ایک جگہ یوں لکھا کہ:

”بنیادی طور پر تاریخی شہادتوں سے یہ متعین ہو گیا کہ اُس زمانہ کے تمام اکابر و اقیام خواہ یزید سے بیعت کیے ہوئے ہوں یا نہ کیے گئے ہوں، سب اسے فاسق اور بالفاظ دیگر مستحق عزل جانتے تھے“۔^②

”اور اس سے بھی زیادہ لائق استعجاب امر یہ ہے کہ یہی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے یزید کی بیعت کر لی تھی“۔^③

① ایضاً، صفحہ ۱۱۵

② شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۹ طبع ادارہ اسلامیات، لاہور۔

③ دیکھیں: شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۳-۸۴۔

یوں ہمیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے یزید کو فاسق سمجھتے ہوئے اس کی بیعت کی تھی اور اسے مستحق عزل سمجھتے ہوئے بھی اپنی بیعت نہیں توڑی تھی۔ اس پر محدث اعظمی رضی اللہ عنہ نے سوال اٹھایا تھا۔

نوٹ: مولانا قاری محمد طیب صاحب رضی اللہ عنہ نے جو لکھا ہے کہ ”مباہنین یزید بھی اسے فاسق ہی سمجھتے تھے اس لئے اس کا فسق متفق علیہ تھا“ اور ”سب اسے فاسق اور بالفاظ دیگر مستحق عزل جانتے تھے“، (قاری صاحب کے احترام اور علم و فضل کے اعتراف کے باوجود) عرض ہے کہ یہ محض قاری صاحب کا اپنا خیال ہے، جس کا کوئی واضح ثبوت یا کوئی واضح قرینہ صارفہ عن النظاہر انہوں نے بیان نہیں فرمایا، یہ قاری صاحب نے مباہنین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر کی بات کی ہے اور اپنے اندر کی بات وہ صحابہ خود ہی بتا سکتے تھے، تیرہ چودہ سو سال بعد قاری صاحب مرحوم یا کوئی اور نہیں بتا سکتا اور نہ کسی ایسی بے ثبوتی و بے قرینہ بات کسی اور کے لیے واجب التسلیم ہی ہے، خلاف ظاہر ایسی باتیں تو روافض بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کرتے ہیں، مثلاً یہ کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی بیعت صرف ظاہری طور پر کی تھی، اور تقیہ کے طور پر ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن اندر سے وہ ان کو (معاذ اللہ) منافق و ظالم اور غائب ہی جانتے مانتے تھے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رضی اللہ عنہ، اپنے ایک مکتوب ”در تحقیق و اثبات شہادت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ موافق قواعد سنیاں“ میں زیر عنوان ”مقدمہ سوم در حقیقت اجماع“ تحریر فرماتے ہیں:

”سوم آن کہ حقیقت اجماع اس است کہ ہمہ اہل رائے یک عصر یا زیادہ،

در امرے بایں طور رائے زند کہ اس امر بظلال فلاں وجوہ چنیں است یا

چنان، نہ فقط عدم مخالفت۔

ترجمہ۔ تیسری بات یہ ہے کہ اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ ایک دور یا زیادہ کے تمام اہل رائے کسی معاملے میں اس طرح رائے دیں کہ یہ امر فلاں فلاں دلائل کی بنا پر اس طرح ہے یا اس طرح ہے (یہ اتفاق یا اجماع کہلائے گا۔ ناقل) صرف مخالفت نہ کرنا اجماع نہیں کہلائے گا۔^①

لہذا قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یزید کے فسق کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان (خواہ وہ مباحین ہوں یا غیر مباحین) ”متفق علیہ“ بتانا اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک ان تمام صحابہ و تابعین سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ان سب نے یزید کو فاسق و فاجر کہا تھا۔

یہاں یہ بات بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ کسی مستند آدمی کی ہر کتاب اور ہر بات ہی مستند نہیں ہوا کرتی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر حدیث میں کون مستند ہوگا؟ لیکن قاری صاحب تو اگلے جہاں سدھار چکے، گیا وی صاحب ہی فرمائیں کہ صحیح بخاری کے علاوہ امام بخاری کی دیگر کتب خصوصاً ”جزء القراءة خلف الامام“ اور ”جزء دفع الیدین“ کو آپ بطور حنفی کتنا مستند جانتے مانتے ہیں؟ اس لئے گیا وی صاحب کا بھی ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یزید کے زمانے کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے بعض علماء کے اقوال پیش کرنا کہ فلاں نے یزید کے بارے میں یہ لکھا ہے، فلاں نے یہ کہا ہے اور فلاں کی رائے یزید کے بارے میں یہ ہے، کسی طرح بھی واجب التسلیم نہیں، اگر ہر شخص کی ہر بات یوں سند کا درجہ حاصل کرنے لگ جائے تو پھر صرف یزید کو ہی نہیں بلکہ اس کے باپ دادا کو بھی بہت کچھ ماننا پڑے گا کیونکہ اہل سنت کے بعض اکابر (مثلاً ابو بکر جصاص، مصنف احکام القرآن) نے ان کے بارے میں بھی وہ کچھ لکھا ہے جو

① قاسم العلوم مع ترجمہ اردو انوار النجوم، صفحہ ۱۵۵ ناشران قرآن لیبڈ لاہور۔

میں یہاں نقل نہیں کر سکتا، اور گیاوی صاحب کے علم میں ہوگا کہ ایسے علماء بھی ہیں جنہوں نے یزید کو کافر تک کہا ہے لیکن گیاوی صاحب ان علماء کے علم و فضل کے معترف ہونے کے باوجود ان کی اس بات سے شاید متفق نہ ہوں، گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری نے تو ایک مسئلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

”ابن جریر، ابن اشیر اور ابن کثیر کی ہستیاں بلند پایہ ہیں لیکن اس مرحلے میں ہم ان کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں اور ان کے قول کو رد کر دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں“^①۔
نیز ایک جگہ لکھتے ہیں:

”حافظ ابن کثیر اور طبری کی تحقیق بھی درست نہیں“^②۔

بلکہ لعل شاہ صاحب نے تو صحیح بخاری کی ایک حدیث کو بھی ”خود ساختہ“ لکھ دیا ہے۔^③ لیکن اس کے باوجود (ہمارا ظن غالب اقرب الی الیقین ہے کہ) گیاوی صاحب نے سید لعل شاہ صاحب کی کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ لعل شاہ بخاری صاحب نے اپنی کتاب میں قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ

”اس کا ایک ایک حرف ہمارے مدعا کی تصدیق ہے“۔

نیز لکھا کہ

”ہم نے اس کتاب میں حکیم الاسلام کے مدعا کی ہی تکمیل کی ہے“^④۔

لیکن ہمارا مدعا یہ ہے کہ اصول شریعت و ضابطہ شہادت کی رو سے ثابت شدہ

① ایضاً صفحہ ۲۷۴۔

① استخلاف یزید، صفحہ ۲۷۵۔

② ایضاً صفحہ ۳۲۶۔

② ایضاً صفحہ ۳۲۰۔

فسق و فجور اور شراب نوشی و حرام کاری کے الزامات کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور یہی ہمارا اصولی موقف ہے، خود گیاوی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

”حالانکہ صحیح روایت کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ان کا خیال اور موقف معلوم کیا جائے“^①

لہذا ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی مسلمان پر شراب نوشی اور حرام کاری کا الزام ثابت کرنے کے لیے چونکہ شریعت نے ایک واضح قانون اور ضابطہ مقرر کر رکھا ہے، اس لیے یہاں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کے اپنے خیال یا رائے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ والعاقل تکفیه الاشارة، وللتفصیل مقام آخر۔

دوسری بات جس کی وضاحت اس سلسلے میں ضروری ہے، یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا تین یا چار صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اختلاف، یزید سے نہ تھا، بلکہ سیدنا معاویہ اور ان کے ہمنوا صحابہ و تابعین سے تھا، کیونکہ ولی عہدی کے جس طریق کار سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا تھا وہ طریق کار یزید کا اختیار کیا ہوا نہ تھا بلکہ صحابہ و تابعین کا اختیار کیا ہوا تھا، صحابہ نے ہی اس کی ولی عہدی کی تحریک و تجویز پیش کی تھی اور صحابہ و تابعین نے ہی اس کی تائید کی تھی، یزید نہ تو اس تحریک و تجویز ولی عہدی کا مدعی تھا اور نہ ہی اس کا اصل محرک و مجوز۔

لہذا اس سے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا، بلکہ انہی سے ہو سکتا تھا جو اس طریق کار کے محرک و مجوز اور مؤید و نافذ کنندہ تھے اور وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا صحابہ و تابعین ہی تھے نہ کہ خود یزید، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۳۸.

ہمناو تین چار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مد مقابل ان سینکڑوں صحابہ و تابعین کا موقف یہ تھا کہ ولی عہدی کا جو طریقہ کار یزید کے لئے اختیار کیا جا رہا ہے یہ "ہرقلیہ" و "کسرویہ" ہرگز نہیں ہے کیونکہ "ہرقلیت و کسرویت" تو باپ کے بعد بیٹے کی وہ جائینی ہے جو محض وراثت ہو، بیٹے کی لیاقت و قابلیت سے قطع نظر کر کے ہو، رعایا کے عوام و خواص میں سے کسی کی بھی رائے کا اس میں کوئی دخل عمل نہ ہو، بس باپ کے فیصلے کو ہی رعایا پر ٹھونس دیا گیا ہو، جبکہ یہاں معاملہ ایسا نہ تھا، یزید کو محض وراثت باپ کا جائینی نہ بنایا جا رہا تھا، اس کا تو نہ باپ نے کبھی سوچا تھا اور نہ بیٹے کو اس کا خیال آیا تھا، بلکہ رعایا میں سے ہی بعض صحابہ کی تحریک و تجویز اور تائید کے سامنے چھرکئی مجلس والی اپنی رائے چھوڑ دی تھی۔

رہی بات اہلیت و قابلیت کی؟ تو یزید فی الواقع ولی عہدی کے اہل و قابل تھا یا نہیں لیکن اس موقع پر ملحوظ اس چیز کو بھی ضرور رکھا گیا تھا، اہلیت و قابلیت کو بالکل ہی نظر انداز کر کے محض خلیفہ کا بیٹا ہونے کی ہی وجہ سے اس کو ولی عہد نہ بنایا گیا تھا۔ چنانچہ مؤرخین کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ میں یہ دعا فرمائی کہ:

”اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اس (یزید) کو اس لئے ولی عہد بنایا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کا اہل ہے تو اس کے لئے اس ولایت کو پورا فرما دے، اور اگر میں نے اس کو اس لئے ولی عہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے تو اس ولایت کو اس کے لئے پورا نہ فرما“۔^①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان دونوں موقفوں میں سے کون سا موقف، صحیح یا اصح تھا؟ اس وقت ہماری بحث اس سے نہیں، یہاں تو ہم صرف یہ بتا رہے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمناو صحابہ کا یہ اختلاف، یزید سے نہ تھا بلکہ اپنے ہی ہم عصر دوسرے صحابہ

① البدایہ، ج ۱، ص ۳۰۸ دارمجر.

و تابعین سے تھا، اور اختلاف بھی یزید کی ذات اور اس کے فسق و عدل سے متعلق نہ تھا بلکہ تقریرِ خلیفہ کے طریق کار سے تھا۔

گیا وی صاحب کے پیش نظر رہے کہ، مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس وقت موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے یزید کی بیعتِ خلافت کر لی تھی۔^①، اگرچہ اس کے بعد قاری صاحب مرحوم نے اس کی دوراز کاریہ تاویل کی ہے کہ انہوں نے فتنہ سے بچنے کے لیے بیعت کر لی تھی، چونکہ ہماری زیر بحث اس وقت وہ کتاب نہیں اس لیے ہم آگے چلتے ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محرم سنہ ۶۱ ہجری تک (یعنی آپ کی شہادت تک) یزید کی ذات یا کردار کے بارے میں کسی قسم کے فسق و فجور یا شراب نوشی اور زنا کاری کا الزام ثابت نہیں، اگر ہوتا تو گیا وی صاحب اسے ضرور ذکر کرتے، بلکہ الٹا ”فقہ راویوں“ والی صرف ”صحیح الاسناد“ نہیں بلکہ ”صحیح“ روایت سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کربلا میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے وہاں ایک تجویز یہ بھی پیش کی تھی کہ:

”أَنْ يَسِيرُوا إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، فَيَضَعُ يَدَهُ فِي يَدِهِ“^①۔

”کہ انہیں امیر المؤمنین کی طرف بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دیں“۔

اس روایت کو صحیح تاریخ الطبری کے محققین نے صحیح تسلیم کیا ہے: ج ۳ ص ۶۸ نیز ڈاکٹر محمد شبانی نے مواقف المعارضة فی عہد یزید بن معاویہ میں بھی اس کی سند کو صحیح

① دیکھیں: شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۳-۸۴ طبع ادارہ اسلامیات لاہور پاکستان۔

② تاریخ الطبری، ج ۵ ص ۳۹۲ دار التراث بیروت۔

بتایا ہے: ص ۳۴۲۔

جو اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسین ؑ کا اختلاف بھی یزید کے فسق و فجور یا اس کی ذات کی وجہ سے نہ تھا، ورنہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ جب آپ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھنے کی تجویز دے رہے ہیں تو کیا اس وقت اس کا فسق و فجور ختم ہو گیا تھا؟۔ (لیکن کیا کریں کہ گیاوی صاحب کو ایسی صحیح روایات کتب تاریخ میں نظر نہیں آتیں)۔

حتیٰ کہ وہ حضرات جن کے بارے میں گیاوی صاحب فرماتے ہیں کہ

”انہوں نے سنہ ۶۳ ہجری میں واقعہ حرہ کے موقع پر یزید کی بیعت اس

لیے توڑ دی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ یزید شرابی اور فاسق ہو چکا ہے“،

ان حضرات کا بھی سنہ ۶۰ ہجری سے واقعہ حرہ تک یزید کی بیعت میں داخل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ”خلع بیعت“ (بیعت توڑنا) تب ہی ہوتا ہے جب پہلے بیعت کی ہو، چنانچہ گیاوی صاحب خود دانستہ یا نادانستہ یہ لکھ چکے ہیں کہ:

”یزید کی طاقت متحد تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے،

دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا

ہوا..... دو سال بعد سنہ ۶۳ ہجری میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی

ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے.....“^①

الغرض! بتانا یہ مقصود تھا کہ بیعت لینے کے واقعات دو ہوئے ہیں، ایک سیدنا معاویہ ؓ کی زندگی اور آپ کی خلافت میں یزید کے لیے جانشینی کی بیعت، اور دوسری سیدنا معاویہ ؓ کی وفات کے بعد سنہ ۶۰ ہجری میں یزید کی خلافت کی بیعت، لیکن ہوتا یہ ہے کہ مغالطہ دینے کے لیے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸-۱۲۹.

”فلاں فلاں صحابی نے بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی، اور وہ اسے نا اہل سمجھتے تھے“۔

اور پھر نام بھی وہ گنوائے جاتے ہیں جنہوں نے پہلی بیعت کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا دوسرے صحابہ کرام کی رائے کے ساتھ اختلاف کیا تھا، جبکہ اس اختلاف کا یزید کے کردار یا اس کے فسق و فجور کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، اور نہ ہی انہوں نے اس وجہ سے اختلاف کیا کہ وہ یزید کو نا اہل سمجھتے تھے، اور یہی کام گیا وی صاحب نے بھی کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ:

”سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی“۔^①

لیکن یہ نہیں بتایا کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ تو یزید کی تخت نشینی یعنی سنہ ۶۰ ہجری سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، لہذا اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ (جو کہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں، اس سے متعلق گیا وی صاحب نے ایک طویل روایت آگے پیش کی ہے اس پر بات ہم آگے کریں گے) کہ انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی تو یہ واقعہ پہلی یعنی ولی عہدی والی بیعت کا ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ یزید کی خلافت والی بیعت کا، لیکن عام قاری کو صرف یہ لکھ کر کہ ”انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی“ دھوکہ دیا جاتا ہے، واضح رہے کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتب میں یوں لکھا ہے:

”ومات بالمدينة سنة إحدى وخمسين۔ وقيل: سنة ثلاث وخمسين،

وقد قيل: إن عمرو بن حزم توفي في خلافة عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

بالمدينة“۔^②

① گیا وی صاحب کی کتاب صفحہ: ۹۳۔

② الاستيعاب في معرفة الاصحاب، جلد ۳ صفحہ ۱۱۷۲ دارالجيل بیروت۔

آپ کی وفات سنہ ۵۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوئی، اور ۵۳ ہجری بھی کہا گیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔

اسد الغابۃ میں ہے:

”وتوفي بالمدينة سنة إحدى وخمسين، وقيل: سنة أربع وخمسين، وقيل: سنة ثلاث وخمسين، وقيل: إنه توفي في خلافة عمر بن الخطاب بالمدينة، والصحيح أنه توفي بعد الخمسين، لأن مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ رَوَى أَنَّهُ كَلَّمَ مَعَاوِيَةَ بِكَلَامٍ شَدِيدٍ لَمَّا أَرَادَ الْبَيْعَةَ لِيَزِيدَ“^①

آپ کی وفات سنہ ۵۱ ہجری میں مدینہ میں ہوئی، اور ۵۴ اور ۵۳ ہجری میں بھی بتائی گئی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہوئی، اور صحیح یہ ہے کہ آپ کی وفات سنہ ۵۰ ہجری کے بعد ہوئی ہے، کیونکہ محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت سخت باتیں کی تھیں جب انہوں نے یزید کے لیے بیعت کا ارادہ کیا تھا۔

نوٹ: سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد بن سیرین کی مروی یہ روایت آگے آرہی ہے، وہاں اس پر مزید عرض کیا جائے گا۔

اور الاصابۃ میں ہے:

”قال أبو نعیم:

مات في خلافة عمر، كذا قال إبراهيم بن المنذر في الطبقات. ويقال بعد

① اسد الغابۃ، جلد ۴ صفحہ ۲۰۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

الخمسين ①۔

”ابو نعیم نے کہا ہے کہ ان کی وفات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہوئی، اسی طرح ابراہیم بن المنذر نے بھی طبقات میں کہا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات ۵۰ ہجری کے بعد ہوئی۔“

لہذا جب سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی وفات بالاتفاق سنہ ۶۰ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی اور یزید کے تخت نشین ہونے کے وقت وہ زندہ ہی نہ تھے تو پھر گیاوی صاحب کو یہ مغالطہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ ”انہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی“، ان کا فرض تھا کہ وہ ساتھ یہ بھی وضاحت کرتے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے، جب ابھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی۔

کیا خلافت یا امارت کا اہل ہونے کے لیے کسی کا اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل ترین ہونا ضروری ہے؟

گیاوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

”اس وقت موجود صحابہ کے مقابلہ میں یزید ہرگز نہ تو اہل تھا اور نہ ہی مناسب، کیونکہ اس سے افضل اور اولی افراد اس وقت خلافت کے لئے موجود تھے، جن کے ہوتے ہوئے یزید قطعاً مناسب اور اہل نہ تھا کیوں کہ اس کا کردار بھی بہت صاف ستھرا نہ تھا، مہلک کردار کا آدمی تھا، اور میں نے معتبر صحیح اور بے داغ سندوں سے اس کا داغدار کردار پہلے ہی ثابت کر لیا ہے، لیکن وہ سب اس کے دور اقتدار کے سنبھالنے کے بعد کی بات ہے، ولی عہدی کے زمانہ میں مہلک کردار تاریخی روایت سے

① الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت.

ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اس مشکوک کردار کی وجہ سے اگر اس کو فاسق نہیں کہہ سکتے تو بالکل بے داغ کردار والا بھی نہیں تسلیم کر سکتے ہیں..... الخ“ ①

عرض ہے کہ، مندرجہ بالا اقتباس میں مغالطے در مغالطے ہیں، گیاوی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کے وقت اس طریق کار سے اختلاف رکھنے والے حضرات نے ہرگز یزید کے کردار پر کسی قسم کی انگلی نہیں اٹھائی تھی، اس لئے اب گیاوی صاحب نے نیا لفظ ”مشکوک کردار والا“ لکھا ہے، جبکہ اختلاف کرنے والوں میں سے کسی نے اس وقت یزید کو ”مشکوک کردار والا“ بھی نہیں کہا تھا، یہ سب گیاوی صاحب کے اندر کے جذبات ہیں اور کچھ نہیں، اور کسی مسلمان کو بلا دلیل ”مشکوک کردار“ کا حامل قرار دینا بھی جائز نہیں، لیکن یہاں گیاوی صاحب نے آخر یہ اقرار کر ہی لیا ہے کہ ان کے دلائل کے تھیلے میں یزید کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے کے دور میں اس کے فاسق یا شرابی ہونے کی کوئی پکی دلیل نہیں ہے، اسی لیے وہ صرف ”مشکوک کردار“ کے لفظ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، نیز اپنے اس اعتراف سے انہوں نے اپنی پیش کردہ ”محمد بن زکریا اللغلابی“ والی روایت پر بھی پانی پھیر دیا جس میں ہے کہ یزید تو نوجوانی میں شراب پیتا تھا اور اس کے شرابی ہونے کا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی علم تھا، بہر حال ایک مسئلہ تو حل ہو گیا کہ گیاوی صاحب کو اس بات کا اقرار ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات (رجب ۶۰ ہجری) تک تو یزید کے فاسق یا شرابی یا فاجر وزانی ہونے کی کوئی معتبر شہادت ان کے پاس بھی نہیں، اور وہ خود لکھ رہے ہیں کہ جو بزعم خود ”معتبر صحیح اور بے داغ سندوں والی روایات“ انہوں نے پیش کی ہیں وہ سب ”یزید“

① گیاوی صاحب کی کتاب: ۱۲۳۔

کے دور اقتدار سنبھالنے کے بعد کی بات ہے، لہذا اب محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سوال بجا طور پر بہت اہمیت کا حامل ہو گیا ہے کہ:

”یہ بتانا پڑے گا کہ پھر بیعت کے کتنے دنوں بعد وہ فاسق ہوا تھا“۔^①

یہ سوال اس لیے بھی اہم ہے کہ معلوم کیا جائے کہ وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت (محرم ۶۱ ہجری) سے پہلے فاسق ہو گیا تھا، یا اس کے بعد کسی وقت، تاکہ پھر اس کے حساب سے آگے چلا جائے، کہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آج کے بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف کربلائی خروج اس وقت ہوا تھا جب یزید کافسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تھا۔

رہی یہ بات کہ ”یزید خلافت کے لئے نا اہل تھا“، تو یہ بات بھی درست نہیں، کسی آدمی کے زمانہ میں اس سے مرتبہ میں افضل لوگوں کا موجود ہونا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ مفضول کو خلافت اور حکومت کے لیے ”نا اہل“ قرار دیا جائے، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”خليفة کے لیے اپنے زمانے میں سب سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں،

بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ مقاصد خلافت اس سے انجام پائیں“۔^②

بلکہ مولانا لکھنوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

”بلکہ اگر دو شخص ہوں، ایک افضل اور دوسرا مفضول، لیکن مفضول میں

مقاصد خلافت انجام دینے کی قابلیت افضل سے زیادہ ہو، تو ایسی صورت

میں مفضول کو خلیفہ بنانا اولیٰ ہوگا“۔^③

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۷۴۔

② تحفہ خلافت، صفحہ ۷۹ طبع تحریک خدام اہل سنت جہلم۔

③ ایضاً صفحہ ۸۱

خود یزید کے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب شام کا گورنر بنایا گیا تو کیا مرتبہ میں ان سے بڑے صحابہ کرام (سابقون اولون) موجود نہ تھے؟ اور جب فتح مکہ کے بعد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد ”ابوسفیان رضی اللہ عنہ“ کو خیران کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو کیا اس وقت ان سے مقام و مرتبہ میں بڑے صحابہ کرام موجود نہ تھے؟، اور لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی مثال تو سب کے سامنے ہے جس میں جید صحابہ کرام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں جہاد کے لیے بھیجا تھا، لہذا اگر تو یوں کہا جائے کہ ”یزید اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل نہ تھا“، تو درست ہوگا، کہ وہ صحابی نہ تھا، اور اس کے زمانہ میں صحابہ بھی موجود تھے، لیکن اگر اسے یوں بیان کیا جائے کہ ”اپنے سے افضل اور اولیٰ افراد کے ہوتے ہوئے یزید قطعاً اہل نہ تھا“، سراسر زیادتی ہے، اور ان صحابہ کرام کی رائے کو غلط بتانا ہے جو صدق دل سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل ہے، پھر یزید اپنے والد کی زندگی میں ایسے لشکروں کا امیر رہ چکا تھا جن میں صحابہ کرام بھی شامل ہوتے تھے، ان صحابہ میں سے تو کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ ”ہم اس نااہل کے زیر امارت کیوں جہاد یا حج کریں؟“

شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے اور جزائر ارض اور بلاد ہائے ایشیاء کو چمک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزما یا جا چکا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے“۔^①

اور علامہ سید سلیمان ندوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت کا مصداق بتاتے

① مکتوبات شیخ الاسلام، مکتوب نمبر ۸۸ ج ۱ ص ۲۷۱۔

ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحرِ اخصر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔“^①

گیانوی صاحب کا ایک اعتراف اور ایک مغالطہ:

لہذا گیانوی صاحب نے اپنی مندرجہ ذیل عبارت میں مجبوراً یہ اعتراف تو کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کسی نے بھی یزید کو فاسق و فاجر اور شرابی نہیں کہا، لیکن انہوں نے ساتھ ہی ایک بہت بڑا مغالطہ دینے کی بھی کوشش کی ہے، چنانچہ زیر عنوان ”یزید کی خلافت پر صحابہ کرام کی ناراضگی“ لکھتے ہیں:

”مولانا اعظمی کا یہ ارشاد تو ٹھیک ہے کہ مضبوط اور شرعی دلیل سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں کسی نے یزید کو نہ فاسق کہا نہ فاجر نہ شرابی، لیکن کسی نے اس کو نا اہل نہ قرار دیا ہو، یہ بات بالکل درست نہیں ہے، حقیقت واقعہ کے بالکل خلاف بھی ہے، چونکہ جس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہدی کی بیعت لی، ایک سے زیادہ صحابہ کو اعتراض تھا اور اس کے لیے خوشی سے آمادہ بھی نہ تھے.....“^②

یہاں گیانوی صاحب نے واضح طور پر یہ اعتراف تو کر لیا کہ ”کسی مضبوط اور

① سیرۃ النبی، ج ۲ ص ۳۹۰، ادارہ اسلامیات لاہور۔

② گیانوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۵

شرعی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کسی نے یزید کو فاسق یا فاجر یا شرابی کہا ہو، اس سے ایک تو ان کی پیش کردہ وہ تمام روایات خود بخود ہباء منثوراً ہو گئیں جن سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یزید تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی شراب نوشی کرتا تھا، دوسرا جب وہ یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید پر کسی کی طرف سے بھی فسق و فجور یا شراب نوشی کا الزام لگانا ثابت نہیں تو یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے وقت جن چند صحابہ کا اختلاف مذکور ہے ان میں سے کسی نے بھی یزید کے فسق و فجور یا شراب نوشی کا ذکر بھی نہیں کیا تھا.....

یہی بات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ان حضرات کا اختلاف یزید کی ذات یا اس کے کردار کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ولی عہدی کے اس طریق کار سے تھا، لیکن گیاوی صاحب پھر بھی یہی مغالطہ دے رہے ہیں کہ ان اختلاف کرنے والوں کی وجہ اختلاف یزید کی نااہلی تھی، یعنی وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہی یزید (گیاوی صاحب کے خیال میں) خلافت کا اہل ہوتا، تو یہ حضرات اپنا اختلافی موقف نہ رکھتے، اور باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کو بلا چون و چرا قبول کر لیتے؟؟ گیاوی صاحب بھی اس بات سے کبھی متفق نہیں ہوں گے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب ان حضرات کا اختلاف یزید کی ذات سے نہیں تھا بلکہ باپ کے بعد بیٹے کو خلافت کے لیے نامزدگی پر تھا، تو پھر یزید ہوتا یا کوئی اور، ان کا یہ اختلافی موقف جسے انہوں نے "ہرقلیہ و کسرویہ" کے ساتھ بیان کیا تھا پھر بھی اپنی جگہ قائم رہتا۔

لہذا جب یزید کی ولی عہدی سے اختلافی موقف رکھنے والے ان چار یا پانچ حضرات کا اختلاف یزید کی ذات سے متعلق تھا ہی نہیں، اور ان میں سے کسی سے یہ

منقول بھی نہیں کہ انہوں نے اپنے بیانیہ میں یزید کی ذات یا اس کے کردار کا ذکر کیا ہو، بلکہ گياوی صاحب خود بھی مانتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کسی نے یزید کے فسق و فجور اور شراب نوشی کا ذکر نہیں کیا تھا، تو پھر یہ کہنا کہ ”وہ یزید کو نا اہل سمجھتے تھے“ اور گياوی صاحب کا یہاں ”یزید کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ناراضگی“ کا عنوان لکھنا سراسر ایک مغالطہ ہے اس کے سوا کچھ نہیں، اگر وہ یزید کو نا اہل سمجھتے تھے اور ان کی ناراضگی کا سبب یزید تھا تو اس کی کوئی وجہ بھی تو انہوں نے بیان کی ہوگی؟ وہ کیا ہے؟ لہذا گياوی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا اختلافی موقف بیان کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اپنے بیانات سے یہ ثابت کرتے کہ انہوں نے اپنے اختلاف کی وجہ یزید کی نا اہلی بتائی تھی، اور ان کی ناراضگی کی وجہ یزید کا برا کردار تھا۔ ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین۔

گياوی صاحب کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر رشوت دینے اور زور

زبردستی کرنے کا الزام

لیکن کیا کریں، گياوی صاحب نہ جانے کس ترنگ میں یہ بھی لکھ گئے کہ: ”غرض اس وقت جب ولی عہدی کی بیعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کے لئے لے رہے تھے، سیدنا انس، سیدنا ابن عباس، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا سعید بن زید (جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے) سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سارے صحابہ جو بقید حیات تھے سب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی اور ان میں سے کوئی بھی یزید کی ولی عہدی کو بہ خوشی منظور کرنے کو آمادہ نہ تھا، کیوں کہ یہ حضرات صحابہ، نہ تو یزید کی شخصیت کو اکابر صحابہ کی موجودگی میں خلافت کا اہل سمجھتے

تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام اسلام کے شورائی نظام کے مناسب تھا، یہ اقدام جس زمانہ کی بات ہے وہ بہت سے تجربہ کار اور اکابر صحابہ کے ماحول میں اذا وسد الأمر الی غیر اہلہ فانظر الساعۃ کے قبیل سے تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو اختیار کر لینا ایک خلاف اولیٰ اقدام تھا اور صحابہ کی بڑی تعداد اس عمل کو غیر مناسب اور یزید کو نااہل سمجھ رہی تھی پھر بھی کسی ناجائز اور حرام کارکناب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے لازم نہیں آتا تھا، لیکن اس وقت کے ماحول میں یزید خلافت کا اہل اور قابل امید وار بھی نہ تھا کہ اس کی تعریف کی جائے بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کام میں زور اور زر کا بھی استعمال کرنا پڑا۔^①

قارئین محترم! یہ ہے گیا وی صاحب کے اندر کی بات، جو آخر باہر آ ہی گئی، وہ یزید کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور چار پانچ کے سوا اس وقت موجود ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنا غصہ آخر ظاہر کر ہی بیٹھے جنہوں نے اس وقت کے حالات کے پیش نظر یزید کی ولی عہدی کی تجویز کو بخوشی قبول کیا، گیا وی صاحب قیامت تک زور لگائیں، تمام غیر ثابت اور منقطع روایات بھی جمع کر لیں لیکن وہ ایسے دس صحابہ کرام کے نام بھی نہیں گنوا سکتے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی ہو، پھر گیا وی صاحب ان چار پانچ کے علاوہ دیگر ”بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم“ پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی، اور پھر یہی نہیں ایک ہی سانس میں ان چند صحابہ کرام پر بھی جھوٹ باندھ دیا جنہوں نے ولی عہدی اور جانشینی کے اس

① گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۰-۱۲۱.

طریق کار سے اختلاف کیا تھا کہ ان کا یہ اختلاف یزید کی ذات کی وجہ سے تھا یعنی گیاوی صاحب کے نزدیک اگر یزید ان حضرات کے نزدیک خلافت کا اہل ہوتا تو انہیں کوئی اختلاف نہ ہوتا؟۔ یہی گیاوی صاحب کی غلطی ہے کہ وہ ان چار پانچ صحابہ کے اجتہادی اختلاف کو یزید کی ذات اور اس کی نااہلی کے ساتھ جوڑ رہے ہیں۔

پھر گیاوی صاحب نے اپنی اوقات سے بڑھ کر یہاں صحابہ کرام کو ”شورائی نظام“ سکھانا چاہا ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ خلیفہ وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی دیگر صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کے بعد ہی ولی عہدی کی اس تجویز کو پیش کیا تھا۔ اور گیاوی صاحب اس بات سے تو انکار کر رہے ہیں کہ کم از کم سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک جنہوں نے یزید کی جانشینی کی تجویز دی تھی اور پھر اسے قبول بھی کیا تھا، یزید خلافت کے لیے ہر طرح سے اہل تھا، خود گیاوی صاحب یہ لکھ آئے ہیں کہ:

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ہی رائے پر قائم رہے اور ان کی رائے میں یزید

بالکل اہل اور خلافت کا حقدار تھا“۔^①

تو گیاوی صاحب کی ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کیا اوقات ہے کہ وہ اپنے قد سے بڑھ کر بولنے لگے؟ اور پھر آپے سے باہر ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام بھی لگانے لگے کہ انہوں نے یزید کی بیعت لینے کے لئے زور، زبردستی اور دولت و پیسے کا بھی استعمال کیا (دوسرے لفظوں میں رشوت دینے کے مرتکب ہوئے)۔ اور پھر اپنے اس الزام کے حق میں ”زبیر بن بکار“ کے حوالے سے ایک ایسی روایت پیش کرنے لگے جس کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۱۹.

”اس سند میں کوئی جان نہیں ہے“۔^①

اور اس کے بعد چھ سو سال بعد پیدا ہونے والے علامہ ذہبی کی بات کو پیش کر رہے ہیں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین، سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے جبراً و قہراً بیعت لی تھی اور وہ لوگ مجبور و عاجز ہو گئے“۔^②

قارئین محترم! یہی گیاوی صاحب ہمیں پہلے یہ تاثر دیتے رہے کہ فلاں فلاں صحابہ نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا تھا اور اس کی بیعت نہیں کی تھی، اب یہی گیاوی صاحب ہمیں علامہ ذہبی کے حوالے سے یہ بتا رہے ہیں کہ نہ صرف سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے بلکہ خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی جبراً و قہراً سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مغلوب ہو کر یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔

ہم تو علامہ ذہبی کی اس بات سے ایک فیصد بھی متفق نہیں، کیونکہ ہماری رائے میں سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی یزید کی ولی عہدی والی بیعت نہیں کی تھی۔ لیکن ہم گیاوی صاحب سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے زبردستی اور جبراً یزید کی ولی عہدی والی بیعت کر لی تھی، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب آپ کے مطابق یزید نے بھی انہیں بیعت کرنے پر مجبور کیا تو یہاں انہوں نے کیوں جبراً و قہراً بیعت نہ کی؟ جبکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ صرف وہ دو ہی ایسے ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت خلافت نہیں کی، ہے کوئی جواب؟

①② گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۱-۱۲۲.

باقی اہل سنت کے نزدیک خلافت کا اہل ہونے کے لیے کسی کا مرتبہ کے لحاظ سے اپنے عصر میں سب سے افضل ہونا ضروری نہیں، بلکہ اگر کوئی مفضول، امور حکومت چلانے میں افضل سے زیادہ ماہر ہو تو حکومت چلانے کا وہی زیادہ اہل ہوگا، ایسی مثالوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ اور گیاوی صاحب کی یہ بات بلا دلیل ہے کہ

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد یزید کو نا اہل سمجھ رہی تھی“۔

بڑی تعداد سے ان کی مراد اگر چار یا پانچ صحابہ ہیں تو ان سے ہی ثابت کر دیں کہ انہوں نے اس وجہ سے اختلاف کیا تھا کہ ان کی نظر میں یزید خلافت کے لیے نا اہل تھا، ورنہ گیاوی صاحب اپنے مفروضے اپنے پاس رکھیں۔

پھر اسی جگہ گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

”جمع الزوائد کے حوالہ سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اعتراض کرنا گذر ہی چکا ہے اور تمام تاریخی بیانات سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی متفق ہیں کہ اس کام کے لیے بخوشی آمادہ نہیں تھے، عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی، سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے صاف کھل کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی جس کا تذکرہ مسند صحیح مسند ابویعلیٰ میں موجود ہے جو تاریخی بات بھی نہیں بلکہ حدیثی سند سے ثابت ہے.....“^①

یہاں گیاوی صاحب نے جمع الزوائد کے حوالے سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے جس اعتراض کی طرف اشارہ کیا ہے وہ انہوں نے اپنی کتاب میں یوں نقل کیا ہے:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جس وقت یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت لے رہے تھے،

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۱۵۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث سنائی تھی:

"وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ فِي الْكَلَامِ الَّذِي جَرَى بَيْنَهُمَا فِي بَيْعَةِ يَزِيدَ: وَأَنْتَ يَا مُعَاوِيَةَ أَخْبَرْتَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: إِذَا كَانَ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَتَانِ فَاقْتُلُوا أَحَدَهُمَا" ①

(ترجمہ از گیادی صاحب) سیدنا سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ عبداللہ بن الزبیر نے اس گفتگو کے دوران جو ان کے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی (طباعت کی غلطی ہے، درست ”کے درمیان ہوئی“ ہونا چاہیے ناقل) فرمایا جبکہ سیدنا معاویہ، یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت کر رہے تھے: اے معاویہ! آپ نے ہی سنایا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

جب زمین میں دو خلیفہ ہوں تو آخری والے کو قتل کر دو۔ ①

اس روایت میں (بفرض صحت) صرف یہ بیان ہے کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود خلیفہ ہوتے ہوئے، یزید کی ولی عہدی یا اپنے بعد جانشینی کی بیعت لینا چاہی تو سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسے ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خلیفہ کی بیعت لینا سمجھا، اور اسی بنیاد پر اس حدیث نبوی کا حوالہ دیا، گویا بتانا یہ مقصود تھا کہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خلیفہ کی بیعت درست نہیں، اب گیادی صاحب بتائیں کہ اس میں یزید کی خلافت کے لیے تا اہلی کا کہاں ذکر ہے؟ اور ہمیں اس بات سے کب انکار ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان چند حضرات میں سے ہی تھے جنہوں نے ولی عہدی کی اس تجویز سے اختلاف کیا تھا اور یہ بیعت نہیں کی تھی، لہذا سیدنا عبداللہ بن

① رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَالْأَوْسَطِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

② گیادی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۱-۹۲.

زبیر رضی اللہ عنہما کے اس اعتراض کا تعلق کسی طرح بھی یزید کی ذات سے نہیں تھا، اگر یزید کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو وہ یہی اعتراض کرتے۔

نوٹ: یہ روایت چونکہ سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور ان کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ سنہ ۹۵ ہجری میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں قتل ہوئے اور اس وقت ان کی عمر ۴۹ سال تھی۔^①، یوں سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت تقریباً سنہ ۴۶ ہجری بنتی ہے، اور ہم گیاوی صاحب کے لئے خاص طور پر ان کے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب کی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کس سنہ میں لینا شروع کی؟ تو غور سے پڑھیں، سید لعل شاہ بخاری صاحب کیا لکھتے ہیں:

”تاریخ استخلاف یزید میں مؤرخین کے دو قول ملتے ہیں، سنہ ۵۰ ہجری اور سنہ ۵۶ ہجری، اول الذکر قول کو جلال الدین سیوطی اور ثانی الذکر کو ابن جریر طبری، ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا ہے..... میرے احاطہ علم میں کوئی تیسرا قول نہیں تاہم تاریخی حقائق کے پیش نظر متذکرہ بالا دونوں قول غلط ہیں، استخلاف یزید کی تجویز کس تاریخ کو پیش کی گئی اور بیعت استخلاف یزید کس تاریخ کو تکمیل تک پہنچی؟ اس میں کوئی حتمی اور قطعی دلیل تو نہیں مگر جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے سنہ ۴۴ ہجری کے کسی مہینہ میں تجویز پیش ہوئی اور سنہ ۵۹ ہجری کے اواخر تک بجز چند زعماء مدینہ کے عامۃ الناس نے طوعاً و کرہاً بیعت کر لی۔^②

① دیکھیں: تہذیب التہذیب، جلد ۳، صفحہ ۱۱ طبع دائرة المعارف، الہند۔

② استخلاف یزید، صفحہ ۷۴۔

لہذا معلوم ہوا کہ سنہ ۴۴ ہجری میں تو سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ابھی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، اور اگر سنہ ۵۰ والاقول لیا جائے تو اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴ سال تھی، اور اگر سنہ ۵۶ والاقول لیا جائے تو ان کی عمر دس سال تھی، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً ۱۴ سال بنتی ہے، یوں بظاہر یہی لگتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والا یہ مکالمہ سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کسی اور سے سنا ہے، جس کا نام روایت میں ذکر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال اس مکالمہ کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس میں یزید کی ذات یا اس کی نااہلی کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں، اور اسے ”یزید کی خلافت پر صحابہ کرام کی ناراضگی“ کا عنوان دینا علمی دھوکہ ہی ہے۔

نوٹ: ہم لعل شاہ بخاری صاحب کے سنہ ۴۴ ہجری والی بات سے اتفاق نہیں کرتے، بلکہ صحیح یہی سمجھتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تحریک کا معاملہ سنہ ۵۰ ہجری کے بعد کا ہی ہے۔

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

جہاں تک گیا وی صاحب کا یہ لکھنا ہے کہ

”عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی“

اور پھر حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

”سیدنا سعید بن زید کے بیعت نہ کرنے کی تفصیل کے لیے دیکھئے متدرک

حاکم ج ۴ ص ۹۴ والطرانی والتاریخ الصغیر للبخاری“۔

تو ہم نے متدرک حاکم میں یہ روایت دیکھی تو وہ کچھ یوں ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ مُضَلِّحٍ الْقُفَيْهِ بِالرِّيِّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَاسِطِيُّ، ثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةٍ، ثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِقَارٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: بَعَثَ مَعَاوِيَةَ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ بِالْمَدِينَةِ لِيُبَايِعَ لِابْنِهِ يَزِيدَ، وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ نَفِيلٍ غَائِبٍ فَجَعَلَ يَنْتَظِرُهُ، فَقَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ لِمَرْوَانَ: مَا يَخْبِسُكَ؟ قَالَ: حَتَّى يَجِيءَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ، فَإِنَّهُ كَبِيرُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، فَإِذَا بَايَعَ بَايَعَ النَّاسَ، قَالَ: فَأَبْطَأَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ حَتَّى أَخَذَ مَرْوَانَ الْبَيْعَةَ، وَأَمْسَكَ سَعِيدُ عَنِ الْبَيْعَةِ" ①۔

خلاصہ اس روایت کا یہ ہے کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے گورنر مروان بن حکم کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ ان کے بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے بیعت لے تو اس وقت سیدنا سعید بن زید وہاں نہیں تھے، تو مروان ان کے آنے کا انتظار کرنے لگا، اہل شام میں سے ایک آدمی نے مروان سے کہا کہ آپ کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ (یعنی لوگوں سے بیعت کیوں نہیں لے رہے؟) تو مروان نے کہا کہ سیدنا سعید بن زید کو آنے دو، وہ مدینہ کے بڑے لوگوں میں سے ہیں، اگر انہوں نے بیعت کر لی تو باقی لوگ بھی بیعت کر لیں گے، راوی کہتا ہے کہ: سعید بن زید نے دیر کر دی یہاں تک کہ مروان نے لوگوں سے بیعت لے لی، اور سعید بن زید بیعت سے رکے رہے۔

میرا گیا وی صاحب سے سوال ہے کہ اس روایت میں وہ کونسا لفظ ہے جس کا یہ مفہوم ہے کہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ اس لیے بیعت سے رکے رہے کہ یزید فاسق و فاجر اور شرابی تھا؟ یا انہوں نے یہ فرمایا کہ: یزید نا اہل ہے اس لئے میں بیعت نہیں کرتا؟۔

① مستدرک حاکم، جلد ۳ صفحہ ۴۹۶ طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت.

اس بات کا یزید کے کردار سے کیا تعلق ہے؟؟

پھر اس روایت میں ایک راوی ”عطاء بن سائب“ ہیں، اور ”عطاء بن سائب“ کے بارے میں آتا ہے کہ یہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اسی لیے ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ:

”من سمع منه قديما فسماعه صحيح ومن سمع منه حديثا لم يكن بشيء

سمع منه قديما سفیان وشعبة وسمع منه حديثا جرير وخالد وإسماعيل

وعلي بن عاصم“

جس نے ان سے پہلے زمانہ میں حدیث سنی اس کا سماع صحیح ہے، اور جس

نے بعد میں (یعنی اختلاط اور سوء حافظہ کے بعد) سنی وہ احادیث کچھ بھی

نہیں، اور پہلے زمانہ میں ان سے سفیان اور شعبہ نے حدیث سنی ہے، جبکہ

(اختلاط اور سوء حفظ کے بعد والے زمانے میں) ان سے جریر، خالد،

اسماعیل اور علی بن عاصم نے سنی ہے۔

امام بیہقی بن سعید نے کہا:

”لا يحتج به“ ان کی حدیث سے حجت نہ پکڑی جائے۔

امام بخاری نے کہا:

”أحاديث عطاء بن السائب القديمة صحيحة“

عطاء بن سائب کی پرانی (یعنی زمانہ اختلاط اور سوء حفظ سے پہلے کی)

احادیث صحیح ہیں۔

امام نسائی نے کہا:

"ثقة في حديثه القديم، لكنه تغير"

جو ان کی پرانی احادیث ہیں اس میں وہ ثقہ ہیں، لیکن بعد میں ان میں تغیر واقع ہو گیا تھا۔

یحییٰ بن مہین سے منقول ہے کہ:

"و جميع من سمع من عطاء سمع منه في الاختلاط الاشعبة والثوري"
سوائے شعبہ اور سفیان ثوری کے باقی سب کا سماع عطاء بن سائب سے
اختلاط کے زمانہ کا ہی ہے۔

عجلی کا کہنا ہے کہ:

فأما من سمع منه بآخره فهو مضطرب الحديث منهم هشيم و خالد
الواسطي"

جس جس نے ان سے ان کی آخری عمر میں حدیث سنی ہے، تو ان کی حدیث
میں اضطراب ہے، اور ان آخری عمر میں سننے والوں میں ہشیم اور خالد
واسطی بھی ہیں۔

و ذكر العقيلي أن حماد بن سلمة ممن سمع منه بعد الاختلاط. قال ابن
القطان: وكذلك جرير و خالد بن عبد الله وابن عليه و علي بن عاصم
و بالجمله أهل البصرة فإن أحاديثهم عنه مما سمع بعد الاختلاط لأنه قدم
عليهم في آخره عمره

عقیلی نے ذکر کیا ہے کہ حماد بن سلمہ ان میں سے ہیں جنہوں نے عطاء بن
سائب سے اختلاط کے بعد حدیث سنی ہے، ابن قطان نے کہا کہ: اسی
طرح جریر، خالد بن عبد اللہ، ابن علیہ، علی بن عاصم کا سماع بھی اختلاط کے

بعد کا ہے، بلکہ تمام اہل بصرہ کا سماع ان سے اختلاط کے بعد کا ہی ہے

کیونکہ وہ بصرہ میں آخری عمر میں آئے تھے۔^①

اور اس روایت میں ”عطاء بن السائب“ سے روایت کرنے والا ”خالد الواسطی“ ہی ہے، جس کے بارے میں تصریح ہے کہ اس کا سماع ان سے اختلاط کے بعد کا ہے، لہذا امام احمد بن حنبل کے مطابق یہ روایت ”لیس بشيء“ (کچھ بھی نہیں)، شاید اسی لیے امام ذہبی ”تلخیص المستدرک“ میں اس روایت پر خاموش رہے ہیں۔ یاد رہے، سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی وفات صحیح قول کے مطابق سنہ ۵۰ یا ۵۱ ہجری میں ہوئی۔^②

لہذا جب سنہ ۶۰ ہجری میں یزید کی خلافت کی بیعت ہوئی تو اس وقت وہ زندہ نہیں تھے۔

سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

اسی عنوان کے تحت، گیاوی صاحب نے ”محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ“ سے مروی ایک طویل روایت بحوالہ مسند ابی یعلیٰ الموصلی نقل کی ہے، اور اس سے استدلال یہ کیا ہے کہ صحابی سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے یزید کی جانشینی کے معاملہ پر کھل کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تھی، ہم پہلے یہ بات باحوالہ بیان کر آئے ہیں کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے سن وفات میں اختلاف ہے، ابو نعیم اور ابراہیم المنذر کے قول کے مطابق آپ کی وفات سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہو چکی تھی، جبکہ بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

① تفصیل کے لیے دیکھیں: میزان الاعتدال، جلد ۳ صفحہ ۷۰، دار المعرفة بیروت / تہذیب التہذیب، جلد ۷ صفحہ ۲۰۳، دائرۃ المعارف، الہند / کتاب المختلطین للعلائی، صفحہ ۸۲، مکتبۃ الخانجی القاہرہ۔
② الاستیعاب، جلد ۲ صفحہ ۶۲، دار الجیل بیروت / أسد الغابۃ، جلد ۲ صفحہ ۳۷۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت / الاصابۃ، جلد ۳ صفحہ ۸۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

آپ کی وفات سنہ ۵۰ ہجری کے بعد ہوئی، لہذا اگر ابو نعیم اور ابراہیم المنذر کا قول لیا جائے تو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے (اور ہم آگے بیان کریں گے کہ اس روایت میں جو واقعہ بیان ہوا ہے یہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ ان کے بیٹے ”محمد بن عمرو بن حزم“ کا ہے) بہر حال آئیے گیاوی صاحب کی پیش کردہ روایت پر ایک نظر ڈالتے ہیں (چونکہ یہ روایت بہت طویل ہے اس لیے ہم صرف اردو میں اس کا خلاصہ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں)، مسند ابی یعلیٰ میں اس روایت کی سند یوں بیان کی گئی ہے:

”حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ بْنِ شَقِيقِ بْنِ أَسْمَاءَ الْجَزَمِيِّ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ مُعَاوِيَةُ أَنْ يَسْتَخْلِفَ يَزِيدَ بَعَثَ إِلَى عَاصِلِ الْمَدِينَةِ أَنْ أَفِذَ إِلَيَّ مِنْ شَاءٍ، قَالَ: فَوَقَدَ إِلَيْهِ عُمَرُو بْنُ حَزْمٍ الْأَنْصَارِيَّ... إِلَى آخِرِ الرَّوَايَةِ“۔

خلاصہ اس ساری روایت کا یہ ہے کہ محمد بن سيرین کہتے ہیں: جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تو مدینہ کے عامل کو پیغام بھیجا کہ مدینہ کے لوگوں میں سے جسے مناسب سمجھو، میرے پاس بھیجو، چنانچہ اس نے عمرو بن حزم انصاری کو بھیجا، جب آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے تو اندر جانے کی اجازت طلب کی، دربان نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ عمرو بن حزم آئے ہیں اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

”مَا جَاءَ بِهِمْ إِلَيَّ؟ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، جَاءَ يَطْلُبُ مَعْرُوفَكَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: إِنْ كُنْتُ صَادِقًا فَلْيَكْتُبْ مَا شَاءَ فَأَعْطِهِ مَا سَأَلَكَ، وَلَا آرَاهُ“

انہیں یہاں کیا چیز لے کر آئی ہے؟ دربان نے کہا: امیر المؤمنین! وہ آپ کی نوازش کے طالب ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو وہ جو چاہیں اپنی حاجت لکھ دیں اور تم انہیں وہ سب دے دو جو وہ مانگیں، میرے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں تو دربان نے باہر نکل کر عمرو بن حزم سے کہا کہ آپ کو جو بھی ضرورت ہے لکھ دیں، اس کے جواب میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سبحان اللہ! میں امیر المؤمنین کے دروازے تک آ جاؤں اور ان سے ملاقات نہ ہو سکے؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں اور بات کرنا چاہتا ہوں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربان سے کہا کہ انہیں فلاں دن کا وقت دے دو اور کہو کہ فجر کی نماز کے بعد آ جا میں، لہذا مطلوبہ دن، فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایوان میں ایک کرسی منگوا کر رکھوائی اور تمام لوگوں کو وہاں سے رخصت کر دیا اور وہاں وہ ایک کرسی ہی بچی جو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے رکھوائی گئی تھی، چنانچہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت طلب کی جو کہ دے دی گئی، وہ سلام کر کے کرسی پر بیٹھ گئے، تو ان سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: آپ کی کیا ضرورت ہے؟ تو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر کہا: بے شک یزید قریش میں اچھے خاندان والا ہے اور مال و دولت اور اس جیسی چیزوں سے بھی بے نیاز ہو چکا ہے، البتہ ہر بھلائی کا وہ بھی حق دار ہے (بھلائی سے بے نیاز نہیں ہوا)، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: اللہ نے اپنے جس بندے کو بھی نگہبان مقرر کیا

ہے قیامت کے دن اس بارے میں اس سے سوال ہوگا کہ اس نے کیسے نگہبانی کی؟، اور اے معاویہ! امت محمدیہ کے لیے آپ جسے ولی عہد بنائیں گے اس بابت بھی آپ کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، یہ سن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سانس چڑھنے لگی اور حالانکہ سردی کا موسم تھا لیکن آپ کو پسینہ آنے لگا اور آپ نے تین بار اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا، اور پھر اپنے آپ پر قابو پایا، اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا: آپ نصیحت کرنے والے شخص ہیں، آپ نے اپنی رائے سے جو کہنا تھا وہ کہا، خواہ کتنی ہی بڑی بات کہی ہے..... آپ اپنی حاجت بیان کریں،

عمر و بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا: میری کوئی حاجت نہیں ہے، پھر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی (روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بھائی بھی ساتھ تھے) نے کہا: کیا ہم مدینہ سے چند کلمات کہنے کی خاطر سفر کی مشقتیں جھیل کر آئے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں تو ان کلمات کے ہی کے لیے آیا ہوں، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں انعامات دینے کا حکم صادر کیا اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھی ویسے ہی انعامات دیئے گئے۔^①

ابھی ہم اس روایت کی سند کو ایک طرف رکھتے ہیں اور اس کے متن پر غور کرتے ہیں، اس واقعہ کے شروع میں بیان کیا جا رہا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے عامل کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ مدینہ سے کسی کو ہمارے پاس بھجوایا جائے، اور اس شاہی فرمان پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کے عامل نے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا، لیکن آگے یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچ کر اجازت طلب کرتے ہیں تو

① مسند ابی یعلیٰ الموصلی، جلد ۱۳ صفحہ ۱۲۱ دارالمامون للتراث دمشق.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، پہلے تو دربان سے پوچھتے ہیں کہ ان کی حاجت کیا ہے؟ اور پھر کہتے ہیں کہ ان سے کہو کہ اپنی حاجت لکھ دیں اور جو حاجت بھی وہ لکھیں اسے پورا کر دو، میں ابھی ان سے نہیں مل سکتا، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے خود کسی کو مدینہ سے بلوائیں اور پھر ان سے ملنے سے معذرت بھی کریں، بلکہ یہ سوال کریں کہ ان کی حاجت کیا ہے؟ نیز عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ بھی یہ نہ کہیں کہ: اگر ملنا نہیں تھا تو ہمیں طلب کیوں کیا؟ اس کے بعد جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ: آپ کی کیا حاجت ہے؟، عجیب بات ہے کہ خود ہی طلب بھی کیا ہے اور خود ہی یہ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کی حاجت کیا ہے؟، اس کے بعد روایت کے آخر میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بھائی کی جو گفتگو نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت عامل مدینہ کی طرف سے نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ اپنی ذاتی مرضی سے آئے تھے، یوں روایت کا یہ آخری حصہ بھی، روایت کے شروع کے حصہ سے متضاد ہے۔

اب آئیے ہم آپ کی توجہ ”تاریخ ابن عساکر“ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ایک اور روایت کی طرف مبذول کرتے ہیں، جس میں یہی واقعہ بیان ہوا ہے اور اس کے متن میں ایسا کوئی اضطراب بھی نہیں، لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی نہیں تھے، بلکہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے بیٹے ”محمد بن عمرو بن حزم“ اور ان کے ساتھ ان کے دوسرے بھائی ”عمارہ بن عمرو بن حزم“ تھے، روایت کے عربی الفاظ یہ ہیں:

”لنا أبو بكر بن أبي الدنيا حدثني أبو جعفر العكلي ثنا إسماعيل بن

إبراهيم عن ابن عون حدثني عمر بن كثير بن أفلح قال خرج محمد بن

عمر و ابن حزم و أخوه عمارة بن حزم فقد ما على معاوية فرأهما ذات يوم فقال متى قدمتما قالانا منذ كذا وكذا قال أفلا تلقيناني بحاجتكما قالانا وددنا قال فميعاد كما غدا بالغداة فلما أصبحا جعل محمد يتهيأ للغدو ويقول عمارة اذكر كذا اذكر كذا قال فحضر الباب فأذن لهما ومعاوية جالس على كرسي فشهد محمد ثم قال أما بعد فإنه والله ما في الأرض اليوم نفس هي أعز علي من نفسك سوى نفسي وما في الأرض اليوم نفس أحب إلي رشا من نفسك سوى نفسي وإن يزيد بن معاوية قد أصبح غنيا إلا عن كل خير أصبح واسط الحسب في قريش وأصبح غنيا في المال وأن الله سائل كل راع عن رعيته وأنتك مسؤول عن رعيته فانظر عباد الله من تولى أمرهم ثم استغفر فلقد رأيت معاوية أخذ بهر وإنالفي يوم شات ثم تنفس ثم تشهد ثم قال أما بعد فإنك امرؤ ناصح وإنما قلت برأيك والله ما كان عليك إلا ذلك وإنما بقي ابني وأبناؤهم فابني أحق من أبنائهم ارتفعوا راشدين فلما خرجوا أقبل عمارة على أخيه فقال فما ضربنا أكباد الإبل من المدينة إلا لهذا أفي يزيد بن معاوية؟ ما كنت تستقبله بشيء أشد مما استقبلته به فلما أكثر عليه قال حسبك أكل هذا ليظنك أنك ستعطى قال فتر كنا كذا وكذا لا يلتفت إلينا ثم أرسل إلينا أن ارفعوا حوائجكم ما قال فرفعنا حوائجنا وأعطانا ما شاء لنا" ①

اس روایت میں یہ ذکر ہی نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے عامل کو حکم دیا تھا کہ مدینہ سے ان کے پاس کسی کو بھیجیں، اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ وہ جب سیدنا معاویہ

① تاریخ ابن عساکر، جلد ۵، صفحہ ۵، طبع دار الفکر بیروت.

ﷺ سے ملنے آئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ان سے ملنے سے معذرت کی، بلکہ یہ ذکر ہے کہ خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بھائیوں کو دیکھ لیا تو ان سے پوچھا کہ تم کب آئے ہو؟ اور پھر فرمایا کہ: مجھ سے ملاقات کے لیے نہیں آؤ گے اور اپنی حاجت نہیں بیان کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ خواہش رکھتے ہیں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دوسرے دن صبح کا وقت دیا اور پھر وہی ان کے لیے کرسی رکھوانے کا ذکر ہے اور ”محمد بن عمرو بن حزم“ سے وہی باتیں منقول ہیں جو مسند ابی یعلیٰ کی روایت میں ذکر کی گئیں، اور پھر آخر میں ”محمد بن عمرو بن حزم“ کے بھائی ”عمارہ“ کا یہ کہنا منقول ہے کہ کیا ہم مدینہ سے تھکا وینے والا سفر کر کے اس کام کے لیے آئے تھے؟ اور پھر یہ بھی ذکر ہے کہ ان دونوں بھائیوں نے اپنی ضرورت بیان کی اور ان کی ضرورت پوری کی گئی۔

اور اسی جگہ حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر ”محمد بن عمرو بن حزم“ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

”ووفد علی معاویة هو وأخوه عمارة بن عمرو وقيل إن القادم أبوه وعمه

عمارة بن حزم ولم يصح ذلك“^①

اور (محمد بن عمرو بن حزم) اور ان کے بھائی عمارہ بن عمرو، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے، اور کہا گیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے ان کے والد (یعنی سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نازل) اور ان کے چچا عمارہ بن حزم آئے تھے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

لیجئے! حافظ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے صاف لکھ دیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے سیدنا عمرو بن حزم اور ان کے بھائی نہیں تھے بلکہ عمرو بن حزم کے دو بیٹے

① تاریخ ابن عساکر، جلد ۵۵ صفحہ ۵.

”محمد بن عمرو“ اور ”عمارہ بن عمرو“ تھے، اس بات کی تائید ان اقوال سے بھی ہوتی ہے جن کے مطابق سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی وفات خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میں ہو چکی تھی۔ بنا بریں یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ مسند ابی یعلیٰ والی روایت میں جو واقعہ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کیا گیا ہے، وہ محمد بن سیرین نے خود نہیں دیکھا بلکہ کسی اور سے سنا ہے، خاص طور پر جبکہ علماء نے یہ بات ذکر کی ہے کہ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ، صحابہ سے ارسال کرنے میں کافی مشہور ہیں، اور انہوں نے ان صحابہ سے بھی روایت بیان کی ہے جن سے ان کا ملنا ثابت نہیں، مثال کے طور امام ابو حاتم رازی کے بیٹے ابن ابی حاتم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ أَبِي عَنِ ابْنِ سِيرِينَ سَمِعَ مِنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَدْ أَذْرَكُهُ وَلَا أَظُنُّهُ سَمِعَ مِنْهُ ذَلِكَ بِالشَّامِ وَهَذَا بِالْبَصْرَةِ ①

میرے والد سے سوال کیا گیا کہ کیا ابن سیرین نے سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اگرچہ انہوں نے سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے لیکن میرا نہیں خیال کہ ان سے حدیث سنی ہو، کیونکہ وہ (یعنی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ) شام میں تھے اور یہ (یعنی محمد بن سیرین) بصرہ میں رہتے تھے۔

یاد رہے! سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بات چیت کا واقعہ بھی شام کا ہے۔ اور یہ بات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کسی روایت کے تمام راوی ثقہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ روایت بھی صحیح ہے، یہ ممکن ہے کہ کسی

① المراسیل لابن ابی حاتم، صفحہ ۸۶ طبع مؤسسة الرسالة بیروت، یہیں ان دیگر صحابہ کرام کا بھی ذکر ہے جن سے محمد بن سیرین کا روایت کرنا مذکور ہے اور ان سے ان کا سماع ثابت نہیں۔

روایت کے تمام راوی تو ثقہ ہوں لیکن وہ کسی اور علت مثلاً انقطاع فی السند یا متن کے اضطراب کی وجہ سے صحیح نہ ہو۔

گیاوی صاحب کا ایک علمی دھوکہ:

الغرض! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات چیت، صحابی سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی کی ہوئی ہو، یا ان کے بیٹوں محمد بن عمرو اور عمارہ بن عمرو کی ہو، اس میں یزید کی مذمت کا کوئی پہلو سرے سے ہے ہی نہیں، بلکہ انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اخلاص کی نصیحت کی ہے کہ آپ جس کو بھی اپنا جانشین مقرر کریں اس بارے میں آپ اللہ کو جواب دہ ہوں گے لیکن یہ کام سوچ سمجھ کر کریں، جس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کو سنا اور اس کا احترام کیا اور جواب میں اپنے موقف کی وضاحت فرمادی، جو اسی روایت میں مذکور ہے، لیکن گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

”سیدنا عمرو بن حزم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یزید کی ولی عہدی کے وقت غیر مبہم اور کھلے الفاظ میں مخالفت کی اور اس کی نااہلیت کو واضح کر دیا تھا، غَنِيًّا اِلَّا عَنْ كَلِّ خَيْرٍ اور وَاِنِّي اَذْكُرُكَ اللّٰهَ يَا مُعَاوِيَةَ لِيْ اُمَّةٌ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْتَخْلِفُ عَلَيْهَا“^①

”یعنی اے معاویہ! تم کو نبی کی امت کے معاملہ میں خدا کو یاد دلاتا ہوں، تم امت پر کس کو خلیفہ بنانا چاہ رہے ہو۔“

گیاوی صاحب بتائیں کہ ان الفاظ میں کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ ”سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے یزید کی نااہلیت کو واضح کیا؟“ اور

”غَنِيًّا اِلَّا عَنْ كَلِّ خَيْرٍ“ کا مفہوم گیاوی صاحب کیا سمجھتے ہیں؟ اس کا ترجمہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۸.

انہوں نے خود یوں کیا ہے: ”خیر کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے“، اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ بھی ہر خیر اور بھلائی کا حق دار ہے، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یزید میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں پائی جاتی تھی..... پھر سیدنا عمرو بن حزم نے (گیاوی صاحب کی پیش کردہ روایت کے مطابق) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صرف یہ نصیحت کی ہے کہ آپ جسے بھی امت پر خلیفہ بنانے جا رہے ہیں اس کے بارے میں اللہ کا خوف ملحوظ رکھیں کیونکہ آپ سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔ ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ مطلقاً کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے خلاف نہ تھے، بلکہ یہ نصیحت کر رہے تھے کہ جسے بھی اپنا جانشین بنائیں اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ بچار کر کے فیصلہ کریں۔

گیاوی صاحب کا ایک اور علمی مغالطہ:

گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

”سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے خود بھی یزید کی ولی عہدی تسلیم نہ کی، نہ اس کی خلافت کی بیعت کی بلکہ ان کے صاحبزادہ محمد بن عمرو بن حزم جو صحابی تھے، وہ بھی اپنے والد کے طریقہ پر قائم رہے اور جب یزید کی بد عملی اور بد کرداری کھل کر سامنے آئی تو یزید کی بیعت توڑنے والوں کے ساتھ رہے، وہ یزید کے خلاف لڑتے ہوئے واقعہ حرہ میں شہید ہوئے“۔^①

یہاں گیاوی صاحب کی کارگیری قابل داد ہے، لکھتے ہیں کہ ”سیدنا عمرو بن حزم نے یزید کی خلافت کی بیعت نہ کی“،

جبکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یزید کی بیعت خلافت کے وقت سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ زندہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۹.

ہی نہ تھے، اگر گیاوی صاحب کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ جب یزید کی خلافت کی بیعت لی گئی (جو کہ سنہ ۶۰ ہجری کی بات ہے) تو اس وقت سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ زندہ تھے، تو وہ پیش کریں۔

پھر گیاوی صاحب یہاں ان کے بیٹے ”محمد بن عمرو بن حزم“ کا نام بھی لکھتے ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ”صحابی“ ہیں، جبکہ ان محمد بن عمرو بن حزم کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ

ان کی ولادت سنہ ۱۰ ہجری میں ہوئی اور اس وقت ان کے والد نجران کے کسی علاقے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے، ایک قول یہ ہے کہ ان کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو برس قبل ہوئی اور ان کے والد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر اطلاع دی کہ میں نے اپنے بیٹے کا نام ”محمد“ اور اس کی کنیت ”ابوسلیمان“ رکھی ہے، جس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ نام تو ”محمد“ ٹھیک ہے لیکن ان کی کنیت ”ابوعبدالملک“ رکھ دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔^①

اور حافظ ابن حجر نے پہلے تو گیاوی صاحب کے مدوح ”واقدی“ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

”محمد بن عمرو بن حزم“ کی ولادت سنہ ۱۰ ہجری میں ہوئی اور اس وقت ان کے والد نجران کے علاقے میں عامل تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے کی ولادت کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر دی اور جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

① الاستیعاب، جلد ۳ صفحہ ۴۳۷، دار الحیاء بیروت / أسد الغابۃ، جلد ۵ صفحہ ۱۰۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت.

لکھا کہ اس بچے کا نام محمد رکھو۔

اور اس کے بعد ابن حجر لکھتے ہیں:

"وهذا الذي قاله الواقدي هو المشهور، ومقتضاه أن لا صحبة له ولا

رؤية، فإن أباه لم يقدمه بالمدينة في عهد النبي ﷺ"۔^①

یہ جو واقدی نے کہا ہے یہی بات مشہور ہے، اور اس کا مقتضایہ ہے کہ (محمد

بن عمرو بن حزم) کو نہ صحبت حاصل ہے اور نہ ہی رویت، ان کے والد

انہیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں لے کر مدینہ آئے ہی نہیں تھے۔

نوٹ: گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں ایک بار پھر یہ دعویٰ کیا ہے

کہ یہ صحابی ہیں، اور حوالہ وہاں "الاصابة" کا دیا ہے۔^② جبکہ "الاصابة" میں تو وہ لکھا

ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا ہے۔

لہذا گیاوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ ثابت کریں کہ یہ ”محمد بن عمرو بن حزم“

صحابی ہیں، بلکہ یہ ثابت کریں کہ اپنی پیدائش کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ان

کی حاضری ہی ہوئی ہے؟، گیاوی صاحب کے مدوح و مرجح سید لعل شاہ بخاری صاحب

تو لکھتے ہیں کہ:

”بعض محدثین نے ان حضرات کو جو رسول اللہ ﷺ کے عہد حیات میں

پیدا ہوئے انہیں بھی محض اس لئے صحابہ میں شمار کیا ہے کہ شاید دستور کے

مطابق وہ بچے بھی حضور ﷺ کے دربار میں لائے گئے ہوں، پس بہت صغیر

السن بچے بالخصوص جو مدینہ کے نہ ہوں انہیں صحابہ کی فہرست میں شمار کرنا

① الاصابة، جلد ۶ صفحہ ۲۰۱ دار الکتب العلمیة بیروت.

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۸.

درست نہیں“ ①۔

ایک مغالطہ گیاوی صاحب نے یہ دیا کہ یوں لکھا ہے: ”محمد بن عمرو بن حزم یزید کی بیعت توڑنے والوں کے ساتھ رہے اور واقعہ حرہ میں شہید ہو گئے“، یہاں یہ چالاکی دکھائی گئی ہے کہ ان کے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ ”انہوں نے بھی یزید کی بیعت توڑی تھی“، کیونکہ یوں گیاوی صاحب کی یہ بات غلط ثابت ہو جاتی کہ محمد بن عمرو بن حزم نے یزید کی سرے سے بیعت ہی نہیں کی تھی، جبکہ واقعہ حرہ کا جہاں بھی بیان ہوا ہے اس میں صاف طور پر یہی آیا ہے کہ ”اہل مدینہ نے یزید کی خلع بیعت کی تھی، یعنی اس کی بیعت توڑ دی تھی“ اور بیعت توڑی وہی جاتی ہے جو پہلے کی گئی ہو، اگر محمد بن عمرو بن حزم بھی انہی بیعت توڑنے والوں کے ساتھ تھے تو یقیناً پہلے انہوں نے بیعت کی ہوئی تھی، یاد رہے کہ یزید کے سنہ ۶۰ ہجری میں مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد اس کی بیعت سرے سے نہ کرنے والوں میں کسی نے بھی ”محمد بن عمرو بن حزم“ کا نام ذکر نہیں کیا، لہذا گیاوی صاحب کا ان کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ انہوں نے سرے سے یزید کی بیعت نہیں کی تھی ایک دعویٰ بلا دلیل ہے۔

گیاوی صاحب کی بدحواسی:

آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا کہ گیاوی صاحب نے تسلیم کیا کہ یزید کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے اسے صرف مشکوک کردار والا ہی کہا جاسکتا ہے، لیکن اسی صفحے پر ایک بے سرو پا روایت ابو الفرج اصفہانی کی ”کتاب الأغانی“ کے حوالے سے یزید کی شراب نوشی پر نقل کرتے ہیں اور خود اسے ”غیر معتبر روایت“ بھی لکھتے ہیں، اور پھر اس سے محدث اعظمی رحمہ اللہ کو جواب دیتے ہیں کہ:

① استخلاف یزید، صفحہ ۴۹۹۔

”لیجئے اس غیر معتبر روایت سے یزید کے فاسق ہونے کا وقت معلوم کر

لیجئے“ ①۔

اور بعد ازاں ایک جھوٹا افسانہ نقل کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار یزید حج کے لیے گیا تو مدینہ آ کر شراب نوشی کر رہا تھا، اتنے میں سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما اس کے پاس آتے ہیں تو انہیں شراب کی مہک آتی ہے..... الی آخر الحکایۃ“ ②۔

اور پھر اس جھوٹے افسانے کی بنیاد پر ایک عنوان یوں قائم کرتے ہیں:

”یزید کے لاابالی پن پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت“ اور لکھتے ہیں:

”یہ روایت بتاتی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں ہی شروع ہو چکی تھی، وہ بھلے واقف نہ ہوں، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات آچکی تھی، یزید کے سلسلہ میں طبرانی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ یزید کی شراب نوشی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی جبکہ وہ بالکل نو عمر تھا اور نوجوروں کی طرح آزاد اور بے قید زندگی گزارتا تھا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو نہ تھا لیکن کچھ ایسا محسوس کیا تو نصیحت ضرور کی اور سمجھایا بجھایا بھی تھا، گویا اس وقت اس کا فسق و فجور نہ سب کو معلوم تھا اور نہ ہی اعلانیہ یہ کام کرتا تھا، فاسق تو تھا لیکن فاسق مجاہر نہ تھا، فاسق مجاہر تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور زاردارانہ طور پر پردہ پردہ جو کچھ وہ کرتا تھا اب کھل کر اعلانیہ کرنے لگا تھا.....“ ③۔

① محدث اعظمی کا تبصرہ صفحہ ۱۲۳

②③ گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۳-۱۲۴-۱۲۵۔

میں اس پر صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ:

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہی گیا وی صاحب پہلے بقلم خود لکھ آئے ہیں کہ:

”مولانا اعظمی کا یہ ارشاد تو ٹھیک ہے کہ مضبوط اور شرعی دلیل سے سیدنا
معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں کسی نے یزید کو نہ فاسق کہا نہ فاجر نہ
شرابی.....“^①

اور اب یہاں پھر وہی راگ الاپ رہے ہیں کہ یزید تو نوجوانی میں اور سیدنا
معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں شراب پیتا تھا، اور بقول گیا وی صاحب، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے
علم میں یہ بات آچھی تھی، دراصل گیا وی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کی مشکل یہ ہے
کہ وہ یہ دعویٰ تو کر دیتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عراق کی طرف نکلنے کے اقدام کی
وجہ یزید کافسق و فجور تھا، لیکن وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ صرف ان کا اپنا مفروضہ ہے،
سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہیں بھی یزید کی بیعت نہ کرنے اور عراق کی طرف نکلنے والے اپنے
اقدام کا سبب یزید کافسق و فجور یا اس کی شراب نوشی نہیں بتائی، تو یہ حضرات اپنے اس
بلا دلیل دعویٰ کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ ہوائی باتیں کہہ دیتے ہیں کہ ”سیدنا حسین
رضی اللہ عنہ کے علم میں یزید کا شراب پینا آچکا تھا“، حیرت ہے کہ گیا وی صاحب جیسے مناظرین
اس بات پر تو مناظرے کرتے ہیں کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے، لیکن خود اپنے لئے علم
غیب کے مدعی ہیں، کہ آج چودہ سو سال بعد انہیں علم ہو گیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہو
گیا تھا کہ یزید شرابی ہے، نیز وہ یہ بھی جان گئے کہ یزید تھا تو شروع سے فاسق لیکن سیدنا
^① گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۵.

حسین ؑ کی شہادت تک اس کافق ظاہر نہ ہوا تھا، وہ چھپ چھپ کر رازدارانہ طور پر اور در پردہ فسق و فجور کرتا تھا، ظاہر ہے جب یزید کا اس وقت کافق و فجور رازدارانہ اور در پردہ تھا، تو گیاوی صاحب کو اپنے ”عالم الغیب“ ہونے کی وجہ سے ہی اس کا پتہ چل گیا نا! جو وہ لکھ رہے ہیں کہ ”وہ فاسق تو تھا لیکن فاسق مجاہر نہ تھا؟“

اور مزے کی بات یہ کہ خود قاری محمد طیب صاحب ؒ نے اپنی کتاب میں ابن خلدون کے حوالے سے جو لکھا ہے وہ شاید گیاوی صاحب کی نظروں سے نہیں گذرا، قاری صاحب اس بات پر بضد ہیں کہ سیدنا حسین ؑ یزید کے خلاف اس وقت نکلے تھے جب اس کافق ہر طرف مشہور و معروف ہو چکا تھا، ملاحظہ فرمائیں:

”جب یزید کافق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تو کوفہ کے اہل بیت کی جماعت نے سیدنا حسین ؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اہل کوفہ کے پاس تشریف لے آویں، تو سیدنا حسین ؑ نے سمجھ لیا کہ اب یزید کے خلاف کھڑے ہو جانا متعین ہے اس کے فسق کی وجہ سے۔“^①

اور ایک جگہ تو خود قاری صاحب ؒ نے لکھا ہے:

”اس کے فجور کی شہرت خواص و عام اور اس کی مبغوضیت عموماً قلب میں بیٹھی ہوئی تھی حتیٰ کہ خود یزید کو بھی اس کا احساس تھا اسی لیے اس نے اپنی قیامت تک کی رسوائی پر ابن زیاد پر لعنت بھیجی جو سیاسی لعنت تھی۔“^②

(واضح رہے قاری صاحب یزید کے فجور کے مشہور ہونے کی بات سیدنا حسین

ؑ کے عازم کوفہ ہونے سے پہلے کے زمانے کے بارے میں کر رہے ہیں)۔

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۵-۸۶ ادارہ اسلامیات لاہور.

② ایضاً صفحہ ۱۳.

اب کس کی بات درست ہے؟ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف نکلنا ہی اس وجہ سے تھا کہ یزید کا فسق تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا بلکہ ہر خاص و عام میں اس کا فجور مشہور ہو چکا تھا، جبکہ گیاوی صاحب ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ یزید کا فسق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ظاہر نہ ہوا تھا۔

قاری صاحب کی اسی بات پر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا تھا:

”آپ تاریخوں میں یہ پورا بیان پڑھ جائیے، آپ کو کہیں نہ ملے گا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے فسق و فجور کا ذکر کیا، یا کو فیوں نے یہ کہا یا لکھا کہ یزید بے نمازی ہو گیا ہے، شراب پیتا ہے، ایسا ہے ویسا ہے، نہ اس کا ہی ذکر ملے گا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی یہ کہا ہو کہ مجھ کو تو امارت سے کوئی مطلب نہیں نہ اس کی کوئی خواہش ہے، میں تو صرف یزید کے فسق و فجور کے خلاف جنگ کے لیے نکلا ہوں.....“^①

نیز لکھا:

”اس طویل گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت تک (یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک - ناقل) یزید کے فسق کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی، نہ اس کی شہادت ملتی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کے فسق کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے لیے نکلے تھے.....“^②

نوٹ: قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر تفصیلی کلام ہو سکتا ہے، محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف چند باتوں پر تبصرہ فرمایا تھا، لیکن ابھی ہمارا موضوع یہ کتاب نہیں۔

① ایضاً صفحہ ۴۱

② محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۳۹-۴۰.

پھر ہم گیا وی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ سنہ ۶۳ ہجری (یعنی واقعہ حرہ) سے پہلے کسی قابل اعتماد سند کے ساتھ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یا اس وقت موجود کسی دوسرے صحابی کا یہ دعویٰ ہی ثابت کر دیں کہ:

”یزید فاسق و فاجر تو ہے، لیکن وہ چھپ چھپ کر اور راز دارانہ طور پر یہ سب کرتا ہے۔“

بہر حال! گیا وی صاحب نے ایک بار پھر یہ تسلیم کیا ہے کہ

”یزید کافق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ظاہر ہوا تھا“ (جسے فاسق مجاہد کے لفظ سے لکھتے ہیں)،

جو اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کی بیعت نہ کرنے اور عازم کوفہ ہونے کی وجہ یزید کافق و فاجر نہیں تھا اور نہ ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہیں اس کا ذکر فرمایا۔

پھر گیا وی صاحب نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام بھی

”یزید کی بیعت نہ کرنے والوں میں لکھا ہے“،

انہوں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کی، لیکن ہمیں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک واقعہ ملتا ہے جو امام خلیفہ بن خیاط بصری (متوفی ۲۴۰ ہجری) نے اپنی مکمل سند کے ساتھ بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ نَأَى أَبُو عَقِيلٍ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا نَضْرَةَ
يُحَدِّثُ قَالَ دَخَلَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ يَوْمَ الْحَزَّةِ غَارًا فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَرَجُلٌ مِمَّنْ
خَرَجَ فَقَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ أَدْلَكَ عَلَى رَجُلٍ تَقْتُلُهُ فَلَمَّا أَنْتَهَى الشَّامِيُّ

إِلَى بَابِ الْغَارِ وَقَالَ لِأَبِي سَعِيدٍ وَفِي عُنُقِ أَبِي سَعِيدٍ السَّيْفُ أَخْرَجَ إِلَيَّ قَائِلًا
لَا وَإِنْ تَدَخَّلَ عَلَيَّ أَقْتُلَكَ فَدَخَلَ الشَّامِي فَوَضَعَ أَبُو سَعِيدٍ السَّيْفَ وَقَالَ
بِوَيْءٍ يَأْتُمِّي وَإِثْمُكَ وَكُنْ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ فَقَالَ
أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ أَنْتَ قَائِلٌ نَعَمْ قَالَ فَاسْتَغْفِرْ لِي قَالَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ ①

”سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ساتھی (ابونضرہ) (جن کا نام منذر بن مالک ہے) کہتے ہیں کہ حرہ کے دن ابو سعید خدری ایک غار کے اندر داخل ہو گئے، ایک شخص غار میں ان کے پاس آیا اور پھر باہر نکل گیا، اور باہر نکل کر ایک شامی فوجی سے کہا: میں تمہیں ایک شخص کے بارے میں بتاتا ہوں تم اسے قتل کر دو، پس جب وہ شامی فوجی غار کے دروازے پر پہنچا اور سیدنا ابو سعید خدری سے کہا جن کی گردن میں تلوار لگی ہوئی تھی: باہر نکلو!، ابو سعید نے کہا: میں نہیں نکلوں گا اور اگر تم نے اندر آنے کی کوشش کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا، پھر شامی فوجی غار کے اندر داخل ہو گیا تو سیدنا ابو سعید نے اپنی تلوار ایک طرف رکھ دی اور فرمایا: میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لا دو اور جہنیموں میں سے ہو جاؤ، ظالموں کا یہی بدلہ ہے (یعنی اگر مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو کر ڈالو) اس کے بعد شامی فوجی بول پڑا: ابو سعید خدری! یہ آپ ہیں؟، ابو سعید نے فرمایا: جی ہاں! اس پر شامی فوجی نے ان سے گزارش کی کہ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں، چنانچہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی اور کہا کہ اللہ تیری مغفرت کرے۔

نوٹ: گیایوی صاحب کے ممدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی یہ روایت

① تاریخ خلیفہ بن خیاطہ صفحہ ۲۳۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، واستنادہ صحیح.

بحوالہ "البدایۃ والنہایۃ" نقل کی ہے۔^①

غور فرمائیں! شامی فوجی کو جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں تو وہ انہیں قتل نہیں کرتا بلکہ ان سے اپنے لیے مغفرت کی دعا کرواتا ہے، اور ایک وہ آدمی تھا (جو یقیناً مدینہ میں موجود ان شریکوں میں سے ہی ہوگا جنہوں نے غلط فہمیاں پھیلا کر حالات کو اس نہج تک پہنچایا اور کئی بھولے بھالے لوگ بھی ان کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے) جس نے اس شامی سے کہا کہ: میں تمہیں ایک آدمی کا ٹھکانہ بتاتا ہوں تم اسے قتل کر دو۔ نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ شامی فوج کے نزدیک ان افراد میں سے نہ تھے جنہوں نے حکومت کے خلاف خروج کیا یا خروج کرنے والوں کی مدد کی، ورنہ وہ شامی فوجی ان کے ساتھ یوں رعایت نہ کرتا، یا کم از کم انہیں گرفتار کر کے ہی لے جاتا، کیونکہ (بقول گیاوی صاحب) یہ اسی فوج کا حصہ تھا جس نے (العیاذ باللہ) مدینہ کی ہزار کنواری عورتوں کی عزت لوٹی جس کے نتیجے میں پورے ہزار بچے بھی پیدا ہوئے۔

اس پر مزید کلام ہم واقعہ حرہ کے اسباب و واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے کریں گے۔

سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

گیاوی صاحب نے ایک اور صحابی سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی یہاں لیا ہے اور صفحہ ۹۵ کے حاشیے میں "جمل من السباب الاشراف" کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے:

وقال عوانة: كان مسور بن مخرمة وفد إلى يزيد قبل ولاية عثمان بن

محمد، فلما قدم شهد عليه بالفسق وشرب الخمر، فكتب إلى يزيد

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۸۶.

بذلك فكتب إلى عامله يأمره أن يضرب مسور الحد.....①

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "عوانہ" نے کہا ہے کہ مسور بن مخرمہ یزید کے پاس گئے تھے اور جب واپس لوٹے تو انہوں نے یزید کے خلاف فسق اور شراب نوشی کی گواہی دی، یزید کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنے عامل کو لکھا کہ ان پر حد تذف لگائی جائے۔

اس پر ہم سردست اتنا ہی عرض کریں گے کہ یہ بات بیان کرنے والا راوی "عوانہ بن الحکم" ہے، اس کا تعارف ہم پہلے کروا آئے ہیں، دو بارہ پڑھ لیں:

أخباري مشهور عراقي..... وَقَلَّ أَنْ زَوَى حَدِيثًا مُسْنَدًا، وَلِهَذَا لَمْ يَذْكَرْ بِجَرَحٍ وَلَا تَعْدِيلٍ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ صَدُوقٌ ②

تاریخی روایات بیان کرنے والا مشہور عراقی ہے، بہت کم روایتیں سند کے ساتھ بیان کرتا ہے اسی لئے نہ اس پر کوئی جرح ملتی ہے اور نہ اس کی تعدیل ملتی ہے، ظاہری طور پر لگتا ہے کہ یہ صدوق ہے۔

حافظ ابن حجر اسی "عوانہ بن الحکم" کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان أبوہ عبدًا خياطًا وأمه أمة وهو كثير الرواية عن التابعين قل أن روى حديثًا مسندًا وأكثر المدائني عنه ③

اس کا باپ ایک غلام تھا جو کہ درزی تھا اور اس کی ماں ایک باندی تھی، وہ تابعین سے بہت سی باتیں روایت کرتا ہے لیکن بہت کم ایسا ہے کہ اس نے کوئی بات مسند بیان کی ہو، مدائنی نے اس سے بہت زیادہ روایات لی ہیں۔

① دیکھیں: جمل من انساب الاشراف للبلادري، ج ۵ ص ۳۲۰ دار الفکر.

② تاریخ الاسلام للذہبی، جلد ۴ صفحہ ۷۴ طبع دار الغرب الاسلامی.

③ لسان المیزان بتحقیق شیخ ابی غدہ، ج ۶ ص ۲۴ طبع دار البشائر الاسلامیہ.

لہذا معلوم ہوا کہ "عوانہ بن الحکم" کی ایک تو تعدیل و توثیق کہیں نہیں ملتی نیز اس کی اکثر روایات غیر مسند ہی ہوتی ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی غیر مسند روایات بھی اکثر تابعین سے ہوتی ہیں، نہ کہ صحابہ سے، لہذا مندرجہ بالا روایت میں بھی صرف "قال عوانة" ہے، لیکن اس نے یہ کس سے سنا؟ کچھ اتہ پتہ نہیں، یہ ثابت ہی نہیں کہ اس نے خود واقعہ حرہ کا زمانہ پایا ہو۔

گیاوی صاحب کا ایک اور اقرار:

اپنی کتاب کے صفحہ ۹۴ کے حاشیے میں گیاوی صاحب نے "عمدة القاری" سے ایک عربی عبارت نقل کی ہے لیکن اس کا اردو ترجمہ نہیں کیا، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیا جائے، یہ حوالہ واقعہ حرہ پر بات کرتے ہوئے پیش نظر رکھنا ضروری ہے، وہ عبارت یہ ہے:

وَقَالَ الدَّوْدِيُّ: الَّذِي عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ فِي أَمْرَاءِ الْجُورِ أَنَّهُ إِنْ قَدَرَ عَلَى خُلْعِهِ
بِغَيْرِ فِتْنَةٍ وَلَا ظَلَمٍ وَجِبَ، وَإِلَّا فَالْوَجِبُ الصَّبْرُ، وَعَنْ بَعْضِهِمْ: لَا يَجُوزُ
عَقْدُ الْوَلَايَةِ لِفَاسِقٍ إِبْتِدَاءً، فَإِنْ أَحْدَثَ جُورًا بَعْدَ أَنْ كَانَ عَدْلًا اِخْتَلَفُوا فِي
جَوَازِ الْخُرُوجِ عَلَيْهِ، وَالصَّحِيحُ الْمَنْعُ إِلَّا أَنْ يَكْفُرَ فَيَجِبُ الْخُرُوجُ عَلَيْهِ"
(ترجمہ) داوودی نے کہا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء کا
موقف یہ ہے کہ اگر تو بغیر فتنہ اور بغیر ظلم کے اسے ہٹانے کی طاقت ہو تو پھر
اسے ہٹانا واجب ہے، ورنہ صبر کرنا واجب ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ:
کسی فاسق کو شروع سے حاکم بنانا تو جائز ہی نہیں، اور اگر ایسا ہو کہ پہلے وہ
عادل تھا، بعد میں ظالم بنا ہو تو پھر اس کے خلاف خروج کے جائز ہونے
میں اختلاف ہے، اور صحیح یہی ہے کہ اس کے خلاف خروج ممنوع اور

نا جائز ہے، مگر یہ کہ حاکم سے کفر کا ظہور ہو جائے تو ایسی صورت میں اس کے خلاف خروج واجب ہے۔^①

گیاوی صاحب کی ایک بار پھر غلط بیانی:

یہاں ایک بار پھر گیاوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”اس جگہ پہنچ کر ایک بار پھر آپ کو یاد دلا دوں کہ یزید کا شراب پینا مضبوط سندوں اور قابل استدلال روایتوں سے ثابت کر چکا ہوں۔“^②

اور پھر اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

”گذر چکا ہے کہ صحیح روایتوں سے یزید کا فسق ثابت ہے اور تاریخی روایتیں صرف اور صرف تائیدی ہیں ان پر سب کا دار و مدار نہیں۔“^③

اس پر ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ:

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں

یہ ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

آپ کی تمام ”مضبوط سندوں“ اور ”صحیح روایتوں“ کا حال ہم بیان کر چکے، اور ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ شریعت کے اصول و ضوابط اور اسلامی قانون شہادت کے مطابق اس پر ایک بھی شہادت پیش نہیں کر سکے اور نہ کر سکتے ہیں۔

بارہ خلفاء والی حدیث اور گیاوی صاحب کے مغالطے:

محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پر لکھے گئے اپنے تبصرہ میں قاری صاحب کی ایک بات کا جواب دیتے ہوئے اس حدیث کا ذکر کیا

① عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد ۲۳ صفحہ ۷۹۱ دار احیاء التراث العربی بیروت.

②③ گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۹۴، ۹۵.

تھا جس میں نبی کریم ﷺ کی اس پیش گوئی کا ذکر ہے کہ بارہ خلفاء کے وجود و ظہور تک اسلام باعزت و شوکت اور دین قائم رہے گا۔^①

اور پھر محدث اعظمی نے لکھا تھا کہ:

”اور ظاہر ہے کہ یہ ان خلفاء کے دینی شعور، احساس ذمہ داری، اور فرائض کی انجام دہی میں پوری مستعدی کا نتیجہ ہوگا، پس ایسی خلافت چاہے راشدہ نہ ہو، مگر دین کا قیام اور اسلام کی عزت و شوکت اس سے وابستہ ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ شرعاً مطلوب و محمود نہیں ہے.....“^②

اس کے بعد انہوں نے اس پیش گوئی کی شرح کے عنوان کے تحت لکھا تھا کہ:

”اب آئیے ذرا یہ بھی معلوم کرتے چلئے کہ اس حدیث کی شرح علماء محققین نے کیا کی ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس پر بہت لمبی بحث کی ہے، اور آخر میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی شرح و توجیہ میں جس قول کا پہلہ سب سے بھاری ہے، وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں خلیفہ پر امت کے مجتمع ہونے کا (حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی بارہ خلفاء والی حدیث میں "کلہم تجتمع علیہ الامۃ" کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں یعنی ان تمام بارہ خلفاء پر امت کا اجتماع ہوگا۔ ناقل) مطلب یہ کہ امت اس کی بیعت کے لئے منقاد ہو جائے گی، اور واقعات کی دنیا میں یہ وصف حضرات خلفاء اربعہ کے سوا جن پر صادق آیا ان کے نام یہ ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، یزید ثانی، ہشام، ولید ثانی، اس کے بعد ابن حجر نے ایک اور توجیہ ذکر کی ہے جو اس سے کسی قدر مختلف ہے، مگر اس

①② دیکھیں: محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ، صفحہ ۱۹، ۲۲۲۔

توجیہ میں بھی انہوں نے ان بارہ خلفاء میں یزید کو شمار کیا ہے.....^① اب گیاوی صاحب، محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا جو جواب دے رہے ہیں اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے اور قارئین سے گزارش ہے کہ وہ گیاوی صاحب کی ان باتوں کو غور سے پڑھیں، اور ذہن میں رکھیں، یہ آگے کام آئیں گی، لکھتے ہیں:

”بخاری اور دیگر کتب حدیث میں بارہ خلفاء کے دور میں اسلام کے غلبہ اور عزت کی پیشین گوئی کی گئی ہے اس سے بے جایزید کی حمایت کے لیے مولانا اعظمی کمر بستہ ہو گئے ہیں، حالانکہ کئی وجہ سے یہ استدلال ان کے شایان شان نہیں ہے:

(۱) اس روایت میں ان خلفاء کے عادل اور ثقہ اور متقی پر ہیزار ہونے پر ولایت کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے، ان خلفاء کے تعلق سے کوئی لفظ بھی اس پیشین گوئی میں موجود نہیں، یہ بات صرف اس قرینے سے سمجھی گئی ہے کہ جب دین اسلام ان کے زمانہ میں بہت شان و شوکت اور عزت و غلبہ سے ہوگا تو وہ خلفاء بھی اچھے ہوں گے، تو یہ صرف ایک اجتہاد و فہم ہے جس کا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی تعلق نہیں (یعنی یہ شارحین کا اپنا اجتہاد و استنباط ہے۔ ناقل) اور نہ ان خلفاء کے کردار کا نص میں کوئی ذکر موجود ہے۔

(۲) ان خلفاء کے نام حدیث میں کہیں مذکور نہیں ہیں، نہ اس بات کی کوئی تصریح کسی حدیث میں ہے کہ یہ لگا تار، یکے بعد دیگرے، تسلسل سے ہونگے یا بیچ میں کوئی انقطاع ہوگا، حدیث کا تعلق صرف تعداد سے ہے، حدیث کا کوئی لفظ تسلسل یا

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۱.

انقطاع کو نہیں بتاتا ہے۔

(اس کے بعد گیاوی صاحب مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات کو دلیل بناتے ہیں کہ، انہوں نے خود ایک جگہ لکھا ہے کہ)

”شرح احادیث میں جو احتمالات محدثین ذکر کرتے ہیں، ان کو قطع و جزم کے صیغہ کے ساتھ بیان کرنا علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے، اسی طرح ان کی بنیاد پر حدیث کی کوئی مراد جزم کے ساتھ بیان کرنا یا ان احتمالات کو حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کہہ دینا کہ حدیث کا یہ مضمون ہے، ہمارے نزدیک من یقل مالہ اقلہ کی وعید کا مستحق بننا ہے۔“

آگے گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

”اس لئے حدیث سے یزید کی تعریف و منقبت کرنا محض قیاس و اجتہاد ہے، اسے اس کی منقبت و عدالت کی دلیل بنانا عالمانہ زبردستی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔“^①

اس پر ہم عرض کرتے ہیں کہ بے شک اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے عادل اور ثقہ اور متقی و پرہیزگار ہونے کا صریح بیان نہیں ہے، اور نہ یہ ذکر ہے کہ ان خلفاء کا ذاتی کردار کیسا ہوگا، وہ اچھے ہوں گے یا برے ہوں گے، لیکن یہ ضرور صراحت کے ساتھ ذکر ہے کہ ان کے دور خلافت میں دین اسلام کی بہت شان و شوکت ہوگی اور اس کا عزت و غلبہ ہوگا، تو کیا گیاوی صاحب کے مطابق پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ ان بارہ میں ایسے خلفاء بھی ہوں گے جو سرعام فسق و فجور کرتے پھریں گے، محرّمات سے نکاح کریں گے، سرعام شراب نوشی کی محفلیں لگیں گی، وہ بندر بچائیں گے، عدل و انصاف

① ملخصاً: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۵ تا ۹۸.

نام کی کوئی چیز نہ ہوگی، ہر طرف ظلم و بربریت کا دور دورہ ہوگا، اللہ کا دین خطرے میں ہوگا، ان خلفاء میں ایسے بچے اور "صبیان" بھی ہوں گے جن کے ہاتھوں امت کی ہلاکت ہوگی، مدینہ منورہ میں ہزار کنواری عورتوں کی حرمت پامال کی جائے گی، اور وہ ہزار کی ہزار عورتیں بچوں کو بھی جنم دیں گی، اور بقول گیاوی صاحب، ان ہزار میں کئی صحابیات بھی ہوں گی (العیاذ باللہ)،

اور ان بارہ خلفاء میں ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کے دین کو تبدیل کر ڈالیں گے، یہاں تک کہ پھر کربلا میں اسلام کو دوبارہ زندہ کرنا پڑے گا؟ (اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد جیسے نعروں کی طرف اشارہ ہے)۔

الغرض! اگر اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے کردار کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں تو یہ بتایا جائے کہ ان کے دور میں دین اسلام کا بول بالا ہونے، اور دین کے غالب رہنے اور اس کی شان و شوکت کا غلبہ رہنے کا بیان ہونا بھی تسلیم ہے یا نہیں؟۔ اور پھر یہ بتایا جائے کہ کیا ایسا خلیفہ جو خود علی الاعلان شرابی و زانی اور فاسق و فاجر ہو کہ بقول گیاوی صاحب، صحابہ کی ایک جماعت اس کے شرابی و فاسق ہونے کی گواہی دے، تو اس کے دور میں یہ کہنا کہ دین اسلام غالب اور شان و شوکت اور عزت والا تھا کس طرح درست ہوگا؟۔

اور کتنی عجیب بات ہے کہ خود قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کی کتاب پر لکھے گئے محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرہ کا گیاوی صاحب "بزعم خود" علمی محاسبہ کر رہے ہیں) اپنی کتاب میں یہ فلسفہ پیش کیا ہے کہ یزید کافسق و فجور اس کی ذات تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ متحدی تھا جس کی وجہ سے نظام میں خلل آ رہا تھا، اس لیے سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ

نے اس کے خلاف خروج فرمایا تھا، یہ بات انہوں نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر ذکر کی ہے، مثلاً:

”..... جہاں تک امیر کے ذاتی فسق و فجور کا تعلق ہے وہ کتنا بھی شدید ہو خروج کی شدید ممانعت ہے، اور جہاں تک اس کے متعدی فسق و فجور کا تعلق ہے جس سے نظام دیانت مختل ہونے لگے تو امیر کی مخالفت نہ صرف جائز بلکہ استطاعت کی حد تک ضروری ہے، اس لیے ممانعت خلاف کی حدیشیں امیر کے ذاتی فسق و فجور پر محمول ہوں گی اور اجازت خلاف کی حدیشیں امیر کے متعدی اور جماعتی فسق و فجور پر.....“^①

اب گیاوی صاحب خود فیصلہ کر کے ہمیں بتادیں کہ ایسا فسق و فجور جو امیر کی ذات تک محدود نہ رہے، بلکہ متعدی اور جماعتی فسق و فجور بن جائے جس سے نظام بھی مختل ہونے لگے تو ایسی امارت میں دین اسلام کی بہت شان و شوکت ہوگی اور اس کا عزت و غلبہ ہوگا یا فسق و فجور کا غلبہ ہوگا؟

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے ناموں کا ذکر نہیں، اور نہ ہی یہ ذکر ہے کہ یہ مسلسل ہوں گے یا مختلف زمانوں میں ہوں گے، اور جو نام اس حدیث کی شرح میں گنوائے گئے ہیں وہ شارحین کا اپنا استنباط و اجتہاد ہی ہے، اور ان میں شارحین نے ”یزید“ کا نام بھی گنوا یا ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ شارحین کے اس اجتہاد و شرح کی حیثیت حدیث جیسی نہیں۔ لیکن گیاوی صاحب کو یہ بات ان احادیث میں بھی یاد رکھنی چاہیے جہاں وہ ”هلاک اُمّتی علی یدی غلمة من قریش“ اور ”امارة الصبيان“ کے الفاظ میں ”شارحین“ کے حوالے سے نام بیان کرتے ہیں، وہاں

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۱۸۸-۱۸۹، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

بھی تو حدیث میں کسی کا نام نہیں، اور نہ ہی یہ احادیث روایت کرنے والے صحابہ میں سے کسی نے کسی کا نام ذکر کیا ہے۔ (اس کا ذکر آگے آرہا ہے)۔

گیادوی صاحب کی ایک اور علمی خیانت:

گیادوی صاحب نے بارہ خلفاء والی حدیث پر بات کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

”حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں دین کی شوکت اور اسلام کی رونق کا جو ذکر کیا گیا ہے اور یہ بارہ خلفاء لگاتار و تسلسل سے ہونگے تو اس میں یزید کا دور حکومت بھی اس مدت میں شریک ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا بنتا ہے اس لئے غالب اور اکثر کے تحت ایک ہی حکم لگا دیا گیا ہے، حافظ ابن حجر کے الفاظ پڑھیے.....“^①

ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ گیادوی صاحب کی صریح غلط بیانی ہے، حافظ ابن حجر نے ہرگز یہاں ”یزید بن معاویہ“ کا یا اس کی خلافت کا اس طرح ذکر نہیں کیا جیسا گیادوی صاحب لکھ رہے ہیں، اور نہ ہی یہ لکھا ہے کہ یزید کی خلافت کا دور بہت تھوڑا بنتا ہے اس لیے غالب اور اکثر کے تحت ایک ہی حکم لگا دیا گیا، چنانچہ آگے خود گیادوی صاحب نے حافظ ابن حجر کی عربی عبارت کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے، ہم اس ٹکڑے سے پہلے کی عبارت بھی ساتھ نقل کرتے ہیں جو گیادوی صاحب نے اپنی ”غیر جانبدارانہ“ تحقیق کی وجہ سے ذکر کرنی مناسب نہ سمجھی، اصل میں یہاں حافظ ابن حجر اس اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ان تمام بارہ خلفاء کی خلافت پر امت کا اجتماع ہوگا، تو آپ نے جو بارہ نام گنوائے ہیں ان میں کچھ ایسے

① گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۶-۹۷۔

بھی ہیں جن پر لوگوں کا اجتماع نہیں ہو سکا تھا، تو اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَا يَفْدُخُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ يَجْتَمِعُ عَلَيْهِمُ النَّاسُ لِأَنَّهُ يَحْمَلُ عَلَى الْأَكْثَرِ الْأَغْلَبِ لِأَنَّ هَذِهِ الصِّفَةَ لَمْ تُفْقَدْ مِنْهُمْ إِلَّا فِي الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ مَعَ صِحَّةٍ وَلَا يَتَّهَمَا وَالْحُكْمُ بِأَنَّ مَنْ خَالَفَهُمَا لَمْ يَثْبُتْ امْتِخَاقُهُ إِلَّا بَعْدَ تَسْلِيمِ الْحَسَنِ وَبَعْدَ قَتْلِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَكَانَتْ الْأُمُورُ فِي غَالِبِ أَرْبَعَةِ هَوَلاءِ الْإِلَئِي عَشْرَ مُنْتَظِمَةً وَإِنْ وُجِدَ فِي بَعْضِ مَذَبِهِمْ خِلَافٌ ذَلِكَ فَهُوَ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْإِسْتِقَامَةِ نَادِرٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ" ①

(خلاصہ) ان تمام خلفاء پر لوگوں کا اجتماع ہونے والی بات پر اعتراض نہ کیا جائے، یہ اکثریت اور غالب کے حکم پر محمول ہے، کیونکہ ان میں صرف دو ایسے ہیں جن پر یہ بات پوری نہ ہوئی (یعنی لوگوں کا ان پر اجتماع نہ ہو سکا) ایک سیدنا حسن بن علی اور دوسرے عبداللہ بن زبیر، اگرچہ ان دونوں کی ولایت و خلافت صحیح تھی، باقی رہی یہ بات کہ اگر ان دونوں کی خلافت صحیح تھی تو جو ان کے مد مقابل تھے، (یعنی سیدنا معاویہ اور عبدالملک بن مروان تو ان کی خلافت کیسے درست ہوئی، جبکہ انھیں بھی تو آپ نے بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے، تو اس حافظ ابن حجر اس کا جواب دیتے ہیں کہ) ان کی خلافت اس وقت ثابت اور صحیح ہوئی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں سوئپ دی (یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) اور جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے (یعنی عبدالملک بن مروان کے دور میں)، اور ویسے ان تمام بارہ کے زمانوں میں امور سلطنت منتظم تھے، اگرچہ بعض کی مدت خلافت

① فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۵ دار المعرفۃ بیروت.

میں اس کے خلاف بھی رہا (یعنی امور سلطنت میں کچھ اونچ نیچ آئی) لیکن یہ ”عدم انتظام“ کی مدت نسبت استقرار و انتظام کی مدت کے بہت تھوڑی اور قلیل ہے واللہ اعلم۔

بتائیں! اس پوری عبارت میں کہیں یزید کا یا اس کی خلافت کا نام بھی ہے؟ بلکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر ہونے والے اشکال کا جواب دیا جا رہا ہے، نیز جہاں یہ بیان ہے کہ

”ان میں سے بعض کے زمانے میں امور سلطنت میں کچھ اونچ نیچ ہوئی“

وہاں بھی یزید کا نام نہیں، پھر گیا وی صاحب کا حافظ ابن حجر کی عبارت میں یہ داخل کرنا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ:

”یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا جتنا ہے اس لئے غالب اور اکثر کے تحت اس مختصر قلیل زمانہ کا اعتبار کر کے للائحو حکم الكل کی بنا پر تمام بارہ خلفاء کے زمانہ پر ایک ہی حکم لگا دیا گیا“^①

یہ سراسر غلط بیانی اور مغالطہ ہے، بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف وہ الفاظ منسوب کرنا ہے جو انہوں نے نہیں لکھے۔

اور یاد رہے کہ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یزید پر لوگوں کا مجتمع ہونا بھی صراحت کے ساتھ لکھا ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے یزید کی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَبَاتِعَ لَابْنِهِ يَزِيدَ بَعْدَ مَوْتِ مُعَاوِيَةَ لَا جَمْعًا النَّاسِ عَلَيْهِ“^②

① گیا وی صاحب کی کتاب صفحہ ۹۷۔

② فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۵ دار المعرفۃ بیروت۔

”سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت تب کی جب لوگوں کا اس پر اجتماع ہو چکا تھا“۔
 اور گیاوی صاحب کے مدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ:
 ”جب یزید نے عنان حکومت سنبھالی تو لوگ طوعاً و کرہاً اس کی بیعت پر مجتمع ہو گئے تھے“۔^①

بلکہ خود گیاوی صاحب نے بھی صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ:
 ”یزید کی طاقت متحدہ تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر جاز سب متحد تھے، دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا ہوا..... دو سال بعد سنہ ۶۳ ہجری میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے.....“^②

اب آئیے ”بارہ خلفاء“ والی حدیث پر چند مزید علماء کے حوالے بھی پڑھتے جائیں جنہوں نے ”یزید“ کو بھی ان بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے:
 شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (التوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وفي لفظ: لا يزال الإسلام عزيزاً إلى النبي عشر خليفة كلهم من قریش
 وهكذا كان، فكان الخلفاء: أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، ثم تولی
 من اجتمع الناس عليه وصار له عز ومنعة: معاوية، وابنه يزيد، ثم عبد
 الملك وأولاده الأربعة، وبينهم عمر بن عبد العزيز۔ وبعد ذلك حصل
 في دولة الإسلام من النقص ما هو باق إلى الآن، فإن بني أمية تولوا على

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۰۹ طبع اول۔

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸-۱۲۹۔

جميع أرض الإسلام، وكانت الدولة في زمنهم عزيزة

اور اس حدیث کے بعض الفاظ ہیں:

”اسلام غالب رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب کے سب قریش سے ہوں گے“ اور ایسے ہی ہوا چنانچہ یہ خلفاء اس طرح تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ان کے بعد جن پر امت جمع رہی اور اس کے لئے عزت و طاقت رہی، وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے یزید، پھر عبد الملک اور پھر اس کے چاروں بیٹے اور ان کے درمیاں عمر بن عبد العزیز بھی تھے۔ اور اس کے بعد اسلامی حکومت میں نقص آ گیا جو آج تک باقی ہے، اور نوا میہ نے تمام عالم اسلام پر حکومت کی اور اسلامی حکومت ان کے زمانے میں مضبوط تھی“۔^①

ملا علی القاری (متوفی ۱۰۱۳ ہجری) فرماتے ہیں:

”وكان الأمر كما قال النبي ﷺ، فالإثني عشر هم الخلفاء الراشدون الأربعة، ومعاوية وابنه يزيد، وعبد الملك بن مروان وأولاده الأربعة، وبينهم عمر بن عبد العزيز، ثم أخذ الأمر في الإنحلال، وعند الرافضة أن أمر الأمة لم يزل في أيام هؤلاء فاسداً منغصاً يتولاها الظالمون المعتدون، بل المنافقون الكافرون وأهل الحق أذل من اليهود، وقولهم ظاهر البطلان، والله المستعان“۔^②

اور معاملہ ویسے ہی ہوا جیسے نبی ﷺ نے فرمایا تھا، چنانچہ بارہ خلیفہ یہ

① منہاج السنہ، جلد ۸ صفحہ ۲۳۸ طبع السعودیہ۔

② منہج الروض الأزھر فی شرح الفقہ، صفحہ ۲۰۶ دار البشائر الاسلامیہ بیروت۔

چار خلفائے راشدین تھے، اس کے بعد معاویہ اور ان کے بیٹے یزید تھے، اس کے بعد عبدالملک بن مروان اور ان کے چاروں بیٹے تھے اور ان کے درمیاں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ تھے، اس کے بعد یہ معاملہ کمزور پڑ گیا، جبکہ روافض کا کہنا ہے کہ ان تمام کے دور میں امت کے معاملات خراب تھے اور ظالموں کے ہاتھ میں تھے، بلکہ منافقوں اور کافروں کا تسلط تھا جبکہ اہل حق یہودیوں سے بھی زیادہ ذلت کے ساتھ رہ رہے تھے، ان (رافضیوں) کی اس بات کا باطل ہونا ظاہر ہے، واللہ المستعان۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”علمائے اہل سنت میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا یعنی سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ہشام“ ①۔

نوٹ: گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۷ کے حاشیے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور عربی عبارت بھی نقل کی ہے، جس کا اردو ترجمہ انہوں نے نہیں کیا، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ حاشیہ اس روایت سے متعلق ہے جو گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۰ پر نقل کی ہے جو یہ ہے کہ:

① سیرت النبی: جلد ۲، صفحہ ۱۳۹۳ دارہ اسلامیات پاکستان.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سنایا کہ:

هلكت أمتي على يدي غلمة من قريش --- فقال ابوهريرة لو شئت ان

أقول بني فلان وبني فلان" ①

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے

ہاتھوں ہوگی، سیدنا ابو ہریرہ نے کہا: اگر میں چاہوں تو فلاں کی اولاد اور

فلاں کی اولاد نام بنام بتا سکتا ہوں۔

اس روایت پر بات تو ہم آگے کریں گے، لیکن چونکہ اس سے متعلقہ حاشیہ جس کا

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے، اس لیے ہم ابن حجر کی یہ عبارت نقل

کر کے اس کا ترجمہ بھی کرتے ہیں کیونکہ یہ بہت اہم ہے:

"وفي هذا الحديث أيضا حجة لما تقدم من تزك القيام على السلطان ولو

جاز لأنه صلی اللہ علیہ وسلم أعلم أبا هريرة بأسماء هؤلاء وأسماء آبائهم ولم يأمرهم

بالخروج عليهم مع إخباره أن هلاك الأمة على أيديهم لكون الخروج

أشد في الهلاك وأقرب إلى الاستئصال من طاعتهم فاختار أخف

المفسدتين وأيسر الأمرين" ②

(ترجمہ) اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بادشاہ اگرچہ ظلم بھی

کرے تو اس کے خلاف نہیں کھڑا ہونا (یعنی خروج نہیں کرنا) کیونکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ کو ان (قریشی چھوکروں) کے نام اور ان

کے آباء کے نام تو بتائے تھے لیکن ان کے خلاف خروج کرنے کا حکم نہیں

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۰.

② فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۱ دار المعرفہ بیروت.

دیا تھا، باوجود اس کے کہ آپ نے خبر دی کہ امت کی ہلاکت ان کے ہاتھوں ہوگی، کیونکہ (حاکم کے خلاف) خروج کرنے میں زیادہ ہلاکت اور نقصان کا خطرہ ہے نسبت ان کی اطاعت کے پس آپ ﷺ نے اس چیز کو پسند فرمایا جس میں کم خرابی ہے اور جو دونوں معاملوں میں سے آسان ہے۔

گیادوی صاحب کے اصول اپنے لئے اور، دوسروں کے لئے اور:

ابھی ہم نے دیکھا کہ بارہ خلفاء والی حدیث پر بات کرتے ہوئے گیادوی صاحب نے یہ لکھا تھا (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ:

”اس حدیث میں ان بارہ خلفاء کے نہ ہی نام مذکور ہیں اور نہ ہی ان کے ذاتی کردار کا کوئی ذکر ہے کہ وہ اچھے ہوں گے یا برے ہوں گے، بلکہ صرف اس بات کا ذکر ہے کہ ان کے دور میں اسلام کا غلبہ اور شان و شوکت ہوگی، یہ بات صرف اس قرینے سے سمجھی گئی ہے کہ جب دین اسلام ان کے زمانہ میں بہت شان و شوکت اور عزت و غلبہ سے ہوگا تو وہ خلفاء بھی اچھے ہوں گے، تو یہ صرف ایک اجتہاد و فہم ہے جس کا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی تعلق نہیں۔“

لیکن جب یہی بات محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمائی جس میں ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوڑوں کے ہاتھوں ہوگی، اور محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر لکھا تھا کہ:

”حدیث میں صراحتاً یا اشارۃً کوئی تعین ان چھوڑوں کی نہیں ہے، اب اگر کسی قرینے کی بنا پر کسی عالم نے یہ لکھ دیا کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ

معلوم ہوتا ہے تو اس بنیاد پر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں یزید کے ہاتھوں سے امت کی بربادی کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اور واضح لفظوں میں سینے کہ چند غیر متعین قریشی لڑکوں کے ہاتھوں امت کی بربادی کی خبر کو تو حق تسلیم کرنا اور اس پر آمنا و صدقنا کہنا ضروری ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا کہ ان لڑکوں میں یزید بھی داخل ہے قطعاً ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی تصریح حدیث میں نہیں ہے، ہاں احتمال کے درجہ میں یہ کہنا اور ماننا ممکن ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یزید بھی ان میں داخل ہو، اب میں مہتمم صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ایسی احتمالی بات بھی داخل عقائد ہو سکتی ہے؟

تیسری گزارش یہ ہے کہ شرح احادیث میں جو محدثین ذکر کرتے ہیں، ان کو قطع و جزم کے صیغہ سے بیان کرنا علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے، اسی طرح اس کی بنیاد پر حدیث کی کوئی مراد جزم کے ساتھ بیان کرنا، یا ان احتمالات کو حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث کا مضمون ہے، ہمارے نزدیک مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْهُ کی وعید شدید کا مستحق بننا ہے.....“^①

تو یہاں گیا وی صاحب اپنے علمی مقام سے بہت نیچے اتر کر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”مولانا اعظمی کا غرور علم اس جگہ بالکل کھل گیا ہے اور وہ تکبر کو تو واضح کی چادر میں چھپانے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں، اور بڑے بڑے محدثین اور اصحاب علم کو ہی نہیں، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۳-۲۴۔ نیز گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۹۔

پر رکھ کر بے توقیر بنا ڈالا ہے.....“^①

اور پھر اگلے صفحے پر لکھتے ہیں:

”لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بات صرف ابن حجر یا حافظ عینی کی ہوتی تو بھی مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے احترام میں مانی جا سکتی تھی، کیونکہ نحن رجال وهم رجال کی حد میں ہی بات رہتی، لیکن مجھے نہایت ہی افسوس اور حیرت ہوتی ہے کہ بات تو صحابی رسول ﷺ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، کیونکہ بخاری ہی میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان موجود ہے کہ میں ان چھوڑوں کو جانتا ہوں، مجھے ان کے اور ان کے باپ کے نام بھی معلوم ہیں، چاہوں تو بتا بھی سکتا ہوں..... (پھر گیا وی صاحب نے اسی بات پر ایک روایت نقل کی ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش ہے کہ).....“ اس روایت سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان چھوڑوں کے نام یقینی طور پر معلوم تھے اور ظاہر ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نام حضور ﷺ ہی نے بتائے تھے..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو نام معلوم تھے وہ یقینی اور حتمی تھے، صرف احتمالی نہیں، کیونکہ احتمالی ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضور کی بات پر یقین اور جزم نہ تھا..... حالانکہ کسی صحابی کے بارے میں یہ بات سمجھنا بہت بڑی گمراہی کا دروازہ کھولتا ہے، اس لیے ہمارا عقیدہ ہے ان چھوڑوں کے نام سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بالیقین معلوم تھے، البتہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صراحت کے ساتھ کسی مصلحت کی وجہ سے ان چھوڑوں کو

① گیا وی صاحب کی کتاب: ۹۹.

کھول کر بتاتے نہ تھے، مگر کبھی اشارہ فرمادیتے تھے اور صحیح روایتوں میں

سیدنا ابو ہریرہ نے کنا یہ سے نام بتا دیئے ہیں.....^①

قارئین محترم! آپ کو گیاوی صاحب کی یہ لمبی چوڑی تقریر سمجھ آئی؟ اس میں محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کس بات کا رد ہے؟ کیا محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا انکار کیا تھا کہ جس میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

”اگر میں چاہوں تو ان چھوکروں اور ان کے آباء کے نام بھی بتا دوں؟“

یا انہوں نے یہ لکھا تھا کہ

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خود ان چھوکروں کے نام معلوم نہ تھے؟“

انہوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ حدیث میں ان چھوکروں کے نام مذکور نہیں، اور نہ ہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے نام بتائے ہیں، پھر گیاوی صاحب کا اس بات پر اتنا سخ پا ہونا چہ معنی دارد؟، ہمارے خیال میں جب آدمی دلیل کے سامنے لاجواب ہو جاتا ہے تو وہ ایسے ہی غصہ کرتا ہے، کیا اعظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ دیا تھا کہ:

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان چھوکروں کے نام حتمی و یقینی طور پر معلوم نہ

تھے؟؟“

ہاں اگر گیاوی صاحب یہ ثابت کر دیتے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان چھوکروں کے نام بھی صراحت کے ساتھ بتا دیئے تھے اور ان میں یزید کا نام بھی تھا تو پھر بھی کوئی بات ہوتی، لیکن گیاوی صاحب تو خود یہ فلسفہ جھاڑ رہے ہیں کہ: ”سیدنا ابو ہریرہ نے کنا یہ سے نام بتائے ہیں“ (اگر چہ گیاوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی سراسر غلط ہے، جس پر ہم آگے بات کریں گے)، تو گیاوی صاحب بتائیں کہ اس ”کنا یہ“ سے

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۰-۱۰۱.

کس نے یقینی و قطعی طور پر نام نکالے؟ وہ لوگ کون تھے؟ شارحین یا خود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ؟

پھر گیا وی صاحب کی مزید دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں کہ:
 ”صحیح روایتوں میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنا یہ سے نام بتائے ہیں،
 محدث بیہقی رضی اللہ عنہ نے وہ صحیح روایت نقل کر دی ہے۔“

اور اس کے بعد گیا وی صاحب نے بیہقی کی کتاب ”دلائل النبوة“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں ایک سیدنا ابو سعید خدری کی ہے، اس کے بعد انہوں نے بیہقی کی یہ بات نقل کی ہے کہ:

”وَقَدْ رَوَى عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه مَا يَوْمَ كَذَبَ هَذَا النَّارِ بِخٍ“^①

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ بات مروی ہے جو اسی تاریخ کی تائید کرتی ہے۔“

یہاں گیا وی صاحب نے حدیث کر دی، امام بیہقی کی کتاب ”دلائل النبوة“ کے جس باب کی دو احادیث کا انہوں نے حوالہ دیا ہے، وہ حدیثیں انہوں نے نقل کیوں نہ کیں؟ تاکہ پڑھنے والے دیکھ لیتے کہ ان میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ”علمة من قوريش“ کی تشریح میں کس کا نام ”کنا بتا“ ذکر کیا ہے؟ اور وہ ایک ”چھوکر“ تھا یا بہت سے ”چھوکرے“ تھے؟ یہ گیا وی صاحب کی تلبیس اور مغالطہ دہی کی اعلیٰ ترین مثال ہے، وہ دراصل ایک دوسری روایت کو یہاں ملا کر دھوکہ دینا چاہتے ہیں، جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ہے کہ آپ ”ساٹھویں سال“ سے پناہ مانگا کرتے تھے، اس اثر پر ہم آگے بات کریں گے۔

① دیکھیں: گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۱

گیا وی صاحب نے تو آگے تلبیس کی انتہاء ہی کر دی، لکھتے ہیں:

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت بسند صحیح مروی ہے اور اس میں نام کی طرف کنایۃ تذکرہ ہے اس لئے اس کو پیش کر رہا ہوں۔“

اور پھر ابن حجر مکی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے:

وَكَانَ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَلِمَ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمَا مَرَّ غَنَهُ صلى الله عليه وسلم فِي يَزِيدٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَذْغُو اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ رَأْسِ السِّتِّينَ وَإِمَارَةِ الضَّبَّيَّانِ، فَاسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ وَتَوَفَّاهُ سَنَةَ تِسْعٍ وَخَمْسِينَ وَكَانَ وَفَاةً مُعَاوِيَةَ وَوَلَايَةَ ابْنِهِ سَنَةَ سِتِّينَ فَعَلِمَ أَبُو هُرَيْرَةَ بِوَلَايَةِ يَزِيدٍ فِي هَذِهِ السَّنَةِ فَاسْتَعَاذَ مِنْهَا لِمَا عَلِمَهُ مِنْ قَبِيحِ أَخْوَالِهِ بِوَاسِطَةِ إِغْلَامِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوقِ صلى الله عليه وسلم بِذَلِكَ“

(ترجمہ از گیاوی صاحب) نبی کریم صلى الله عليه وسلم سے مروی روایت میں جو کچھ گذرا یزید کے بارے میں، سیدنا ابو ہریرہ کو اس کی معلومات تھیں، اور سیدنا ابو ہریرہ رضي الله عنه دعا فرماتے تھے: اللہ کی پناہ چاہتا ہوں سنہ ۶۰ھ کی شروعات سے (گیاوی صاحب نے یہاں ہجری سال سمجھا ہے۔ ناقل) اور بچوں کی حکومت سے تو اللہ نے ان کی دعا قبول کی، اس لئے ان کو سنہ ۵۹ھ میں وفات دے دی، سیدنا معاویہ رضي الله عنه کی وفات اور ان کے بیٹے یزید کی حکومت سنہ ۶۰ھ ہجری میں ہے پس ابو ہریرہ، یزید کی حکومت کے بارے میں جانتے تھے، اس لیے وہ اس سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے، کیونکہ وہ اس کے برے حالات کو جانتے تھے، صادق و مصدوق صلى الله عليه وسلم کے واسطے سے..... الخ^①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۱-۱۰۲.

ہمارا سوال ہے کہ کیا ”ابن حجر کی“ کی بات گیاوی صاحب کے نزدیک ”صحیح حدیث“ ہے؟ پھر خود گیاوی صاحب نے ”رأس المستین“ کا ترجمہ کیا ہے کہ ”سنہ ۶۰ ہجری کی شروعات“، تو سنہ ۶۰ ہجری کے شروع میں تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی، آپ کی وفات رجب ۶۰ ہجری میں ہوئی ہے، یہاں گیاوی صاحب کیا تاویل کریں گے؟

الغرض! ہم ابن حجر کی کی بات کو ”حدیث صحیح“ یا اسے ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات“ ہرگز قبول نہیں کر سکتے، یہ ابن حجر کی کا اپنا استنباط اور اجتہاد ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید یا کسی اور کا نام ہرگز نہیں لیا۔ اور گیاوی صاحب اگر بھول گئے ہوں تو انہیں یاد کروادیں کہ اپنی اسی کتاب میں انہوں نے جب ”شراب کی مہک آنے پر حد جاری کیے جانے“ کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت پیش کی تھی تو لکھا تھا کہ:

”شارحین اس حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں: ممکن ہے اس شرابی نے پینے کا اعتراف و اقرار کر لیا ہو، اس لئے اس پر حد جاری کر دی گئی، میں کہتا ہوں کسی صحیح السنہ روایت سے نہ اس کا اقرار و اعتراف ثابت کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات ثابت کیا جانا آسان ہے۔“^①

تو یہ ہے گیاوی صاحب کی ”غیر جانبدارانہ“ تحقیق، خود جب چاہیں شارحین حدیث کی بات تسلیم نہیں کرتے، اور جب کوئی دوسرا یہ کہے تو اس پر غصہ کرتے ہیں کہ ”مولانا اعظمی کا غرور علم اس جگہ بالکل کھل گیا ہے اور وہ تکبر کو تواضع کی چادر میں چھپانے میں بری طرح ناکام ہو گئے ہیں، اور بڑے بڑے محدثین اور اصحاب علم کو ہی نہیں، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر

① گیاوی صاحب کی کتاب، صفحہ ۳۲-۳۵

پر رکھ کر بے توقیر بنا ڈالا ہے۔“

ہم یہاں یہ بات بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کا معاملہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سامنے آیا اور اس پر چند صحابہ نے اختلاف بھی کیا تو اس وقت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے (خود گیاوی صاحب نے "الصواعق المحرقة" کے حوالے سے جو ابن حجر کی کا قول اور اجتہاد نقل کیا ہے، اس میں صاف مذکور ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۵۹ ہجری میں ہوئی تھی)، تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یقین طور پر علم تھا کہ امت کی بربادی جن چھوڑوں کے ہاتھوں ہونے والی ہے ان میں سب سے پہلا چھوڑ کر یزید ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو یہ حدیث نہ سنائی؟ اور نہ ہی ان صحابہ میں سے کسی نے اس حدیث سے کہیں استدلال کیا جنہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا اختلافی موقف کھل کر بیان کیا؟.....

بلکہ اور آگے جائیں تو واقعہ حرہ میں بھی یزید کی بیعت توڑنے والوں میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کا حوالہ دے کر یہ نہیں کہا کہ یزید وہ پہلا قریشی چھوڑا ہے جس کے ہاتھوں امت کی ہلاکت شروع ہوئی ہے، جس کا نام ہمیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایتاً بتا دیا تھا، لہذا امت کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اس کے خلاف نکلنا ضروری ہے۔

اب گیاوی صاحب بتائیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سامنے یزید کی ولی عہدی کی بیعت ہوتے دیکھی، لیکن کسی سے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام اور ولدیت کے ساتھ بتایا ہوا ہے کہ یزید ہی وہ پہلا قریشی چھوڑا ہے جس کے ہاتھوں امت کی ہلاکت ہوگی، بلکہ اگر آپ نے اس وقت موجود صحابہ میں سے ہی کسی کو صراحتاً

نہ سہی، کنایہ و اشارتاً ہی یہ بات بتادی ہوتی تو کیا وہ صحابہ اس بات کو ذکر نہ کرتے؟ اور عین ممکن ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمنوا صحابہ کرام یہ بات سن کر اپنے موقف سے رجوع کر لیتے، اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ واقعہ حرہ میں یزید کی بیعت توڑنے والوں کو سخت وعیدیں نہ سناتے۔ لہذا جو بات ۹۰۰ سال بعد پیدا ہونے والے ابن حجر کی کو معلوم ہوگئی وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کیوں معلوم نہ ہو سکی؟ یہ گتھی گیاوی صاحب کو سلجھانی ہوگی۔ (ابن حجر کی ولادت سنہ ۹۰۹ ہجری کی ہے)۔

بلکہ خود گیاوی صاحب نے امام بیہقی کی "دلائل النبوة" کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے، اسی روایت سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنا اور اس کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن گیاوی صاحب نے وہاں بھی یہ صریح مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ اس روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بچوں کی امارت کا پہلا مصداق یزید تھا، اور پھر بلا سوچے سمجھے گیاوی صاحب نے جو یہ بات لکھی ہے کہ:

”ابن ابی شیبہ کے ساتھ امام بیہقی کی دلائل النبوة سے جو روایت میں نے پہلے نقل کی ہے اس کو ملا لیجئے تو بات بالکل صاف اور واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ امارۃ الصبیان کا پہلا مصداق یزید ہی ہے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بالوں کو پکڑنے کی دعوت دے کر کنایہ یزید کا نام بتا دیا تھا، اس لئے کہ ان کو یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم تھی لیکن کھول کر بیان کرنا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لیے خطرناک اور

خلاف مصلحت تھا.....“^①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۶۔

یہ گیاوی صاحب کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بہتان عظیم ہے، اور انہیں (معاذ اللہ) بزدل ثابت کرنا ہے، جو اپنے سامنے امت کی ہلاکت کا سامان ہوتے دیکھتے رہے لیکن پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بات کھول کر کسی سے بیان نہ کر سکے، گیاوی صاحب! آپ یزید کی مٹی پلید کرنے کے شوق میں کہاں تک پہنچ گئے؟ کیا آپ نے اس پر غور کیا؟۔

گیاوی صاحب کے اس دھوکہ پر ہم آگے بات کریں گے اور بتائیں گے کہ "تمسکوا بصدغی معاویة" کے الفاظ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو پکڑنے کی بات ہو رہی ہے یا ان کی حکمت عملی کو غلط بتایا جا رہا ہے، لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یزید کا یہاں دور دور تک اشارتاً یا کنایتاً کہیں ذکر نہیں، نیز ہم بتائیں گے کہ "صبیان" اور "غلمان" عربی میں کس پر بولا جاتا ہے، اور کیا یزید صبی یا غلام کی تعریف میں آتا ہے؟

قریشی بچوں کے ہاتھوں امت کی ہلاکت والی حدیث اور اس کا مفہوم:

اب ہم پر لازم ہے کہ ہم "قریشی چھوڑوں کے ہاتھوں امت کی ہلاکت" والی حدیث، نیز "ساٹھ سال" اور "بچوں کی امارت" سے پناہ مانگنے والے اثر پر مفصل بات کریں تاکہ گیاوی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے اس استدلال کی حقیقت بھی آشکار ہو سکے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ الْأَمْوِيُّ،
عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ فَسَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ:

سَمِعْتُ الصَّادِقَ المَضدُوقَ، يَقُولُ هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيِ عِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ،
فَقَالَ مَرْوَانُ: عِلْمَةٌ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنَّ شَيْئًا أَنْ أُسَمِّيَهُمْ بَنِي فَلَانٍ، وَبَنِي
فُلَانٍ۔^①

(ترجمہ) عمرو بن یحییٰ بن سعید اپنے دادا (سعید) سے روایت کرتے
ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابو ہریرہ اور مروان کے ساتھ تھا جب سیدنا
ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: میری
امت کی بربادی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی، مروان نے
پوچھا: نوجوان لڑکے؟ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تم چاہو تو میں ان
کے نام بھی لے لوں کہ وہ بنی فلاں اور بنی فلاں ہوں گے۔

یہی حدیث صحیح بخاری میں ایک دوسرے مقام پر بھی یوں آئی ہے:

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ
سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَدِّي، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي مَسْجِدِ
النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ، وَمَعَنَا مَرْوَانُ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ الصَّادِقَ
المَضدُوقَ يَقُولُ: هَلَاكَةُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيِ عِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ: لَعْنَةُ
اللَّهِ عَلَيْهِمْ عِلْمَةٌ۔ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ: بَنِي فَلَانٍ، وَبَنِي فَلَانٍ،
لَقَعَلْتُ۔ فَكُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ جَدِّي إِلَى بَنِي مَرْوَانَ حِينَ مَلَكَوا بِالسَّامِ، فَإِذَا
رَأَهُمْ عِلْمَانًا أَحَدَانَا قَالَ لَنَا: عَسَى هَؤُلَاءِ أَنْ يَكُونُوا مِنْهُمْ؟ قُلْنَا: أَلَيْسَتْ
أَعْلَمُ۔^②

① صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۶۰۵۔

② ایضاً حدیث نمبر: ۷۰۵۸۔

(وہی راوی عمرو بن یحییٰ بن سعید اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، لیکن اس روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں، ان کا ترجمہ کیا جاتا ہے) راوی عمرو بن یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ: جب بنو مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جایا کرتا تھا، جب میرے دادا نے وہاں نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ: شاید یہ انہی میں سے ہوں، ہم نے کہا کہ: آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

"فَإِذَا هُمْ يَبَايَعُونَ الصَّبِيَّانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يَبَايِعْ لَهُ، وَهُوَ فِي خِزْفَةٍ قَالَ لَنَا: هَلْ عَسَىٰ أَصْحَابُكُمْ هَؤُلَاءِ أَنْ يَكُونُوا الَّذِينَ سَمِعْتُ أَبَاهُ يَزِيدُ يَذْكُرُ أَنَّ هَذِهِ الْمُلُوكَ نِشْبَةً بَعْضُهَا بِبَعْضٍ ①"

(عمر بن یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ جب ہم شام گئے تو ہم نے دیکھا کہ: وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، تو میرے دادا نے کہا: ہو سکتا ہے یہی وہ لڑکے ہوں جن کا ذکر میں نے سیدنا ابو ہریرہ سے سن رکھا ہے کہ یہ بادشاہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے۔

صحیح بخاری کی یہ دونوں احادیث اور ان کے ساتھ مسند احمد کی مندرجہ بالا روایت ایک ہی سند سے مروی ہیں، اور غور کریں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی ”سعید بن عمرو“ نے مذکورہ حدیث کا مصداق ایسے بچوں کو قرار دیا جو یزید کے بعد کے زمانے کے تھے، اور یزید کا حوالہ نہ انہوں نے دیا اور نہ ہی

① مسند احمد، جلد ۴، صفحہ ۵۸، مؤسسة الرسالة.

ان کے پوتے ”عمرو بن یحییٰ بن سعید“ نے ہی یزید کا کوئی ذکر اذکار کیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت تک کسی نے بھی اس حدیث کو یزید پر فٹ نہیں کیا تھا، اور اہل علم خوب جانتے ہیں کہ راوی اپنی روایت کا مفہوم دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے، مگر آج گیا وی صاحب جیسے ایسے محققین پیدا ہو چکے ہیں جو اس حدیث کے راوی کے فہم کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ صحیح بخاری سے صرف وہ روایت پیش کرتے ہیں جو مختصر ہے، اور اس روایت کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہیں جس میں مفہوم کی وضاحت بھی موجود ہے، مقصد صاف ظاہر ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم نے جو مفہوم لیا ہے وہ نہ صرف راوی حدیث کی طرف سے لئے گئے مفہوم کے خلاف ہے، بلکہ خیر القرون کے تمام اہل علم کے فہم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ یزید کے دور کے کسی بھی صاحب علم سے یہ منقول نہیں کہ اس نے اس حدیث سے یہ مفہوم مراد لیا ہو، حتیٰ کہ واقعہ حرہ میں جب مدینہ کے کچھ لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تو انہوں نے بھی یزید کے خلاف اس روایت کو پیش نہیں کیا۔

اسی بات کو محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھا تھا کہ:

”مہتمم صاحب (یعنی قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ناقل) نے اپنے عقیدہ کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ ایک صحیح حدیث میں ہلاک امتی علی یدی غلتمن قریش وارد ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کی بربادی قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی، مہتمم صاحب نے حدیث نقل کرنے کے بعد پہلے یہ تاویل نقل کی ہے کہ چھوکروں سے ضعیف العقل وغیر مدتر اشخاص مراد ہیں، اس کے بعد ابن حجر کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ان چھوکروں

میں پہلا چھو کر ایزید ہے۔“ ①

اس کے بعد محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ:

”ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ بات جس کو جامعین عقائد یا شارحین کتب عقائد میں سے سلف کا حوالہ دیے بغیر عقائد کی کتابوں میں اپنی رائے کے طور پر لکھ دیں، اس کو عقیدہ کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ دوسری بات مہتمم صاحب سے یہ عرض کرنی ہے کہ جس بات کی کسی حدیث میں تصریح نہ ہو اور شارحین حدیث اپنے علم کے مطابق قرآن کے بنا پر حدیث کا محل متعین کرنے کی کوشش کریں، تو شارحین کے بیان کردہ محال کو حدیث کا درجہ نہیں دیا جاتا، مثلاً آپ کی منقولہ حدیث میں صرف اتنا بیان ہے کہ: ”میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھو کروں کے ہاتھوں ہوگی“، حدیث میں صراحتاً یا اشارتاً کوئی تعین ان چھو کروں کی نہیں ہے، اب اگر کسی قرینہ کی بنا پر کسی عالم نے یہ لکھ دیا کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، تو اس بنیاد پر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں یزید کے ہاتھوں سے امت کی بربادی کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔“ ②

پھر آگے لکھتے ہیں:

”چوتھے نمبر پر یہ عرض کرنا ہے کہ مہتمم صاحب نے اس حدیث کی شرح میں جو حافظ ابن حجر نے جو لکھا ہے اس کو گویا نص کا درجہ دے کر اپنے عقیدہ کی بنیاد قائم کر لی، لیکن بارہ خلفاء والی حدیث کے باب میں جو حافظ ابن حجر نے لکھا ہے اور یزید کو ان بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے جن کے عہد میں

①② محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ ۲۲، ۲۳

اسلام باعزت و شوکت اور دین برقرار رہے گا، اس کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ اور ابن حجر کی اس توجیہ کو اس حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کیوں نہیں فرمایا کہ یزید کی خلافت کے ساتھ عزت و شوکت اسلام اور قیام و بقائے دین کی وابستگی کے اشارات حدیث میں پائے جاتے ہیں؟^①

اور آگے یہ بھی لکھا، جو غور سے پڑھنے کے لائق ہے:

بہر حال اب سنیہ کہ عمرو بن یحییٰ جنہوں نے اس حدیث کو اپنے دادا سے روایت کیا ہے، وہ اس حدیث کی روایت کے بعد صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ:

میں اپنے دادا سعید کے ساتھ اس وقت ملک شام گیا، جب وہاں بنو مروان کی حکومت تھی، تو میرے دادا سعید نے بنو مروان کو نوخیز دیکھ کر فرمایا کہ:

”دور نہیں کہ یہی وہ قریش کے چھوکرے ہوں“،

اس کے جواب میں ہم لوگوں نے کہا کہ اس کو آپ ہی ہم سے زیادہ جان سکتے ہیں۔ اب غور فرمائیے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث اور اس کا یہ محل دونوں ساتھ ساتھ مذکور ہیں، مگر مہتمم صاحب کسی حکمت کے ماتحت اس محل کا ذکر بالکل نہیں کرتے، دوسرا ستم یہ ہے کہ ابن حجر کی توجیہ کو تو وہ نص کی طرح تسلیم کرتے ہیں، مگر خود راوی حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کی توجیہ کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اسی طرح یزید کو لفظ ”غلام“ کا مصداق ثابت کرنے کے شوق میں وہ ابن حجر کی اس تاویل کو بے تامل

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۳۔

مان لیتے ہیں کہ غلام اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے، بلکہ مجازاً اس سے ضعیف العقل مراد ہے، مگر خود سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا، لفظ "غلمة" کو اس کے حقیقی معنوں میں سمجھتا ہے، اور بنو مروان کو نوخیز پا کر ان کو اس کا مصداق قرار دیتا ہے، تو اس کی کوئی قیمت مہتمم صاحب کے نزدیک نہیں ہے، حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک حقیقت معذرت نہ ہو۔^①

پھر مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ازالة الخفاء" کے حوالے سے یہ بیان کیا تھا کہ شاہ صاحب نے اس "غلمة من قریش" سے مراد عبد الملک بن مروان کی اولاد کو لیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ:

”بڑے جھگڑوں کے بعد حکومت کا معاملہ عبد الملک پر قرار پا گیا، اور تمام اہل اسلام اس کے حکم کے ماتحت ہو گئے، اور اس کے بیٹوں پوتوں نے بھی اسی ڈھنگ سے عالم میں فرما زوائی کی، حدیث شریف میں اس فریق کی حکومت کا بیان آیا، امام بخاری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔“^②

لیکن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کے جواب میں جماعت ولی اللہی کے رکن جناب گیاوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”یہ مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دفع الوقتی ہے ورنہ مولانا موصوف نے زیر بحث مسئلہ میں خود ذرا زحمت کیوں

①② محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: صفحہ ۲۵-۲۶.

نہیں کی کہ شاہ صاحب نے یزید کے متعلق کیا لکھا ہے۔^①
اور پھر آگے لکھا ہے کہ:

”اور ہلکۃ امتی علی یدی غلمۃ من قریش کے تحت شاہ ولی اللہ صاحب نے جو بنو مروان کو داخل کیا ہے (بنو مروان نہیں بلکہ بنو عبد الملک کو۔ ناقل) اس سے یزید کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ اولہم یزید کے خلاف نہیں، بلکہ بنو مروان بھی اس میں داخل ہیں، البتہ اس پیشین گوئی کا پہلا مصداق یزید اور باقی بنو مروان بھی ہیں، لفظ ”غلمۃ“ جمع کا صیغہ ہے تو صرف ایک ہی پر یہ پیشین گوئی ختم نہیں ہوگی اس پیشین گوئی میں اوروں کی بھی گنجائش باقی ہے البتہ اولہم یزید ہی رہے گا اس لیے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح میں تضاد یا اختلاف نہیں ہے۔“^②

ملاحظہ فرمائیں! کس طرح گیا وی صاحب مغالطے در مغالطے دے رہے ہیں، بات حدیث میں آئے لفظ ”غلمۃ من قریش“ کی توجیہ کی ہو رہی ہے، اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے صاف طور پر اس کو عبد الملک بن مروان کی اولاد پر منطبق کیا ہے، اب گیا وی صاحب کے پاس چونکہ اس کا کوئی معقول جواب نہیں تھا اس لیے بات کو اس طرف موڑ دیا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو یزید کے بارے میں لکھا ہے اسے کیوں قبول نہیں کرتے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ آپ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات کیوں قبول نہیں کرتے جس میں انہوں نے یزید کو ان بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے جن کے دور خلافت میں دین غالب، شان و شوکت والا رہنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے؟ کیا جس کے دور میں دین غالب ہو اور اس کی شان و شوکت برقرار ہو، وہ امت کی ہلاکت کا زمانہ ہوگا؟،

①② گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۴۔

اور پھر ہم گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث قسطنطنیہ کی شرح میں، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے کہ "سب سے پہلا وہ لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا اس کی مغفرت کر دی گئی"، اس کی شرح میں انہوں نے ایک تو "قیصر کے شہر" سے مراد "قسطنطنیہ" لیا ہے اور دوسرا یہ لکھا ہے کہ:

"فَإِنَّهُ كَانَ أَوْيَرًا ذَلِكَ الْجَيْشِ بِالْإِتِّفَاقِ" ①

"(قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے سب سے پہلے) لشکر کا امیر بالاتفاق یزید

تھا"۔

تو گیاوی صاحب کو ابن حجر کی اس تحقیق سے اختلاف تو نہیں؟ ذرا کھل کر بتائیں، اور پھر یہ بتائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر میں شامل لوگوں کے لیے جو "مغفور لہم" فرمایا، یہ اللہ کی وحی کی بنا پر فرمایا تھا یا اپنے اجتہاد سے؟ اگر اللہ کی وحی سے فرمایا تھا اور حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق یزید پہلے لشکر کا بالاتفاق امیر بھی تھا تو آپ اسے "مغفور لہم" کی بشارت میں داخل سمجھتے ہیں کیا؟

واضح رہے کہ حدیث میں کسی قسم کا کوئی استثناء بھی نہیں، اور نہ ہی یہ بشارت مشروط ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھا کہ اس لشکر میں کون کون لوگ شریک ہوں گے، اس کے باوجود غیر مشروط طور پر ان کی مغفرت کا پروانہ اپنے نبی کی زبان سے جاری فرمایا (لہذا اگر کسی نے اپنی طرف سے اس حدیث میں قیود و شرائط یا استثناءات کا اضافہ کیا ہے تو وہ حدیث نہیں بلکہ ان حضرات کا اپنا استنباط اور رائے ہے، اور اپنی طرف سے حدیث کے معانی و مفہوم کو مقید کرنا ہے، ایسی قیود و شرائط کا درجہ حدیث کا نہیں کہ انہیں ماننا ضروری ہو) اب گیاوی صاحب فرمائیں کہ فرض

①فتح الباری، جلد ۶ صفحہ ۱۰۳ دار المعرفۃ بیروت

کر لیں ان کے خیال میں، یزید فاسق تھا، فاجر تھا، لیکن پھر بھی اس حدیث کی رو سے اللہ نے قسطنطینیہ کے لشکر میں شامل بلکہ اس کا امیر ہونے کی وجہ سے مغفرت فرمادی ہو تو کیا انہیں زیب دیتا ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر اور شرابی و زانی ثابت کرتے رہنے میں اپنی کوششیں صرف کرتے رہیں؟

الغرض! مجھے بتانا یہ مقصود ہے کہ آپ بھی حافظ ابن حجر کی بہت سی باتوں سے اختلاف رکھتے ہوں گے، بلکہ شارحین حدیث کے درمیان ایک ہی حدیث کی توجیہ میں اختلاف ہونا ناممکن یا معیوب بھی نہیں، لیکن اہل علم کے نزدیک یہ بات ضرور تسلیم شدہ ہے کہ کسی حدیث کو بیان کرنے والا راوی خود کسی بات کی وضاحت کر دے تو اس کا فہم سب سے مقدم ہوگا۔

پھر گیادی صاحب نے جو یہ مغالطہ دیا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "علمۃ من قریش" میں بن مروان کو بھی داخل کیا ہے اس سے یزید کی نفی نہیں ہوتی یہ صرف گیادی صاحب کا مغالطہ ہی ہے، کیونکہ شاہ صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے، وہ عبد الملک بن مروان کی حکومت کے استقرار کا ذکر کرنے کے بعد فرما رہے ہیں کہ:

”واولاد واحفاد اؤ نیز در عالم بہمیں نسق فرمانروائی کردند و در حدیث

شریف بیان حکومت اس فریق آمدہ است.....“

یعنی عبد الملک بن مروان کے بیٹوں اور پوتوں نے بھی اسی ڈھنگ سے حکومت کی، اور حدیث شریف میں اسی فریق کی حکومت کا بیان آیا ہے۔ اور پھر آگے شاہ صاحب نے یہی حدیث "علمۃ من قریش" نقل کی ہے، لہذا شاہ صاحب نے یہاں یہ نہیں لکھا کہ "یہ بھی علمۃ من قریش میں سے ہیں" بلکہ صرف "اس فریق" لکھا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ لفظ "علمۃ" جمع ہے، بے شک جمع ہے اور اس کا مفرد ہے

”غلام“، آئے دیکھتے ہیں ”غلام“ کے کہتے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی فتح الباری میں لکھا ہے:

"يُقَالُ لِلصَّبِيِّ حِينَ يُولَدُ إِلَى أَنْ يَحْتَلِمَ غُلَامًا وَتَصْغِيرُهُ غُلَيْمًا وَجَمْعُهُ غُلَمَانٌ
وَعُلَمَةٌ وَأَعْلِمَةٌ....." ①

”ولادت سے لے کر بالغ ہونے تک کے بچے کو غلام کہا جاتا ہے، اور اس کی تصغیر ”غلیم“ اور اس کی جمع ”غلمان“ ”علمة“ اور ”اعلیمة“ آتی ہے۔

نیز خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الفاظ حدیث کے معانی پر کتاب لکھنے والے امام ابن الاثیر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حدیث کے ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا ہے، لکھتے ہیں:

"وَقَالَ ابْنُ الْأَثِيرِ الْمَرَادُ بِالْأَعْلِمَةِ هُنَا الصَّبِيَّانِ وَلِلذَلِكَ صَغَّرَهُمْ" ②

ابن الاثیر نے کہا ہے کہ یہاں ”اعلیمة“ سے مراد چھوٹے بچے ہیں اسی لیے اسے تصغیر کے صیغے کے ساتھ لایا گیا ہے۔

لہذا سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس روایت میں نابالغ ”بچوں“ کا ذکر ہے، اور یزید نے جب حکومت سنبھالی تو وہ بچہ تھا ہی نہیں، خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو بھی یہ اشکال محسوس ہوا اس لئے انہوں نے یہ تاویل کی کہ:

"وَقَدْ يُطَلَّقُ الصَّبِيُّ وَالغُلَيْمُ بِالتَّصْغِيرِ عَلَى الضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَالتَّذْبِيرِ
وَالذِّينِ وَلَوْ كَانَ مُحْتَلِمًا وَهُوَ الْمَرَادُ هُنَا فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَنِي أُمَيَّةٍ لَمْ يَكُنْ
فِيهِمْ مَنِ اسْتَحْلَفَ وَهُوَ دُونَ الْبُلُوغِ وَكَذَلِكَ مَنْ أَمْرُوهُ عَلَى

① فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۹ دار المعرفة بیروت۔

② ایضاً صفحہ ۱۰ النہایة فی غریب الحدیث والأثر، جلد ۳ صفحہ ۳۸۲ المکتبة العلمیة بیروت۔

الأَعْمَالِ... ①

صبیہ اور غلیم کا اطلاق کم عقل و کم فہم پر بھی ہوتا ہے، اگرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو، اور اس حدیث میں بچوں سے یہی مراد ہے، کیونکہ بنی امیہ میں کوئی بھی غلیفہ نابالغ نہیں گذرا ہے، اسی طرح ان کے تمام عمال بھی بالغ تھے۔

چنانچہ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہاں کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی تھی کہ ”غلام“ یا ”صبی“ کا حقیقی معنی لینا معذور یا ناممکن ہو، جیسا کہ ابن اثیر نے اسے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا ہے، لہذا اس کا مجازی معنی لینے کی کوئی مجبوری نہیں، نیز حافظ ابن حجر کی یہ مندرجہ بالا تاویل بھی محل نظر ہے کیونکہ یزید پر ”کم عقلی“ کا الزام تو کسی نے بھی نہیں لگایا تھا، پھر اسے کم عقل سمجھ کر اسے بچوں میں شامل کرنا چہ معنی دارد؟

لہذا یہ حدیث حقیقت پر ہی محمول ہوگی، جیسا کہ اس حدیث کے راوی نے خود اسے حقیقی معنوں پر ہی محمول کیا ہے۔

سنہ ۶۰ ہجری اور امارت صبیان:

اب آئیے ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کس بنیاد پر اس حدیث میں یزید کو شامل کرنے پر اصرار کیا جا رہا ہے، دراصل جس حدیث کا اوپر ذکر ہوا (یعنی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں امت کی بربادی والی حدیث)، یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث ہے، اب یہاں کاروائی یہ کی جاتی ہے کہ اس حدیث کے ساتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک موقوف اثر ملایا جاتا ہے جو گیاوی صاحب نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے کہ:

وَلِي دَوَائِبِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ أَنَّ أَبَاهُ زَيْدٌ كَانَ يَمْسِي فِي الشُّوقِ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ لَا

① فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۔

ثُدِّرَ كُنِي سَنَةَ سِتِّينَ وَلَا إِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ" ①

(ترجمہ از گیادی صاحب) ایک روایت ابن ابی شیبہ سے ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازاروں میں چلتے اور فرماتے اے اللہ مجھے نہ پائے سنہ ۶۰ ہجری کا زمانہ اور بچوں کی حکومت۔

نوٹ: ہمیں مصنف ابن ابی شیبہ میں ان الفاظ کے ساتھ کوئی روایت نہیں ملی، بلکہ یہ ملی ہے:

"حَدَّثَنَا عُثْمَرُ بْنُ شُعْبَةَ، عَنْ سَمَاطِ بْنِ أَبِي الرَّبِيعِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: وَبَلَغَ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرِّ قَدِ افْتَرَبَ: إِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ ; إِنْ أَطَاعُوهُمْ أَذْخَلُوهُمْ النَّارَ، وَإِنْ عَصَوْهُمْ صَرَبُوا أَعْنَاقَهُمْ" ②

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عرب کے لیے ہلاکت ہے اس شرکی وجہ سے جو قریب ہے، اور وہ بچوں کی امارت ہے، اگر وہ ان کی اطاعت کریں گے تو وہ انہیں آگ میں داخل کرویں گے، اور اگر ان کی نافرمانی کریں گے تو ان کی گردنیں مار دیں گے۔

لیکن بہر حال حافظ ابن حجر نے ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیا ہے، اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعا کا ذکر کیا ہے جس کے عربی الفاظ یہ ہیں، غور سے پڑھیں:

”اللَّهُمَّ لَا تُدِّرْ كُنِي سَنَةَ سِتِّينَ وَلَا إِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ“

ان الفاظ کا درست لفظی ترجمہ یوں ہے:

”اے اللہ! مجھے ساٹھواں سال نہ پائے، اور نہ ہی بچوں کی حکومت پائے“،

① گیادی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۵۔

② مصنف ابن ابی شیبہ، نمبر: ۳۷۲۳۶ جلد ۷ صفحہ ۲۶۱ مکتبۃ الرشید، الرياض۔

کیونکہ یہاں "لاندر کنی سنۃ ستین" کے بعد "ولا" کے اضافے کے ساتھ امارۃ الصبیان کا ذکر ہے، گیاوی صاحب نے جو اردو ترجمہ کیا ہے اس میں اس "ولا" کا ترجمہ ہضم کر گئے ہیں۔

نیز "سنۃ ستین" کو سنہ ۶۰ ہجری بنا ڈالا ہے اور یوں ترجمہ کیا ہے مجھے نہ پائے سنہ ۶۰ ہجری کا زمانہ اور بچوں کی حکومت۔

ترجمہ میں یہ مغالطہ اس لیے دیا گیا ہے تاکہ ایک تو یہ باور کروایا جائے کہ "سنۃ ستین" سے مراد ساٹھ ہجری ہے، دوسرا یہ ثابت کیا جائے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جن دو چیزوں کی دعا مانگی ہے، ان دونوں کا ایک ساتھ وقوع ہونا تھا، جبکہ "ولا امارۃ الصبیان" کے الفاظ جن میں صرف "و" نہیں بلکہ اس کے ساتھ الگ سے "لا" بھی ہے، اسی کے پیش نظر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ:

”یہ طرز تعبیر صاف بتا رہا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امارت صبیان کو ساٹھویں سال سے بالکل علیحدہ اور الگ ایک مستقل چیز سمجھتے تھے، اگر دونوں میں معیت کا تصور ان کو ہوتا تو لفظ "لا" کے اعادہ کے ساتھ اس کو پہلے پر عطف نہ کرتے، بلکہ یوں کہتے: "لاندر کنی سنۃ ستین و امارۃ الصبیان"۔^①

خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت یوں نقل کی ہے:

”..... أَخْرَجَهُ عَلِيُّ بْنُ مَعْبُدٍ وَبْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهِ أَخْرَجَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ
أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ إِمَارَةِ الصَّبِيَّانِ قَالُوا وَمَا إِمَارَةُ الصَّبِيَّانِ قَالَ إِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ
هَلَكْتُمْ أَيُّ فِي دِينِكُمْ وَإِنْ عَصَيْتُمُوهُمْ أَهَلَكُوا كُمْ أَيُّ فِي دُنْيَاكُمْ يَا زُهَاقِ

① محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: صفحہ ۷۲۔

التَّفْسِ أَوْ يَذْهَبَ الْمَالِ أَوْ يَهْمًا“^①۔

”علی بن معبد اور ابن شیبہ نے ایک اور طریق سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے جو کہ مرفوع ہے (اور اس کے الفاظ ہیں) میں بچوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں، لوگوں نے پوچھا: بچوں کی امارت کا کیا مطلب؟ تو آپ نے فرمایا: اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے، (راوی کہتا ہے) مراد دین کی ہلاکت ہے، اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے، اس سے مراد دنیا کی ہلاکت ہے، یعنی یا تو تمہاری جان لے لیں گے یا تمہارا مال چھین لیں گے یا دونوں چیزیں۔“

اب غور فرمائیں! اس روایت میں خاص طور پر یہ ذکر ہے کہ ”بچوں کی امارت“ کی وضاحت کے لئے سوال بھی کیا گیا تھا، لیکن اس سوال کے جواب میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ”اس کی نشانی یہ ہے کہ یہ کام سنہ ۶۰ ہجری میں ہوگا“، بلکہ اس کی پہچان کچھ اور بتائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ساٹھویں سال سے کسی اور بات کی طرف اشارہ ہے اور امارۃ صبیان سے کسی اور طرف۔

لہذا نہ حدیث کے ظاہری الفاظ یزید پر فٹ آتے ہیں کہ وہ ”صبی اور غلام“ نہ تھا بلکہ خود باقرار حافظ ابن حجر، بنو امیہ کا کوئی بھی خلیفہ ایسا نہیں ہوا جو بالغ نہ ہو، دوسرا خود حافظ ابن حجر کے مطابق یزید ان بارہ خلفاء میں شامل تھا جن کے دور میں دین کے غلبہ اور صاحب شان و شوکت ہونے کی بشارت دی گئی ہے، تیسرا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا کا طرزِ تعبیر یہ بتا رہا ہے کہ ساٹھواں سال اور امارت صبیان دو الگ الگ مستقل چیزیں ہے اور ان کا ایک ہی زمانہ میں ساتھ ساتھ پایا جانا ضروری نہیں، لہذا اگر کسی

①فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۔

نے اس سے مراد یزید لیا ہے تو یہ ان کا اپنا استنباط اور اجتہاد ہے، حدیث یا روایت میں ایسا کوئی اشارہ نہیں اور یہ مفہوم لینے کے لئے خواجہ بلا ضرورت حدیث کے الفاظ کا مجازی معنی لینا پڑے گا۔

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ جن شارحین نے "امارة الصبيان" والی روایت سے یزید کی مذمت نکالی ہے، انہیں یہ بھی اچھی طرح علم تھا کہ یزید نابالغ بچہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے یہ دلیل نکالی کہ:

”فَإِنَّ يَزِيدَ كَانَ غَالِبًا يَنْتَزِعُ الشُّيُوعَ مِنْ إِمَارَةِ الْبُلْدَانِ الْكِبَارِ وَيُوَلِّيهِهَا
الْأَصَاغِرَ مِنْ أَقَارِبِهِ“^①

”یزید عام طور پر بڑے شہروں کی امارت سے بوڑھوں کو ہٹا کر اپنے
چھوٹے رشتہ داروں کو ان پر والی مقرر کرتا تھا۔“

اس پر ہم شروع میں بات کر آئے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ یہ بات لکھنے والوں نے کس بنیاد پر یہ بات لکھی ہے اور ان کے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ خود گیاوی صاحب بھی صرف دو مثالیں ہی پیش کر سکے، ایک مدینہ کے گورنر کی اور دوسری جستان و خراسان کی، تو کیا یزید کی مملکت میں صرف یہی دو بڑے شہر تھے؟ اور یاد رہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں "صبيان" کا لفظ ہے، بوڑھوں کے مقابلے میں چھوٹوں یا "اصاغر" کا نہیں، نیز اگر یہ بات درست بھی تسلیم کر لی جائے تو بھی اس سے یہی ثابت ہوگا کہ یزید نے اپنے عامل جو مقرر کیے وہ چھوٹے بچے تھے، لیکن یزید کا بچہ ہونا تو اس سے بھی ثابت نہ ہوا، یعنی وہ جنہیں امیر مقرر کرتا تھا وہ "صبيان" ہوں گے نہ کہ خود یزید۔

① فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۱۰ عمدۃ القاری، جلد ۲۳ صفحہ ۱۸۰۔

گیاوی صاحب کی ایک اور علمی خیانت:

اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۲ کے حاشیہ میں گیاوی صاحب نے لکھا ہے:
سنہ ۶۰ ہجری کا تعین سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہی نہیں کرتی
بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (سے) پہلے مرفوع روایت سے بھی منقول ہے، ابن
حجر کی تطہیر الجنان ص ۶۶ پر فرماتے ہیں کہ:
”وفي حديث رواه ثقات تعوذ بالله من رأس الستين وفي رواية من سنة

ستين ومن اماراة الصبيان“^①

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں ایک بار پھر گیاوی صاحب نے غلط بیانی
سے کام لیا ہے، پہلی بات یہ کہ انہوں نے لکھا ہے کہ
”۶۰ ہجری کا تعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع روایت کرتی ہے“،

لیکن وہ روایت مع سند پیش نہیں کی، بلکہ سنہ ۹۰۹ ہجری میں پیدا ہونے والے
ابن حجر کی کتاب ”تطہیر الجنان“ کی عبارت نقل کی ہے جس میں ایسی کسی مرفوع
روایت کی کوئی سند نہیں، اور دوسرا گیاوی صاحب نے تطہیر الجنان کی عبارت بھی غلط
نقل کی ہے، صحیح عبارت یوں ہے:

”وفي حديث رواه ثقات تعوذوا بالله من رأس الستين، وفي رواية من

رأس السبعين و اماراة الصبيان...“^②

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

”ایک حدیث میں جس کے راوی ثقہ ہیں یوں ہے: اللہ کی پناہ مانگو ساٹھ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۲ حاشیہ.

② تطہیر الجنان، صفحہ ۲۲۶-۲۲۷ طبع دار الصحابة، طنطا، مصر.

کے سر سے، اور ایک روایت میں یوں ہے: ستر کے سر سے اور بچوں کی امارت سے۔^①

یعنی یہاں ابن حجر کی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”ایک روایت میں ”۶۰ سال“ کے بجائے ”۷۰ سال“ اور ”بچوں کی امارت“ کا بھی ذکر ہے، اور ظاہر ہے اگر یہ مرفوع روایت ہے تو اس ۶۰ اور ۷۰ سے سنہ ۶۰ یا سنہ ۷۰ ہجری مراد نہیں ہو سکتا کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں سن ہجری کا رواج نہیں تھا، لہذا اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد ساٹھ یا ستر سال ہوں گے، جو تقریباً ۷۰ ہجری یا ۸۰ ہجری بنے گا، اور اگر اس سے ہجری سنہ ہی مراد لے لیا جائے تو پھر بھی یزید تو ۷۰ ہجری سے پہلے اس دنیا سے جا چکا تھا، یوں ابن حجر کی نے جس دوسری ”۷۰ سال“ والی روایت کا ذکر کیا ہے اس کی رو سے یزید اس میں شامل نہیں ہو سکتا، شاید اسی لئے گیاوی صاحب نے کمال ہوشیاری سے تطہیر الجنان کی عبارت میں ”رأس السبعین“ کو ”سنة ستین“ بنا ڈالا۔

ہمارے خیال میں گیاوی صاحب نے اپنے مدد و مدد سید لعل شاہ بخاری کی کتاب سے یہ حوالہ بلا تحقیق نقل کر دیا ہے اور اصل کتاب ”تطہیر الجنان“ میں دیکھنے کی زحمت نہیں فرمائی، کیونکہ لعل شاہ صاحب نے بھی اپنی کتاب میں ”رأس السبعین“ کو ”سنة ستین“ سے تبدیل کیا ہے اور گیاوی صاحب کی طرح تطہیر الجنان کے صفحہ ۶۶ کا ہی حوالہ دیا ہے۔^① کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خشت اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا می رود دیوار کج

اب گیاوی صاحب پر لازم ہے کہ وہ اس ”مرفوع حدیث“ کو مع سند پیش

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۸۰.

کریں جس میں ”ساتھ سال“ سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے، ہم اپنی طرف سے ”۷۰ سال“ والی اس حدیث مرفوع کی سند پیش کر دیتے ہیں جس کی طرف ابن حجر کی اشارہ کیا ہے، تو ملاحظہ فرمائیں، یہ ”مسند احمد“ اور ”مصنف ابن ابی شیبہ“ وغیرہ کی وہ روایت ہے جسے گیادوی صاحب ضعیف ثابت کرنے کے درپے ہیں، آئیے پہلے اس روایت کو پڑھتے ہیں، اس کے بعد ہم گیادوی صاحب کی اس روایت پر کی گئی جرح کا جائزہ لیتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"حَدَّثَنَا وَكَيْغٌ، عَنْ كَامِلِ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَمِنْ إِمْرَةِ الصَّبِيَانِ - ①

اور مسند احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ میں یہ روایت یوں ہے:

"حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ قَالَ: أَخْبَرَنَا كَامِلٌ يَغْنِي أَبُو الْعَلَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ -

مَوْذُنًا كَانَ يُؤَدِّنُ لَهُمْ - قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ، وَإِمَارَةِ الصَّبِيَانِ" - ②

مسند بزار میں یہ حدیث یوں ہے:

"حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدٍ حَدَّثَنَا كَامِلُ بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِي

صَالِحٍ وَهُوَ مَوْلَى ضَبَاعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ

رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمَارَةِ الصَّبِيَانِ" - ③

وکج (بن جراح) روایت کرتے ہیں کامل ابو العلاء (بن العلاء) سے،

① مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۶ صفحہ ۳۶۱، مکتب الرشدا لریاض.

② مسند احمد، جلد ۱۳ صفحہ ۶۸، مؤسسة الرسالة.

③ مسند البزار، جلد ۱۶ صفحہ ۲۳۹، مکتبة العلوم والحکم المدینة.

وہ روایت کرتے ہیں ابو صالح (مینا مولیٰ ضباعۃ بنت الزبیر) سے، وہ روایت کرتے ہیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگو متر کے سر سے اور بچوں کی امارت سے۔

یہ ہے وہ مرفوع حدیث جس کی طرف ابن حجر کی نے اشارہ کیا ہے، اور گیاوی صاحب نے "رأس السبعین" کے الفاظ کو "سنة ستین" سے تبدیل کر کے بات کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا
اور مزے کی بات، یہی حدیث محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پیش کی تھی جس کے جواب میں گیاوی صاحب نے اس "مرفوع" حدیث کو ضعیف بتایا ہے اور اس کے لیے دلیل یہ پیش کی ہے کہ ان کے پاس جو البدایة والنہایة کا نسخہ ہے اس کے محققین نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ:
"اس کی سند ضعیف ہے،"

اور پھر گیاوی صاحب مزید اضافہ یوں کرتے ہیں کہ:
"اب حدیث ضعیف کو صحیح پر صرف مرفوع ہونے کی وجہ سے ترجیح دینا یہ مولانا اعظمی کا ہی کمال ہے، جبکہ اس کی سند میں کامل بن العلاء لاقیتی ابو العلاء موجود ہے، اور بلا تعین و بلا ولدیت ابو صالح ان کے استاد بھی ہیں، معلوم نہیں یہ ابو صالح میناء مولیٰ ضباعۃ ہیں یا ابو صالح الیمان ہیں، جبکہ کامل ابو العلاء دونوں ابو صالح سے روایت کرتے ہیں، اس لیے ایسی ضعیف روایت کو قوی روایت پر راجح قرار دینے کے لیے محدث اعظمی

جیسا دلِ گردہ چاہئے کسی عام عالم کے بس کی بات نہیں ہے۔^① اس پر ہم پہلے تو یہ عرض کرتے ہیں کہ ابن حجر کی کتاب تظہیر الجنان سے اپنے حق میں استدلال کرتے ہوئے "رأس السبعین" کو "سنة ستین" سے تبدیل کرنے کے لیے بھی سید طاہر حسین گیاوی صاحب جیسے مناظر یا سید لعل شاہ بخاری صاحب جیسے محقق کا دلِ گردہ ہی چاہیے، یہ کسی عام عالم کے بس کی بات نہیں، اس کے بعد یہ عرض کرتے ہیں کہ محمد بن عمر واقدی، لوط بن یحییٰ ابو مخنف، محمد بن زکریا الغلابی جیسے راویوں کی بیان کردہ روایات کو صحیح بتانے والے گیاوی صاحب کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس روایت کے راویوں پر جرح کریں۔

آئیے ہم آپ کو اس سند کے راویوں کا تعارف کرواتے ہیں:

أبو صالح مولیٰ ضباعة:

جہاں تک گیاوی صاحب کی یہ بات تھی کہ ابوصالح سے کون مراد ہیں؟ تو مسند بزار کی روایت میں اس کی صراحت آگئی کہ اس سے مراد "ابو صالح مولیٰ ضباعة" ہی ہیں، پھر خود گیاوی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ "اغلب یہ ہے کہ یہ ابوصالح مینا مولیٰ ضباعة ہیں"۔^② لہذا آئیے دیکھتے ہیں یہ ثقہ ہیں یا نہیں؟

امام ابن ابی شیبہ، امام علی بن المدینی سے نقل کرتے ہیں کہ:

"وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ مَوْلَىٰ ضَبَاعَةَ فَقَالَ كَانَ لَبِئًا وَكَانَ مِنَ التَّابِعِينَ وَهُوَ

الَّذِي يَرَوِي عَنْهُ أَهْلُ الْكُوفَةِ"^③

میں نے ابن المدینی سے ابوصالح مولیٰ ضباعة کے بارے میں سوال کیا تو

① حاشیہ صفحہ ۱۱۲.

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۱.

③ سوالات ابن ابی شیبہ لابن المدینی: جلد ۱ صفحہ ۷۰۷، مکتبہ المعارف الرياض.

انہوں نے کہا: وہ ثابت تھے اور تابعین میں سے تھے، یہ وہی ہیں جن سے کوفہ والے روایت کرتے ہیں۔

امام ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے:
 "میں ابوصالح مولیٰ ضباعۃ بنت الزبیر یزوی عن ابی ہریرۃ روی عنہ
 کامل ابو العلاء" ①

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"فأما: أبو صالح السمان الزيات وأبو صالح الحنفي وأبو صالح مولیٰ
 ضباعۃ من تابعي الكوفة - فهو لاء ثقات" ②
 ابوصالح سمان زیات اور ابوصالح حنفی اور ابوصالح مولیٰ ضباعۃ جو کوفہ کے
 تابعین میں سے ہیں، یہ سب ثقہ ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے سارے محدثین کی توثیق کے باوجود، مسند احمد کے محققین شیخ شعيب الأرنؤاط وغيره نے ابوصالح مولیٰ ضباعۃ کو مجہول لکھ دیا۔ ③ اور گیاوی صاحب جیسے محققین آنکھیں بند کر کے لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔

کامل بن العلاء ابو العلاء:

کامل بن العلاء کے بارے میں امام یحییٰ بن معین سے ان کے شاگرد عباس الدوری نقل کرتے ہیں کہ:

"سمعت يحيى يقول كامل بن العلاء أبو العلاء ثقة"

① الثقات لابن حبان، جلد ۵ صفحہ ۵۵ ۵۵ دائرۃ المعارف حیدرآباد۔

② میزان الاعتدال، جلد ۳، صفحہ ۵۳۹ دار المعرفۃ بیروت۔

③ دیکھیں: مسند احمد، جلد ۳، صفحہ ۶۸ طبع مؤسسة الرسالۃ بیروت۔

"سَمِعْتُ يَحْيَى يَقُولُ كَامِلٌ أَبُو الْعَلَاءِ وَهُوَ كَامِلُ بْنُ الْعَلَاءِ لَيْسَ بِهِ نَأْسٌ"
 میں نے یحییٰ بن معین کو کامل بن العلاء ابو العلاء کے بارے میں یہ کہتے سنا
 کہ وہ ثقہ ہیں..... اور ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔^①
 یہی بات ابن ابن ابی خثیمہ نے بھی نقل کی ہے:

"سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ مَعِينٍ يَقُولُ: كَامِلٌ أَبُو الْعَلَاءِ ثِقَةٌ"^②
 امام علی نے ان کے بارے میں لکھا:

"كامل أبو العلاء: كوفي ثقة"^③

کامل ابو العلاء کو فی ہیں اور ثقہ ہیں۔

ابن عدی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"أرجو أن لا بأس به"^④

میں امید کرتا ہوں کہ ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

امام یعقوب فسوی بھی کامل بن العلاء کو ثقہ لکھتے ہیں:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زُرَّاجٍ قَالَ: ثنا كَامِلُ بْنُ الْعَلَاءِ وَهُوَ ثِقَةٌ"^⑤

امام نسائی سے ایک جگہ منقول ہے کہ وہ قوی نہیں۔ لیکن دوسری جگہ فرمایا کہ ان

کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

"وقال النسائي ليس بالقوي:

① تاریخ ابن معین روایۃ الدور، جلد ۳ صفحہ ۳۳۱ طبع مکہ.

② تاریخ ابن ابی خثیمہ، جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ الفاروق الحدیثۃ القاهرۃ، الجرح والتعديل، جلد ۷ صفحہ ۷۷۲
 دائرة المعارف الهند.

③ الثقات للعجلي، جلد ۱ صفحہ ۳۹۶ طبع الباز.

④ الكامل لابن عدی، جلد ۷ صفحہ ۲۷۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت.

⑤ المعرفۃ والتاریخ ليعقوب الفسوي، جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ مؤسسة الرسالة بیروت.

وقال في موضع آخر ليس به بأس" ①

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"كامل بن العلاء أبو العلاء التميمي السعدي الكوفي عن أبي صالح

السمان وعطاء وعنه وكيع وزيد بن الحباب وثقه بن حبان" ②

کامل بن العلاء ابو العلاء کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

الغرض! یہ راوی جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں، اور آئیے آپ کو بتاؤں کہ اس مرفوع حدیث کے بارے میں امام بو صیری (متوفی ۸۴۰ ہجری) نے یوں لکھا ہے:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - ﷺ: "تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ

السبعين ومن إمارة الصبيان" - زَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَزَوَائِدُهُ ثِقَاتُ

وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو يَعْلَى إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: "تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ سَنَةِ

سبعين" ③

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ

کی پناہ طلب کرو ستر سال کے سر سے اور بچوں کی امارت سے، اس

روایت کو احمد بن منیع نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں،

اور اسی طرح ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابو یعلیٰ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن

ابو یعلیٰ کے الفاظ: "تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ سَنَةِ سَبْعِينَ" ہیں۔

نوٹ: امام ابو یعلیٰ کی اس روایت کو مکمل سند کے ساتھ حافظ ابن کثیر نے یوں

① تہذیب التہذیب، جلد ۸ صفحہ ۳۰۹ دائرۃ المعارف الہند.

② لسان المیزان، جلد ۷ صفحہ ۳۴۳ مؤسسة الاعلمی بیروت.

③ اتحاف الخیرة المہرۃ للبو صیری، جلد ۸ صفحہ ۳۹ دار الوطن، الرباط.

نقل کیا ہے:

"وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو يَعْلَى: حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ثنا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، ثنا
كَامِلُ أَبُو الْعَلَاءِ، سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ سَنَةِ سَبْعِينَ، وَمِنْ إِمَارَةِ الصَّبِيَّانِ" ①

لہذا اس مرفوع حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ”ستر“ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اب ”ستر“ سے مراد سنہ ۷۰ ہجری لیں، یا نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے آگے ”ستر سال“ مراد لیں (دوسری بات ہی صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے دور میں ہجری سنہ کا رواج نہیں تھا)، یزید کسی طرح بھی اس میں شامل نہیں ہوتا کیونکہ وہ سنہ ستر سے پہلے ہی وفات پا چکا تھا۔

اس لئے محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ”ستر سال“ والی حدیث مرفوع ہے اور نبی ﷺ کا فرمان ہے، جبکہ ”ساتھ سال“ والی روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا موقوف اثر ہے، اس لیے اگر کوئی اس پر ہی بضد ہو کہ اس میں ایک خاص سنہ ہجری میں بچوں کی امارت سے پناہ مانگنے کا ہی ذکر ہے تو پھر ”ستر سال“ والی مرفوع حدیث، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے موقوف اثر کے مقابلے میں راجح ہوگی، اور یہ مرفوع حدیث حسن درجہ سے کم کی نہیں ہے، لیکن ہمارے نزدیک درحقیقت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور نبی ﷺ کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں کی گئی ہے، بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے، ایک بات کا تعلق ایک محدود دور میں ہونے والے کسی مخصوص فتنے کی طرف اشارہ سے ہے، جبکہ دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے، لیکن یہ

① البدایة والنہایة، جلد ۱۱ صفحہ ۶۳۷ طبع ہجر.

امارت کس زمانہ میں ہوگی؟ اس کا بیان ان دونوں روایتوں میں سے کسی میں بھی نہیں، اور دونوں روایتوں میں مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو "و" ہے یہ "مغایرت" والا ہے، جیسا کہ تعوذ کی دوسری دعاؤں میں ہوتا ہے، ایک فلسطینی عالم شیخ عبدالرحمن العقیمی (جن کی ولادت سنہ ۱۳۶۱ ہجری بمطابق ۱۹۴۲ عیسوی، بیت المقدس میں ہوئی) کا تقریباً صفحہ ۱۰۰ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام "مسائل سلطانیہ" ہے، اس میں انہوں نے بھی اس "ستر سال" والی روایت کے متعلق لکھا ہے:

"لإن إمارة الصبيان غير رأس السبعين، وليس المعنى أن إمارة الصبيان تكون على رأس السبعين، وذلك لأن الواو للمغایرة، كقول القائل: أعود بالله من الاشتراكية والرأسمالية..."^①

(ترجمہ) یہاں بچوں کی امارت کا دور ۷۰ کے اوائل میں ہونا نہیں بتایا گیا، اور اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ بچوں کی امارت ۷۰ کے اوائل میں ہی ہوگی، کیونکہ یہاں "واو" مغایرت کے لئے ہے، جیسے کوئی یوں کہے کہ: میں اشتراکی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے پناہ مانگتا ہوں۔

گیاروی صاحب کی ایک اور تلبیس:

گیاروی صاحب یہ ثابت کرنے کے لیے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایۃً یزید کے نام کی طرف اشارہ فرمادیا تھا ایک اور ذور کی کوڑی ڈھونڈھ کر لائے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"..... پس سیدنا ابو ہریرہ، یزید کی حکومت کے بارے میں جانتے تھے، اس لئے وہ اس سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے کیونکہ وہ اس کے برے

① مسائل سلطانیہ للشیخ عبدالرحمن العقیمی، مطبوعہ: صفحہ ۳۷، المسئلة السادسة.

حالات کو جانتے تھے صادق و صدوق ﷺ کے واسطے سے:

"عَنْ عُمَيْرِ بْنِ هَانِمٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَشِيًّا فِي سُوْقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَا تُذِرْ كُنْيَةَ سَنَةِ النَّبِيِّينَ، وَيُحَكِّمُ، تَمَسَّكُوا بِضِدْعِي مُعَاوِيَةَ، اللَّهُمَّ لَا تُذِرْ كُنْيَةَ إِمَارَةِ الصَّيْبَانِ - ①"

عمیر بن ہانی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں رات کا کھانا تناول فرمایا اور کہا: اے اللہ! مجھے سنہ ۶۰ ہجری نہ پائے، تم لوگوں کا ستیاناس ہو، سیدنا امیر معاویہ کے پیشانی کے دو طرف کے بال پکڑو، اے اللہ چھو کروں کی حکومت مجھ کو نہ پاوے۔

آگے امام بیہقی لکھتے ہیں:

"وَهُمَا إِنَّمَا يَقُولَانِ مِثْلَ هَذَا الشَّيْءِ، وَسَمِعَا مِنْ النَّبِيِّ ﷺ" "وہ دونوں کہیں گے اس قسم کی بات جو دونوں نے سنا ہے نبی کریم ﷺ سے۔"

محدث بیہقی رحمہ اللہ صاف صاف کھول کر بتا رہے ہیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بال پکڑ کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایہ جس نام کا اشارہ فرمایا وہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے نام تھے، وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ تھے، اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اس ناسمجھ کو کون سمجھا سکتا ہے۔ ①

قارئین محترم! ہم نے گیاوی صاحب کا یہ طویل اقتباس یہ بتانے کے لیے نقل

① دلائل النبوة للبيهقي، ج ۶ ص ۱۰.

② گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۰۲-۱۰۳.

کیا ہے کہ وہ کس طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ پر صریح جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ باور کروا رہے ہیں کہ انہوں نے کھول کر بتا دیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کے نام کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اعادنا اللہ من الکذب والبهتان، اس پوری روایت کو پڑھیں اور گیاوی صاحب کے ترجمہ کے ساتھ پڑھیں، اور امام بیہقی کی بات بھی پڑھیں، کیا کہیں آپ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یا یزید کا کوئی ذکر ملتا ہے؟ اور پھر گیاوی صاحب نے یہ صریح دھوکہ دیا ہے جیسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے یہ کہہ رہے ہوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ غلطی پر ہیں انہیں پکڑ کر سیدھا کر دو (العیاذ باللہ)، جبکہ بات اس کے برعکس ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کنشپوں کو لازم پکڑو جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حکمت عملی کو مضبوطی سے تھام کے رکھو، یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف ہو رہی ہے نہ کہ ان پر تعریض، اور یہاں یزید بن معاویہ کی طرف کسی قسم کا کوئی اشارہ سرے سے ہے ہی نہیں۔

یہ بات ہم یونہی نہیں کہہ رہے بلکہ یہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی بات ہی چل رہی ہے، امام بیہقی نے اس روایت سے پہلے جو روایت نقل کی ہے وہ یوں ہے:

"أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ عَفَّانَ، حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ، قَالَ: لَمَّا رَجَعَ عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ إِلَى أَبِيهِ، قَالَ: يَا أَبَتَاهُ النَّاسُ! لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ، فَإِنَّهُ لَوْ فَفَقَدْتُمُوهُ لَقَدْ رَأَيْتُمْ الرُّعُوسَ تَنْزُو مِنْ كَوَاهِلِهَا كَالْحَنْظَلِ" ①

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے لوٹے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! معاویہ کی

① دلائل النبوة للبيهقي، جلد ۶، صفحہ ۲۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت.

امارت کو ناپسند مت کرو، بے شک اگر تم نے انہیں کھو دیا تو دیکھو گے کہ سر ایسے کٹ کر گر رہے ہیں جیسے حنظل اپنے درخت سے گرتا ہے۔

نوٹ: گیاوی صاحب کے مرجع سید لعل شاہ بخاری صاحب نے مندرجہ بالا روایت کو ”ضعیف اور موضوع“ لکھا ہے اور اس کی وجہ ایک راوی ”الحارث الاعور“ بتائی ہے۔^① جبکہ دلائل النبوۃ کی روایت میں یہ راوی نہیں ہے، دراصل لعل شاہ صاحب نے اپنے موقف کے حق میں تو خوب ضعیف اور غیر مستند روایات نقل کی ہیں لیکن جہاں اپنے موقف کے خلاف روایت آتی ہے تو وہاں وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو بھی بے دھڑک ”خود ساختہ“ اور ”باطل“ لکھ دیتے ہیں، جبکہ دوسری طرف اپنے فریق مخالف پر یہ طنز بھی کرتے ہیں کہ اس نے ضعیف روایات سے استدلال کیا ہے۔

بہر حال امام بیہقی کا جو تبصرہ گیاوی صاحب نے اپنے خاص مقصد کے تحت نقل کیا ہے جس میں امام بیہقی فرما رہے ہیں کہ:

”وَهُمَا إِنَّمَا يَقُولَانِ مِثْلَ هَذَا الشَّيْءِ، وَسَمِعَاهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ“

وہ دونوں کہیں گے اس قسم کی بات جو دونوں نے سنا ہے نبی کریم ﷺ سے۔

اس میں ”ہما“ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اس سے پہلی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ بات حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے یہی دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد وضاحت کے ساتھ لکھی ہے:

”وَقَدْ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ، عَنِ الْحَاكِمِ، عَنِ الْأَصَمِّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ

① استخلاف یزید، صفحہ ۵۹۹۔

عَفَانٍ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ مُجَالِيدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لَمَّا رَجَعَ عَلِيٌّ مِنْ صِفِّينَ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، لَا تَكْرَهُوا إِمَارَةَ مُعَاوِيَةَ؛ فَإِنَّهُ لَوْ لَقِدْتُ مَمُوهَ لَقَدْتُ رَأَيْتُمْ الزُّعُوسَ تَنْزُورُونَ كَوَاهِلَهَا كَالْحَنْظَلِ - ثُمَّ رَوَى عَنِ الْحَاكِمِ وَغَيْرِهِ، عَنِ الْأَصَمِّ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ مَزِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ غَمَيْرِ بْنِ هَانِيٍّ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَمْشِي فِي سُوْقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَا تُثَدِّرْ كُنْيَ سَنَةِ السَّبْتَيْنِ وَيُحْكَمْ تَمَسَّكُوا بِضُغْيِ مُعَاوِيَةَ، اللَّهُمَّ لَا تُثَدِّرْ كُنْيَ إِمَارَةِ الصَّنِينِ - قَالَ النَّبِيهِيُّ: وَعَلِيٌّ وَأَبُو هُرَيْرَةَ إِنَّمَا يَقُولَانِ هَذَا الشَّيْءَ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ" ①

حافظ ابن کثیر نے صاف طور پر لکھا ہے کہ "ہما" سے مراد سیدنا علیؑ اور سیدنا ابو ہریرہؓ ہیں، نیز سیدنا ابو ہریرہؓ والی روایت حافظ ابن کثیر نے امام ابو العباس الأصم کے واسطے سے نقل کی ہے اور اس میں لفظ ہیں:

"کان ابو ہریرۃ یمشی فی سوق المدینۃ" - "کہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے مدینہ کے بازار میں چلتے ہوئے یہ بات فرمائی"۔

لہذا جب یہ بات ہی سیدنا معاویہؓ کی منقبت و توصیف کے ضمن میں نقل کی جا رہی ہے تو اس سے یہ باور کروانا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ گویا کہ سیدنا معاویہؓ کے فیصلوں کی غلطی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں یہ گویا صاحب جیسا "سمجھدار" اور "عقل کل" رکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔

اور یہ گویا صاحب کا امام بیہقی پر نرا بہتان ہی ہے کہ وہ

"صاف صاف کھول کر بتا رہے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے بال پکڑ کر

① البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۲۳۳ طبع دار ہجر.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایۃً جس نام کا اشارہ فرمایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نام تھے وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ تھے،

جبکہ امام بیہقی کی ایسی کوئی بات نہیں لکھی، اسے کہتے ہیں:

"توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ"۔

پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا طرز عمل اس بات کا پتہ دیتا ہے، کیونکہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہو چکی تھی (خود گیاوی صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۵۹ ہجری میں نقل کی ہے) لیکن ہمیں کسی روایت میں نہیں ملتا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی جانشینی کی اس بیعت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض کیا ہو، یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت ہی کی ہو، بلکہ الٹا وہ ہماری زیر بحث روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنے کی ترغیب دے رہے ہیں، لیکن گیاوی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بات کا مدینہ کی گلیوں میں اعلان کرتے ہوئے تو نہیں ڈرتے تھے اور اشارے کنائے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو غلط بھی بتاتے تھے اور اس سے پناہ بھی مانگتے تھے لیکن وہ صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کرنے سے ڈرتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”امام بخاری کی ادب مفرد یا کسی اور مرفوع حدیث میں امارۃ الصبیان

کی جو پہچان سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتائی اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کی آسان پہچان سنہ ۶۰ ہجری وہ جانتے نہ تھے، بلکہ ان چھوکروں کا نام بتانے میں خطرہ اور ڈر تھا اور پہچان بتانے میں نہ کوئی خطرہ نہ ڈر اور پہچان سمجھنے والا اس وقت کا تعین خود بخود کر سکتا تھا کہ اب وقت آچکا ہے

جس کی پیشین گوئی کی گئی ہے.....“^①

لیجئے! گیاوی صاحب نے اپنے مفروضے کو درست ثابت کرنے کے لئے ایک صحابی رسول ﷺ کو نعوذ باللہ بزدل ثابت کر دیا، نیز انہیں یہ علم ہی نہیں کہ اگر یہ مرفوع حدیث ہے تو پھر یہ پہچان بتانے والے خود نبی کریم ﷺ ہوں گے نہ کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور گیاوی صاحب جو بات سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ انہوں نے ڈر یا خوف کی وجہ سے نام نہیں بتائے تو یہ گیاوی صاحب کے دماغ کی سوچ ہے، ورنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایسی کوئی بات منقول نہیں، اور رہی بات وقت کے تعین کی، تو یہ تعین ان صحابہ کرام نے تو نہ کیا جن کے سامنے مدینہ کی گلیوں میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بات فرمایا کرتے تھے، واقعہ حرہ میں بیعت توڑنے والوں نے تو اس حدیث کا حوالہ نہ دیا، یہ سمجھ تو چھ سات سو سال بعد والوں کو آئی کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس میں اشارہ دیا تھا۔

گیاوی صاحب کے مدوح اور مرجع، سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر یہ بہتان باندھا ہے اور لکھا ہے:

”ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا قضیہ ہوا تھا، یزید کے کردار، عادات اور اطوار سے بخوبی واقف تھے انہیں یقیناً معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کے فرمودات یہلک الناس هذا الحي من قريش — اغليمة من قريش — ومن اخاف اهل المدينة کا اولین مصداق یزید بن معاویہ ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ لو شئت لاسميهم اگر میں چاہوں تو ان کے نام تک بتلا دوں لیکن فرماتے ہیں کہ ان کی اشاعت کروں تو میری

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۱۴.

شہادہ رگ کاٹ ڈالی جائے قطع هذا البلعوم..... الخ،^①

ملاحظہ فرمائیں، کس دھڑلے کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یقیناً معلوم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کا اولین مصداق یزید بن معاویہ ہے، جبکہ آگے خود یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے موت کے خوف سے یزید تو کیا کسی کا بھی نام نہیں لیا تھا۔ نیز سید لعل شاہ صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو شہ رگ کاٹے جانے والی بات نقل کی ہے وہ ایک الگ حدیث ہے جس میں نہ ساٹھ ہجری کا ذکر ہے، نہ اہل مدینہ کو ڈرانے کا اور نہ ہی قریش کے بچوں کی حکومت کا^②، لیکن لعل شاہ صاحب نے اس دوسری حدیث کے الفاظ یہاں جوڑ کر اور یہ تاثر دے کر کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ

”اگر میں یزید کا نام بتا دوں تو میری شہ رگ کاٹے جانے کا خوف ہے“

علمی خیانت کا ثبوت دیا ہے اور گیاوی صاحب بھی اسی کتاب کو اپنا مرجع و مصدر بنائے ہوئے ہیں۔ واللہ المستعان۔

لہذا ہم گیاوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کہیں سے حوالہ پیش کرتے ہوئے اس کا سیاق و سباق بھی دیکھ لینا چاہیے کہ وہاں موضوع کیا چل رہا ہے اور جو روایت محدث پیش کر رہا ہے وہ اس سے کسی کی منقبت ثابت کر رہا ہے یا مذمت۔ اور آخری اصولی بات یہی ہے کہ پہلے یزید کو ”صبی“ اور ”غلام“ تو ثابت کیا جائے، اور اس پر دلیل دی جائے کہ جب اسے ولی عہد نامزد کیا گیا یا جب وہ مسند اقتدار پر بیٹھا تو وہ ”نابالغ“ اور ”چھوٹا بچہ“ تھا، اس کے بعد یہ بحث کی جائے گی کہ

① استخلاف یزید، صفحہ ۳۸۵۔

② دیکھیں: صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۰۳۱ باب حفظ العلم۔

"امارة الصبيان" میں وہ داخل ہے یا نہیں، کیونکہ روایت میں "امارة الصبيان" (بچوں کی امارت) سے پناہ کا ذکر ہے۔

گیاوی صاحب کی تاریخِ دانی کا ایک نمونہ:

اپنی کتاب کے ابتدائی حصہ میں گیاوی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے:
 ’صبیانی پارٹی کے دو ارکان (کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، درست تین ارکان ہونا چاہیے جیسا کہ آگے وضاحت ہے۔ ناقل)، (۱) خود یزید (۲) عبید اللہ بن زیاد والی عراق بعمر ۲۲ سال، عثمان بن محمد عامل مدینہ، نو عمر و ناتجربہ کار تھے، تینوں میں کوئی سیدنا معاویہ کے زمانہ میں کہیں کے والی نہ تھے، تینوں یزید کے قریبی رشتہ دار بھی تھے کم عمر بھی‘۔^①

یہاں گیاوی صاحب نے تین نام ذکر کیے ہیں، ایک یزید بن معاویہ کا، دوسرا عبید اللہ بن زیاد کا اور تیسرا عثمان بن محمد کا، اور پھر انہیں ’صبیانی پارٹی‘ (بچہ پارٹی) کہا ہے، اور پھر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ’ان تینوں میں سے کوئی بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کہیں کا والی نہ تھا‘، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کو خود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ۵۴ ہجری میں خراسان کا والی بنا کر بھیجا تھا، حافظ ابن کثیر سنہ ۵۴ ہجری کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَقَدَّمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ عَبِيدَ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ عَلَى مُعَاوِيَةَ، فَأَكْرَمَهُ وَسَأَلَهُ عَنْ ثَوَابِ أَبِيهِ عَلَى الْبِلَادِ، فَأَخْبَرَهُ عَنْهُمْ، ثُمَّ وُلَّاهُ إِمْرَةَ خُرَاسَانَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسِينَ وَعِشْرِينَ سَنَةً، فَمَسَارَ إِلَى مَقَاطِعَتِهِ، وَتَجَهَّزَ مِنْ قُورِهِ غَادِيًا إِلَيْهَا، فَقَطَعَ النَّهْرَ إِلَى جَبَالِ بُخَارَى، فَفَتَحَ زَامِيْنَ وَنَضَفَ بَيْنَكُنْدَ - وَهَمَّا مِنْ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۸ حاشیہ.

مُعَاوِلَةَ بَخَارَى - وَ لَقِيَ التَّرْكَ هُنَاكَ، فَقَاتَلَهُمْ قِتَالًا شَدِيدًا، وَ هَزَمَهُمْ هَزِيمَةً
فَطِيعَةً" ①

(خلاصہ) اسی سال (یعنی ۵۴ ہجری میں) زیاد نے (اپنے بیٹے) عبید اللہ بن زیاد کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کا اکرام کیا اور اس سے اس کے والد کے نانیوں کے بارے میں پوچھا، پھر اسے خراسان کا والی بنایا اس وقت اس کی عمر ۲۵ سال تھی، چنانچہ وہ اپنے علاقے کی طرف چلا گیا اور فوراً تیاری کر کے (فوج لے کر) نکل کھڑا ہوا اور بخارا کے پہاڑوں تک جا پہنچا، بخارا کے کچھ علاقے فتح کیے اور وہاں اس کا آئنا سامنا ترکوں سے ہوا، پس ان کے ساتھ اس کی شدید جنگ ہوئی جس میں اس نے ترکوں کو شکست فاش دی۔

اور پھر سنہ ۵۵ ہجری میں حافظ ابن کثیر کے بقول، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کا والی بنایا:

"فِيهَا عَزَلَ مُعَاوِيَةُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو بْنِ عَمِيْلَانَ عَنِ الْبَصْرَةِ، وَ وُلِّيَ عَلَيْهَا
عَبِيدَ اللَّهِ بْنَ زِيَادٍ" ②

اور اسی سال (یعنی ۵۵ ہجری میں) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عمرو بن عمیلان کو بصرہ سے ہٹا کر اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو بصرہ کا والی بنایا۔

ہاں زیاد بن معاویہ؟ تو اسے اگرچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی علاقے کا والی نہیں

① البداية والنهاية، جلد ۱۱ صفحہ ۲۷۱ طبع دار ہجر / تاریخ الطبری، جلد ۵ صفحہ ۲۹۵ طبع دار التراث

بیروت.

② ایضاً، جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۱ / تاریخ الطبری، جلد ۵ صفحہ ۲۹۹.

بنایا تھا لیکن اسے کئی مہمات کا امیر ضرور بنایا تھا، جس میں اس لشکر کی امارت بھی شامل ہے جس نے بقول حافظ ابن حجر، حافظ ابن کثیر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہم اللہ، قسطنطنیہ پر سب سے پہلا حملہ کیا تھا اور جس لشکر میں سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، بلکہ بقول طبری اسی لشکر میں یزید کے زیر کمان، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔^①

اسی طرح سنہ ۵۱ ہجری میں (اور ایک قول کے مطابق سنہ ۵۰ ہجری میں بھی) یزید کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا۔^②

یاد رہے! یزید بن معاویہ کی ولادت طبری اور ابن کثیر نے سنہ ۲۵ ہجری میں بتائی ہے۔^③

اس حساب سے سنہ ۶۰ ہجری میں جب یزید کی بیعت خلافت ہوئی تو اس کی عمر ۳۵ سال کے لگ بھگ بنتی ہے اور وہ کسی طرح بھی گیاوی صاحب کی صبیانی پارٹی میں شمار نہیں ہو سکتا، یہ گیاوی صاحب کا ہی کمال ہے کہ ان کے نزدیک ۳۵ سال کا آدمی چھوٹا بچہ کہلاتا ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو یزید پر منطبق کرنے کی کوشش:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۲ کے حاشیہ میں مسند احمد اور البدایہ والنہایہ کے حوالے سے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے، اور بس

① دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد ۱۱ صفحہ ۶۴۲ طبع دار ہجر / فتح الباری، جلد ۶ صفحہ ۱۰۳ طبع دار المعرفة بیروت / مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد ۳ صفحہ ۳۱۳ طبع السعودیہ / تاریخ الطبری، جلد ۵ صفحہ ۲۳۲ دار التراث بیروت.

② دیکھیں: تاریخ الطبری، جلد ۵ صفحہ ۲۸۶ البدایہ والنہایہ، جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۳.

③ البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۳ تاریخ طبری، جلد ۲ صفحہ ۱۶۰.

نقل ہی کی ہے، اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو بھی یزید پر منطبق کرنا چاہتے ہیں، تو ہم وہ مکمل روایت بھی مع ترجمہ نقل کرتے ہیں:

"حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنَا حَيُّوَةُ، أَخْبَرَنِي بِشِيرَازِ بْنِ أَبِي عَمْرٍو
الْحَوْلَانِيِّ، أَنَّ الْوَلِيدَ بْنَ قَيْسٍ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ:
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: يَكُونُ خُلْفٌ مِنْ بَعْدِ سِتِّينَ سَنَةً أَضَاعُوا
الصَّلَاةَ، وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ، فَسَوْفَ يَلْفُونَ عَنِّي، ثُمَّ يَكُونُ خُلْفٌ يَقْرَءُونَ
الْقُرْآنَ، لَا يَعْدُونَ تَرَاقِيهِمْ، وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةَ مِائَتَيْنِ، وَمَنَافِقٍ، وَفَاجِرٍ" قَالَ
بِشِيرَازِ: فَقُلْتُ لِلْوَلِيدِ: مَا هُوَ لِأَيِّ الثَّلَاثَةِ، فَقَالَ: "الْمَنَافِقِ كَافِرٍ بِهِ، وَالْفَاجِرِ
يَتَأَكَّلُ بِهِ، وَالْمُؤْمِنِ يُؤْمِنُ بِهِ" ①

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ساٹھ (۶۰) سال کے بعد ایسے ناخلف ہوں گے جو نماز ضائع کریں گے اور شہوات کی پیروی کریں گے، یہ عنقریب جہنم کے گڑھے میں جائیں گے، پھر اس کے بعد ایسے ناخلف ہوں گے، جو قرآن تو پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اور قرآن کو پڑھنے والے تین لوگ ہوں گے: مومن، منافق اور فاجر۔ راوی حدیث بشیر کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے شیخ) ولید سے پوچھا: یہ تین لوگ کیسے ہوں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا: منافق قرآن کا انکار کرے گا، فاجر اس کے ذریعے کھائے گا، اور مومن اس پر ایمان لائے گا۔

اس روایت کو بھی یزید پر فٹ کیا جاتا ہے، لیکن اس میں بھی دور دور تک کہیں

① مستند احمد، جلد ۱، صفحہ ۳۴۰ مؤسسۃ الرسالۃ.

بھی یزید کا نام و نشان نہیں، نہ ہی اس میں کسی ایک خاص شخص کا بیان ہے، بلکہ کئی سارے لوگوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے، نیز اس حدیث میں نبی ﷺ نے ساٹھ (۶۰) سال بعد کی صورت حال بتائی ہے، اور یقیناً یہاں ساٹھ سے ہجری سال مراد نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے دور میں ہجری سال کا رواج نہیں تھا، اس لیے اس سے آپ ﷺ کے وصال کے بعد ساٹھ سال مراد ہوں گے جو ہجری سنہ کے اعتبار سے سنہ ۷۰ ہجری کے بعد کا دور ہوگا، اور یزید کی وفات اس دور سے پہلے ہی ہو چکی تھی، اس لیے یزید کو خواجواہ اس حدیث کا مصداق بنانا زور زبردستی کے سوا کچھ نہیں، یا اگر یہ دعویٰ ہے کہ ساٹھ سال کے بعد صرف ایک یزید ہی ایسا ہوا ہے جس میں یہ ساری خرابیاں پائی جاتی تھیں، اس لیے اس حدیث کا مصداق صرف وہی ہے تو یہ دعویٰ صراحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

گیادوی صاحب کے مرجع و ماوی سید لعل شاہ صاحب بخاری نے بھی یہ روایت پیش کر کے یہ بہتان لگایا ہے کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے آئینہ میں یزید ہی کی تصویر دیکھ رہے تھے۔^①

یہ بھی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا ہے جس کا انہوں نے اشارہ تک نہیں فرمایا، لیکن یزید دشمنی میں شاید ایسی باتیں ان حضرات کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

الغرض! محدث اعظمی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سو فیصد درست لکھی تھی کہ:

”ہم کو اس بحث میں سب سے پہلے مہتمم صاحب سے یہ پوچھنا ہے کہ آپ نے یزید کے باب میں جس عقیدہ کا ذکر کیا ہے، وہ عقائد کی کتابوں میں

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۲۸۵.

سے کس کتاب میں مذکور ہے؟ اور وہ ائمہ دین مثلاً ائمہ اربعہ، یا ابوالحسن اشعری یا ابومنصور ماتریدی وغیرہم میں سے کس سے منقول ہے؟۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ بات جس کو جامعین عقائد یا شارحین کتب عقائد میں سے کوئی سلف کا حوالہ دیئے بغیر عقائد کی کتابوں میں اپنی رائے کے طور پر لکھ دیں اس کو عقیدے کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔“

نیز لکھا کہ:

”شرح احادیث میں جو احتمالات محدثین ذکر کرتے ہیں، ان کو قطع و جزم کے صیغہ سے بیان کرنا علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے، اسی طرح ان کی بنیاد پر حدیث کی کوئی مراد جزم کے ساتھ بیان کرنا، یا ان احتمالات کو حدیث کے ساتھ جوڑ کر یہ کہہ دینا کہ حدیث کا یہ مضمون ہے، ہمارے نزدیک من یقل علیٰ مآلہم اقلہ کی وعید شدید کا مستحق بننا ہے۔“^①

لیکن گیروی صاحب کی منطق ملاحظہ فرمائیں اور داد دیں، لکھتے ہیں:

”..... اصول عقائد میں یہ مسئلہ نہیں ہے، لیکن فروع عقائد میں داخل ہے، مولانا حبیب الرحمن صاحب کا اس کو عقائد سے خارج کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، ورنہ پھر صحابہ کرام کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا کوئی موقف نہ ہوگا، جس کا جی چاہے گا جس صحابی کو جھوٹا بنا دے گا، جیسا کہ متعدد صحابہ کرام مثل عبد اللہ بن مطیع اور معقل بن سنان، ابو عمرو بن حفص، محمد بن ابی جہم، سیدنا مسعود بن خرمہ رضی اللہ عنہم وغیرہم کو مولانا حبیب الرحمن رحمہم نے دانستہ یا نادانستہ جھوٹا اور غلط کار اور فتنہ باز بنا ڈالا

① محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۲۳۲۔۲۳۳۔

ہے۔“^①

قارئین محترم! گیاوی صاحب حنفی مسلک کے مقلد ہیں اور ماشاء اللہ ان کی شہرت ایک مناظر کی بھی ہے، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ احناف کے نزدیک عقیدہ کے اثبات کے لیے نص قطعی کا ہونا ضروری ہے، ان کے ہاں ”خبر واحد“ سے بھی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، اور یہاں گیاوی صاحب غیر مستند، غیر ثابت، منقطع الاسناد روایات اور واقدی و ابوحنفہ اور محمد بن زکریا الغلابی جیسے گواہوں کی بنیاد پر یزید کے فسق و فجور اور شراب نوشی کو بطور ”عقیدہ“ ثابت کر رہے ہیں، اور ایسا باور کروا رہے ہیں جیسے اس وقت موجود صحابہ وہی چار پانچ تھے جن کے نام گیاوی صاحب نے ذکر کیے ہیں، باقی کوئی صحابی دنیا میں موجود نہ تھا، ہم گیاوی صاحب کو پھر یاد دلا دیں کہ آپ پہلے ان صحابہ کرام سے جن کے نام آپ بار بار دہراتے ہیں صحیح سند کے ساتھ وہ باتیں ثابت تو کریں جو ان کی طرف آپ منسوب کرتے ہیں، جب تک آپ یہ روایات ثابت نہیں کرتے، تب تک آپ کو ان صحابہ کا نام لے کر تلبیس دینا زیب نہیں دیتا، اور پھر اصول یہی ہے جیسا کہ ہم نے بار بار بیان کیا ہے کہ کسی پر شراب نوشی کا الزام ثابت کرنے کے لیے شریعت نے جو قانون و ضابطہ مقرر کیا ہے وہ صحابی اور غیر صحابی سب کے لئے برابر ہے، ہم پہلے صحابہ کرام کی مثالیں دے کر یہ بات واضح کر چکے ہیں۔

گیاوی صاحب کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ

”یہ مسئلہ اصول عقائد میں تو نہیں، لیکن فروع عقائد میں داخل ہے۔“

میں اس پر صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ:

”ملاں آں باشد کہ چپ نشود“ (یہ تعریض گیاوی صاحب نے محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۰۔

پر کی ہے، ہم نے صرف انہیں واپس لوٹائی ہے، دیکھیں ان کی کتاب کا صفحہ: (۱۰۳)
نوٹ: ہمارے پاکستان کے بزم خود ایک مناظر اسلام صاحب نے بھی بلا تحقیق
ادھر ادھر سے مواد جمع کر کے یزید پر ایک ۵۶ صفحہ کا رسالہ ترتیب دیا ہے، جس کی پہلی
سطر میں ہی یہ جھوٹ بولا ہے کہ

”اہل سنت کے نزدیک یزید کے فسق و فجور کا نظریہ عقائد کے باب سے
تعلق رکھتا ہے“۔

اور یاد رہے! یزید کی بیعت توڑنے والوں کو ”خروج و بغاوت کا مرتکب“ خود
گیا وی صاحب نے متعدد مقامات پر لکھا ہے، مثال کے طور پر وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ
”یزید کی طاقت متحدہ تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے،
دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا
ہوا..... دو سال بعد سنہ ۶۳ ہجری میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی
ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے.....“ ①

لہذا گیا وی صاحب کا محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ طعنہ دینا نہیں بتا کہ انہوں نے
فلاں فلاں کو دانستہ یا نادانستہ فتنہ باز بنا ڈالا ہے، کیونکہ انہوں نے بھی تو یزید کی بیعت
توڑ کر اس کے خلاف خروج کرنے والوں کو جن میں گیا وی صاحب کے مطابق صحابہ
شامل تھے، باغی اور مسلمانوں کی متحدہ قوت میں انتشار ڈالنے والا لکھ دیا ہے۔

① دیکھیں: گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸-۱۲۹.

واقعہ حرہ..... اسباب و واقعات

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم دار العلوم دیوبند نے اپنی کتاب ”شہید کربلاء و یزید“ میں بحث کا محور واقعہ کربلاء، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی ذات کو ہی رکھا ہے، انہوں نے واقعہ حرہ کی تفصیل یا اس کے اسباب و واقعات پر نہیں لکھا، اسی طرح جب مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، ممبر مجلس شوری دارالعلوم دیوبند نے قاری صاحب کی کتاب پر مختصر تبصرہ لکھا تو اس میں بھی واقعہ حرہ الگ سے زیر بحث نہیں آیا تھا، لیکن گیاوی صاحب نے اگرچہ اپنی کتاب کا نام ”شہید کربلا اور کردار یزید“ رکھا ہے۔ لیکن اس میں واقعہ کربلاء کے اسباب و پس منظر اور واقعات نیز سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کچھ نہیں لکھا، سوائے اس کے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا حکم یزید نے دیا تھا اور وہ اس پر خوش ہوا تھا (اگرچہ اس بات کی کوئی مستند دلیل پیش نہیں کی)، یا یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام لے جایا گیا تھا، بلکہ گیاوی صاحب نے تو اپنی کتاب کی ابتداء ہی واقعہ حرہ سے کی ہے اور پھر اس کی بنیاد پر یزید کا فسق و فجور ثابت کرنے پر اپنی ساری توانائی صرف کی ہے۔

لہذا ہم بھی مختصر طور پر واقعہ حرہ کے اسباب و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں، نیز اس بارے میں پھیلائے گئے بے سرو پا افسانوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اور اس واقعہ کی ابتداء کے بارے میں مؤرخ ابن اثیر کے حوالے سے خود گیاوی صاحب نے جو بات نقل کی ہے، ہم بھی اسی کو بنیاد بناتے ہیں:

”واقعہ حرہ کی شروعات جیسا کہ پہلے گذرا یزید کی بیعت توڑنے سے

ہوئی، جب یہ سال (یعنی ۶۳ ہجری - تاقل) شروع ہوا تو اہل مدینہ نے یزید کے عامل عثمان بن محمد کو نکال دیا اور بنو امیہ کا حصار کر لیا اور انہوں نے عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد یہ سب کچھ کیا۔^①

گیادوی صاحب کی نقل کردہ ابن اشیر کی اس عبارت میں مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار موجود ہے:

- ۱- واقعہ حرہ کا سبب کچھ لوگوں کا یزید کی بیعت کر کے، بعد میں توڑنا بنا۔
 - ۲- ان لوگوں نے نہ صرف بیعت توڑی، بلکہ مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ مدینہ کے عامل کو بھی مدینہ سے نکال دیا۔
 - ۳- ان لوگوں نے اپنی طرف سے عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔
 - ۴- ان لوگوں نے مدینہ میں موجود بنی امیہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔
- لہذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء، مدینہ کے ان لوگوں کی طرف سے ہوئی جنہوں نے یہ سب کام کیے اور سب سے پہلی ذمہ داری انہی پر آتی ہے۔

اس واقعہ کا پس منظر ہمارے خیال میں دراصل ہوا یہ کہ سنہ ۳۵ ہجری میں تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہونے والا فتنہ ہزاروں لوگوں کی جان لینے کے بعد آخر کار سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کے بعد وقتی طور پر ختم ہو چکا تھا، تمام سازشی عناصر زیر زمین چلے گئے تھے، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سازشیوں نے پھر سراٹھانا شروع کیا، پہلے انہوں نے عراق سے خطوط لکھ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں استعمال کرنا چاہا، لیکن جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو عراق پہنچ کر اصل

① گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۸۔

حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے صحیح روایت کے مطابق یزید کے پاس جانے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کی بات فرمائی (ایسی روایات گیاوی صاحب جیسے غیر جانبدار محققین کو شاید کسی وجہ سے نظر نہیں آئیں) لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی اور کربلا کا سانحہ ہو گیا۔

اس کے بعد حکومت وقت نے ان سازشیوں کا ناطقہ بند کر دیا اور ان کی کڑی نگرانی شروع کر دی گئی، لیکن یہ لوگ پھر شرانگیزی کے لئے موقع کی تلاش میں رہے، چنانچہ سنہ ۶۳ ہجری میں انہی لوگوں کی سازش کی وجہ سے حالات یہاں تک پہنچے کہ مدینہ کے کچھ لوگوں نے مدینہ منورہ کے عامل عثمان بن محمد سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور سمجھانے بھجانے کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، عامل مدینہ نے ان کی شکایت خلیفہ وقت یزید سے کی، جس کے ردعمل میں ان لوگوں نے یزید کے خلاف بے سرو پا باتیں پھیلانا شروع کر دیں اور یزید پر شراب نوشی و حرام کاری جیسے اتہامات مشہور کرنے لگے، ان لوگوں نے اتنا شدید پروپگنڈہ کیا کہ مدینہ کے کچھ بھولے بھالے سادہ لوح لوگ بھی ان کے پروپگنڈہ کا شکار ہو گئے۔

آخر کار مدینہ میں ایک جماعت بن گئی اور انہوں نے کبار صحابہ کے منع کرنے کے باوجود یزید کی بیعت توڑ دی اور نہ صرف اس پر اکتفا کیا بلکہ مدینہ کے عامل عثمان بن محمد کو مدینہ سے نکال دیا اور مدینہ میں موجود بنو امیہ کا محاصرہ کر لیا اور پھر انہیں بھی مدینہ سے نکلنے پر مجبور کیا، اور جیسا کہ خود گیاوی صاحب نے ابن اشیر کے حوالے سے نقل کیا ہے، انہوں نے عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد یہ سب کچھ کیا، یوں مدینہ میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا کر دیا گیا۔

بہر حال حکومت وقت نے ان لوگوں کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز

آجائیں ورنہ ان کے خلاف فوجی طاقت کا استعمال کیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ باز نہ آئے، بالآخر مجبوراً ان کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی تاکہ مدینہ میں خوف و دہشت کے ماحول کا خاتمہ کیا جائے اور امن و امان قائم کیا جائے۔

خليفة وقت، یزید کی ہدایت کے مطابق یہ کارروائی صرف ان لوگوں کے خلاف تھی جو خروج اور بغاوت کے مرتکب ہوئے تھے، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ یزید نے حکم دیا تھا کہ مدینہ میں تین دن تک لوٹ کھسوٹ، زنا کاری اور حرام کاری کا بازار گرم کیا جائے، یہ انہی شریکوں کی پھیلائی باتیں ہیں جن کی سازشوں کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا، ورنہ یزید کا ان باتوں کا حکم دینا قابل اعتماد سندوں سے ثابت نہیں، اور تین دن تک مدینہ کی اباحت والی بات اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ یزید نے حکم دیا تھا کہ خروج کرنے والوں اور باغیوں کے خلاف کارروائی کے لیے صرف تین دن ہیں، تین دنوں میں یہ کارروائی مکمل کر لی جائے اور مدینہ میں امن و امان قائم کر دیا جائے، جسے گیاوی صاحب جیسے ”محققین“ نے یہ بنا دیا کہ یزید نے تین دن تک مدینہ میں لوٹ ماری مچانے، قتل عام کرنے اور مدینہ کی مستورات کی عزتیں تار تار کرنے کو حلال قرار دے دیا تھا، یہ لوگ یہ بھی نہیں سوچتے کہ باغیوں کے خلاف یہ کارروائی کرنے والی فوج بھی مسلمانوں کی تھی، اور مسلمان بھی دور صحابہ اور خیر القرون کے، وہ کافروں کی فوج نہ تھی۔

الغرض! ہمارے خیال میں واقعہ حرہ کے پیچھے دراصل انہی لوگوں کا ہاتھ تھا جو ہمیشہ سے مسلمانوں کے درمیان خون ریزی کے لیے سازشیں کرتے رہے تھے، واقعہ حرہ میں بھی ان کا مقصد مسلمانوں کو آپس میں لڑانا تھا، یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے بھی کئی بار ایسی سازشیں کر چکے تھے اور جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہہ

چکا تھا، چنانچہ صحیح روایات میں آتا ہے کہ جب شام سے آنے والی فوج ان خروج کرنے والوں کے خلاف کاروائی کے لیے پہنچی تو ان کا مدینہ میں داخل ہونا مشکل معلوم ہو رہا تھا، لیکن اہل مدینہ میں سے ہی بنو حارثہ کے کچھ لوگوں نے ان کی مدینہ کے اندر داخل ہونے میں مدد کی تاکہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں (اس بات کا گیاوی صاحب نے واقعہ حرہ کے بارے میں حدیثی پیش گوئی ثابت کرتے ہوئے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے خود ذکر کیا ہے، دیکھیں ان کی کتاب: صفحہ ۱۴۰ نیز ہم پہلے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ایک شامی فوجی کا واقعہ ذکر کر آئے ہیں جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ اس شامی فوجی کو وہاں کے ایک مقامی آدمی نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارا تھا)۔

لہذا عین ممکن ہے کہ اہل مدینہ کے اس گروہ کے اندر سبائی پارٹی کے ارکان چھپے ہوئے ہوں جو افواہوں اور جھوٹی خبروں کا بازار گرم کر کے اور پروپیگنڈہ کی طاقت پر ہر صورت میں قتل و غارت کروانا چاہتے تھے، یہی گروہ ایسی ہی حرکت جمل و صفین کی جنگوں میں بھی کر چکا تھا، ہم اسی گروہ کو واقعہ حرہ کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔

لیکن یزید کے خلاف اس خروج و بغاوت کی جو وجہ مشہور کی گئی وہ یہ تھی کہ یزید شرابی، زانی اور بدکار ہو گیا ہے، جبکہ ان میں سے کوئی بات بھی شرعی اصول اور ضابطہ شہادت کے مطابق ثابت نہیں جس پر ہم پہلے بات کر چکے ہیں، رہی یہ بات کہ چلو ان باتوں کی شرعی شہادت بھلے نہ ہو، لیکن کچھ صحابہ نے تو یہ بات کی تھی اور وہ ان الزامات کو سچ سمجھتے تھے، تو عرض ہے کہ غلط فہمی ہو جانا صحابیت کے خلاف نہیں، مثلاً واقعہ اُفک میں منافقین کی طرف سے کیے گئے پروپیگنڈے سے بعض صحابہ کا متاثر ہونا ثابت و مسلم ہے، پھر ان حضرات سے بھی مستند اور قابل اعتماد طریقے سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے

یزید کے خلاف کوئی عینی شہادت پیش کی ہو، بلکہ خود گیاوی صاحب کی پیش کردہ ”صحیح ترین“ روایت کے مطابق تو سیدنا عبداللہ بن مطیع نے صاف اقرار کیا تھا کہ ”ہم نے یزید کو یہ کام کرتے خود نہیں دیکھا“، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی اور کی بات پر بھروسہ کیا تھا اور اسے اپنے خیال میں سچ سمجھا تھا (بشرط صحت روایت)۔

لہذا اس پورے فتنہ کے ذمہ دار وہ ہیں جنہوں نے یزید کے بارے میں اتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا کہ کچھ بھولے بھالے حضرات بھی اس سے متاثر ہو گئے اور غلط فہمی کا شکار ہو گئے، بالکل ویسے جیسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی سازش کے وقت تاریخ کی کتب کے مطابق کئی مسلمان بھی سازشیوں کی کذب بیانی سے متاثر ہو گئے تھے، یا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں واقعہ اُکف کے وقت بعض صحابہ کا منافقین کے پروپیگنڈے کی شدت سے متاثر ہونا تو سب کو مسلم ہے۔ (اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں اس لیے اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں)۔

قصہ مختصر! حکومت وقت کی یہ کاروائی تمام اہل مدینہ یا مدینہ کی بزرگ شخصیات کے خلاف نہ تھی بلکہ خروج اور بغاوت کرنے والوں کے خلاف تھی، اور خروج و بغاوت کرنے والوں کے خلاف حکومت وقت کا اقدام کوئی جرم نہیں۔

آئیے ”اطاعت امیر“ اور ”امیر کے خلاف خروج کرنے والوں“ کے بارے میں چند نبوی ارشادات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

اطاعت امیر اور حاکم کے خلاف خروج کے بارے میں نبوی ارشادات اور

جمہور اہل سنت کا موقف

”.....عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا

وَإِنْ اسْتَغْمَلْ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، كَانَ رَأْسُهُ زَبِينَةً" ①

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حکم مانو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر ایک ایسا حبشی غلام ہی حاکم کیوں نہ بنا دیا جائے جس کا سر انگور کے خشک دانے کی طرح ہو۔

”عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسْمَعَ وَأَطِيعَ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ، وَحَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ: عَبْدًا حَبَشِيًّا" ②

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میرے خلیل (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں حکم مانوں اور اطاعت کروں، اگرچہ وہ ایسا غلام ہو جس کے کچھ اعضاء کٹے ہوئے ہوں، (ایک روایت میں حبشی غلام کے لفظ ہیں)۔

”.....عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَزِيدُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَّرَهُ فَلْيَضْبِرْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يَفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شَيْئًا فَيَمُوتُ، إِلَّا مَاتَ وَبِعَةً جَاهِلِيَّةً“ ③

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے امیر میں ایسی چیز دیکھے جو اسے ناگوار گزرے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، کیونکہ جو شخص بالشت بھر جماعت سے الگ ہو اور اسے اسی حال میں موت آگئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

① صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۱۴۲.

② صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۳۷، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية.

③ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۱۴۳.

”.....عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا بُوِيعَ

لِخَلِيفَتَيْنِ، فَأَقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا“^①

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔

نوٹ: گیاوی صاحب نے اپنی کتاب میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی زبانی بحوالہ طبرانی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

”إِذَا كَانَ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَتَانِ فَأَقْتُلُوا الْآخَرَ هُمَا“^②

(ترجمہ از گیاوی صاحب) جب زمین میں دو خلیفے ہوں تو آخری والے کو قتل کر دو۔

”.....عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَزْرَجَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ

ﷺ، يَقُولُ: إِنَّهُ سَتَكُونُ هُنَاكَ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَفْرُقَ أُمَّرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ

وَهِيَ جَمِيعٌ، فَاضْرِبْهُ بِالسَّيْفِ كَأَنَّمَا مَنْ كَانَ“^③

سیدنا عرفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: عن قریب بہت سے فتنے ہوں گے، پس جو شخص اس امت کے معاملہ میں افتراق پیدا کرنا چاہے جب کہ امت متفق ہو چکی ہو تو اسے تلوار کے ساتھ مارو، وہ کوئی بھی ہو۔

① صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۵۳ باب اذا بويع لخليفتين.

② دیکھیں گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۹۱-۹۲.

③ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۵۲.

”..... عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: خِيَارَ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّوهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَازَ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُبْفِضُونَ لَهُمْ وَيُبْفِضُونَ لَكُمْ، وَتَلْعَنُونَ لَهُمْ وَيَلْعَنُونَ لَكُمْ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا تَنَابِذُهُمُ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ، وَإِذَا زَأَيْتُمْ مِنْ وَلَايِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ، فَاتَّزَهُوا عَمَلَهُ، وَلَا تَنْزِعُوا أَيِّدًا مِنْ طَاعَةٍ“ ①

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ، اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تمہارے بہترین امام (یعنی حکام) وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، جن کے لیے تم دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں، اور تمہارے برے امام (حکام) وہ ہیں جنہیں تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں، جن پر تم لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں؟ تو ارشاد ہوا: نہیں ایسا نہیں کرنا، جب تک کہ وہ تمہارے اندر نماز قائم کرتے رہیں، اور اگر تم اپنے حکام میں کوئی ایسی چیز دیکھو جو تمہیں ناپسند ہو تو صرف اس کے اس عمل کو ناپسند کرو، لیکن اس کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہ کھینچو (یعنی حاکم کے خلاف خروج نہ کرو)۔

”..... عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةٍ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَقُلْنَا: حَدِّثْنَا أَصْلَحَكَ اللَّهُ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللَّهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: دَعَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَبَايَعَنَا، فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا: أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَالْأَثَرَةَ

① صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۵۵ اب خیار الأئمة وشرارهم.

عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا تَنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرَ أَبِي حَاعِنَدٍ كُمْ مِنْ اللَّهِ فِيهِ بَرْهَانٌ" ①۔

سیدنا جنادہ بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت وہ بیمار تھے، ہم نے عرض کیا: اللہ آپ کی بیماری ٹھیک کرے، ہمیں کوئی ایسی بات سنائیں جو آپ کو نفع دے اور آپ نے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، تو انہوں نے فرمایا: ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا پس ہم سے جن باتوں پر بیعت لی ان میں یہ بھی تھا کہ: ہم (امیر) کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند ہو، ہمیں اس میں تنگی ہو یا آسانی ہو، اور یہ کہ ہم حکومت کے معاملے میں صاحب اقتدار (یعنی حاکم) سے جھگڑا نہیں کریں گے جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو (جو اس کے خلاف خروج کو جائز کر دے)۔

یاد رہے، انہی احادیث کی بنیاد پر جمہور اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ حاکم چاہے فسق کا مرتکب بھی ہو جائے اس کے خلاف خروج جائز نہیں، متعدد حوالے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، یہاں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حوالہ نقل کرتے ہیں، آپ حکام کی اطاعت اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وَالسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلْأَمَةِ وَأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، الْبِرُّ وَالْفَاجِرِ، وَمَنْ وَلِيَ الْخِلَافَةَ فَاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ وَرَضُوا بِهِ، وَمَنْ غَلَبَهُمُ بِالسَّيْفِ حَتَّى صَارَ خَلِيفَةً وَسَمِّيَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، وَالغَزْوُ ماضٍ مَعَ الْأَمْرَاءِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ،

① صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۰۹۱ واللفظ لہ/صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۰۵۵۔

والبیز والفاجر لا ینترک، وقسمۃ الفیء واقامۃ الحدود الی الأئمۃ ماض،
 لیس لأحد أن یطعن علیہم ولا ینازعہم..."
 (نیز فرماتے ہیں):

"ومن خرج علی امام من أئمة المسلمین، وقد کان الناس اجتمعوا علیہم
 وأقروا له بالخلافۃ، بأی وجه کان، بالرضا أو بالغلبۃ، فقد شق هذا
 الخارج عصا المسلمین، وخالف الأئمة عن رسول الله، فإن مات الخارج
 علیہ مات مینۃ جاهلیۃ۔ ولا یجزل قتال السلطان ولا الخروج علیہ لأحد
 من الناس، فمن فعل ذلك، فهو مبتدع علی غیر السنۃ والطریق۔"
 اور آگے فرماتے ہیں:

"ولا نخرج علی الأمرء بالسیف وإن جاروا"^①

خلاصہ یہ ہے کہ: حکام اور امیر وقت کی اطاعت واجب ہے، چاہے یہ نیک
 ہو یا بد (فاسق و فاجر) ہو، اور اس کی بھی اطاعت واجب ہے جو خلیفہ بنا
 اور اس پر لوگ خوشی سے متفق ہو گئے، اور اس کی بھی اطاعت ضروری ہے
 جس نے تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا اور خلیفہ بن بیٹھا ہو اور اس کا نام
 امیر المؤمنین ہو گیا، امراء کی معیت میں جنگ (جہاد) کے لیے نکلنا قیامت
 تک کے لیے مشروع ہے، وہ نیک ہو یا فاجر ہو اسے ترک نہیں کیا جائے گا،
 اور مال فتنے کی تقسیم نیز حدود کا قائم کرنا بھی ائمہ (حکام) کا کام ہے، کسی
 شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان پر طعن کرے یا ان سے جھگڑا
 کرے.....

① مناقب الامام احمد بن حنبل لابن الجوزی، صفحہ ۲۳۰-۲۳۲ ہجری للطباعة والنشر مصر۔

اور جس نے مسلمانوں کے حکام میں سے کسی حاکم کے خلاف خروج کیا جبکہ لوگوں کا اس پر اجماع ہو چکا تھا اور وہ اس کی خلافت کا اقرار کر چکے تھے، خوشی سے یا زور بردستی سے، تو اس خروج کرنے والے نے (اپنے عمل سے) مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا، اور اللہ کے رسول (ﷺ) سے ثابت آثار کی مخالفت کی، پس اگر ایسے شخص کی موت اسی حالت میں ہو گئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں، پس جس نے ایسا کیا وہ بدعتی ہے، سنت کے طریقے پر نہیں..... اور ہم حکام کے خلاف تلوار کے ساتھ خروج نہیں کرتے اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔

اور معروف حافظ حدیث اور حنفی عالم امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۲۱ ہجری) کا حوالہ پہلے نقل ہو چکا کہ آپ اہل سنت کے عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَلَا تَرَى الْخُرُوجَ عَلَى أَيْمَتِنَا وَوَلَاةَ أُمُورِنَا وَإِنْ جَارُوا وَلَا نَدْعُو أَعْلَانِيَهُمْ وَلَا نَنْزِعُ بَدَائِمِنَ طَاعَتِهِمْ... الخ“^①

”یعنی ہم اپنے حکام اور ولیوں پر خروج جائز نہیں سمجھتے، اگرچہ وہ بے راہ رو ہوں، اور نہ ان پر بددعا کرتے ہیں، اور نہ ان کی اطاعت سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔“

لہذا مدینہ کے جن لوگوں نے یزید کی بیعت کر کے توڑی، اور پھر اس کے عامل کو زبردستی مدینہ سے نکالا، اور ایک امیر کے ہوتے ہوئے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی، اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یزید واقعی فاسق ہو گیا تھا تو بھی ان کا یہ اقدام فرامین

① العقیدۃ الطحاویۃ، صفحہ ۶۸ طبع المکتب الاسلامی بیروت.

نبویہ اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔

بلکہ ان کے مقابلے میں احادیث صحیحہ کی روشنی میں ان صحابہ کا موقف راجح، اصح اور احادیث صحیحہ کے مطابق سمجھ آتا ہے جنہوں نے یزید کی نہ صرف خود بیعت نہیں توڑی، بلکہ بیعت توڑنے والوں کو بھی حدیثی وعیدیں سنا کر ایسا کرنے سے روکا، اسی لیے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَلِهَذَا كَانَ الْمَشْهُورُ مِنْ مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّهُمْ لَا يَزُونَ الْخُرُوجَ عَلَى
الْأَيْمَةِ وَقَاتَلَهُمْ بِالسَّيْفِ وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ ظُلْمٌ كَمَا ذَكَرْتُ عَلَى ذَلِكَ
الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ الْمُسْتَفِيضَةِ عَنِ النَّبِيِّ - ﷺ - ①

”اسی لیے اہل سنت کا مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ ائمہ (حکام) کے خلاف خروج اور تلوار کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کے مرتکب ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ اس بات پر نبی کریم ﷺ سے مروی احادیث صحیحہ کی کثیر تعداد دلالت کرتی ہے۔“

اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”وَكَانَ أَفْضَلُ الْمُسْلِمِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْخُرُوجِ وَالْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ، كَمَا
كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ وَعَازِرُهُمْ
يَنْهَوْنَ عَامَ الْخَزْرَجَةِ عَنِ الْخُرُوجِ عَلَى يَزِيدٍ، وَكََمَا كَانَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ
وَمُجَاهِدٌ وَعَازِرُهُمَا يَنْهَوْنَ عَنِ الْخُرُوجِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الْأَشْعَثِ. وَلِهَذَا
اسْتَنْقَرَأَمْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَى تَرْكِ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ لِلْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ
النَّابِتَةِ عَنِ النَّبِيِّ - ﷺ - وَصَارُوا يَذْكُرُونَ هَذَا فِي عَقَائِدِهِمْ وَيَأْمُرُونَ

① منہاج السنہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۱ طبع السعودیہ.

بِالضَّبْرِ عَلَى جُزْرِ الْأَيْمَةِ وَتَرَكَ قِتَالَهُمْ...“^①

اور مسلمانوں کے بڑے علماء (حاکم کے خلاف) خروج اور فتنہ میں جنگ سے روکتے تھے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) اور سعید بن مسیب اور علی بن حسین (رضی اللہ عنہما) اور ان کے علاوہ دوسروں نے حرہ کے سال یزید کے خلاف خروج سے منع کیا تھا، اور جیسے حسن بصری اور مجاہد (رضی اللہ عنہما) نے فتنہ ابن الاشعث میں خروج سے روکا تھا، اسی وجہ سے اہل سنت کا مسلک فتنہ میں قتال کو ترک کرنا قرار پایا کیونکہ اس بارے میں نبی ﷺ سے ثابت اور صحیح احادیث موجود ہیں، اور (علماء اہل سنت) اس بات کا ذکر اپنے عقائد میں کرتے ہیں اور حکام کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

گیادوی صاحب کے مدوح، سید لعل شاہ بخاری صاحب نے بھی اہل سنت کے شعائر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”حاکم عادل ہو یا ظالم اس کی اطاعت ضروری ہے۔“^②

آگے لکھا:

”حاکم فاسق کے خلاف خروج اور بغاوت جائز نہیں ہے جب تک وہ کفر

یواح یعنی ظاہر کفر کا ارتکاب نہ کرے۔“^③

① منہاج السنۃ، جلد ۴، صفحہ ۵۲۹۔ یہ حوالہ خود گیادوی صاحب نے بھی اپنی کتاب میں بلا ترجمہ نقل کیا ہے، دیکھیں: صفحہ ۱۳۰ حاشیہ۔

② استخلاف یزید، صفحہ ۲۹ طبع اول۔

اباحت مدینہ کا افسانہ:

گیاوی صاحب نے اس بات پر بزازوردیا ہے کہ یزید کے حکم سے مدینہ کو تین دن کے لیے ”مباح“ قرار دیا گیا تھا، اور پھر اس پر یوں حاشیہ آرائی کی ہے کہ:

”میرے علم کے مطابق اس اباحت کا ترجمہ حلال قرار دینا اور جائز بنا دینا غلط نہیں ہے۔“

اب قارئین کرام بتائیں گے کہ زنا، غارت گری، اور قتل جیسے کام کو حلال قرار دینے سے کوئی صرف فاسق ہوتا ہے کہ نہیں، میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی تاویل نہ کی جائے تو تحلیل حرام کے جرم میں آدمی شرعاً کافر بھی ہوگا، صرف فاسق نہ ہوگا، اس لیے ابن کثیر نے بہت بچانے کی کوشش کی ہے، پھر بھی بتا دیا کہ باغی ہونے اور امام وقت کی اطاعت سے سرکشی کرنے کی بنیاد پر قتل کرنا تو جائز ہو سکتا ہے مگر اس کے بعد حرام کاری، زنا اور لوٹ مار کو جائز بتا کر یزید نے شریعت کی تمام حدود کو پار کر دیا تھا، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ پر غور فرمائیے: ”لکنہ تجاوز الحد باباحة المدينة لثلاثة أيام“ لیکن وہ یزید مدینے کو تین دن کے لئے حلال کر کے حد سے تجاوز کر گیا۔^①

ہم یہاں گیاوی صاحب کے سامنے صحیح بخاری کی ایک روایت رکھتے ہیں:

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ ابْنُ أَبِي مَلِيكَةَ: وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ، فَعَدُوْتُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ: أَتُرِيدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ، فَتُحِلَّ حَرَمَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: مَعَاذَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَابْنِي أُمَّيَّةَ مُحَلِّينَ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَا أَجِلُّهُ أَبَدًا“^②

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۰۔

② صحیح البخاری، حدیث نمبر ۳۶۶۵۔

(سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی تحریک کے دوران کی بات ہے) ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ:

کیا آپ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جنگ کریں گے اور یوں اللہ کے حرم کو حلال قرار دیں گے؟ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی پناہ! بے شک اللہ نے ابن زبیر اور بنو امیہ کے لیے لکھ دیا ہے کہ وہ (اللہ کے حرم کو) حلال کریں، اللہ کی قسم میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔

اب میرا سوال ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صریح طور پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا نام لے کر انہیں بھی ”اللہ کے حرم“ کو حلال قرار دینے والا فرمایا ہے (یہاں صریح طور پر حلال کرنے یا حلال قرار دینے کے لفظ ہیں، ”اباحت“ کے لفظ نہیں)، تو اب اگر کوئی بد بخت اس روایت کو لے کر یوں حاشیہ آرائی کرے کہ: ”اگر کوئی تاویل نہ کی جائے تو تحلیل حرام کے جرم میں آدمی شرعاً کافر بھی ہوگا، صرف فاسق نہ ہوگا“ اور پھر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر طعن کرنے لگے تو کیا گیادوی صاحب اس کی اس دلیل سے اتفاق کریں گے؟ ہمارے نزدیک تو جیسے ”اباحت مدینہ“ کا یہ مطلب نکالنا کہ یزید نے زنا، غارت گری اور لوٹ مار کو حلال قرار دے دیا تھا، غلط ہے، اسی طرح ”اللہ کے حرم کو حلال کرنے“ کا تعلق بھی صرف حرم کے اندر لڑائی کرنے سے ہے اور بس۔

لیکن گیادوی صاحب اسی پر بس نہیں کرتے، بلکہ لکھتے ہیں:

”اس جگہ یاد رکھنا چاہئے کہ مدینہ میں یزید کے مخالفین صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ساتھ جو لوٹ مار چھائی گئی اور جوان عورتوں کے ساتھ

حرام کاری اور زنا کا بازار گرم ہوا، یہ سب صرف یزیدی فوج اور کمانڈر کے کرتوت ہرگز نہیں ہیں، بلکہ اس کے لیے یزید نے اپنی فوج اور کمانڈر کو اس کی اجازت ہی نہیں اس کے لیے تاکید حکم دے رکھا تھا، اور اس بات کی ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تنہا خبر نہیں دے رہے، بلکہ غیر واحد سے یہ بات ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی ہے اس لیے حکم یزید یا بہ اجازت یزید مدینہ کے یہ صحابہ و تابعین قتل کئے گئے ہیں، بات اگر یہیں تک ہوتی تو تاویل کر سکتے تھے کہ خلیفہ وقت اور واجب الاطاعت امام کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے والوں کے ساتھ قتل و قتال کرنے کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھنا اس جگہ ضروری ہے کہ قاتلین اور یزیدی فوج میں ایک شخص بھی صحابی نہیں اور مقابلہ میں قتل کیے جانے والے سب نہیں تو کم از کم خاصی تعداد صحابہ کرام کی ہے اور شرعی مسئلہ علم میں ہوگا ہی، اور اگر نہیں تو اب تازہ کر لینا چاہئے کہ غیر صحابی کا کسی بھی صحابہ کو قتل کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے، عالمان شریعت نے مسئلہ یہی بتایا ہے.....^①

اس پر عرض ہے کہ یہ سب گیاوی صاحب کے خیالی مفروضے اور اضغاث احلام ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اصول کی بنیاد پر بات کریں، یوں ہوا میں تیر نہ چلائیں، ان پر لازم ہے کہ وہ سنہ ۷۰ ہجری (ساتویں صدی میں) پیدا ہونے والے حافظ ابن کثیر کو جن غیر واحد لوگوں کے واسطے سے یہ بات پہنچی ہے کہ یزید نے خروج اور بغاوت کرنے والوں کے خلاف کاروائی کے لیے شریعت کے حکم کے مطابق (اس کا اقرار خود گیاوی صاحب نے کیا ہے) جو فوج بھیجی تھی اسے یہ حکم دیا تھا کہ:

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۴-۵۵.

”وہ مدینہ کی جوان عورتوں کے ساتھ حرام کاری و زنا کاری کریں اور خوب لوٹ مار چائیں“،

گیاوی صاحب ان ”غیر واحد“ واسطوں کو سامنے لائیں تاکہ ہم دیکھیں کہ سنہ ۶۳ ہجری سے لے کر حافظ ابن کثیر کی پیدائش تک ان باتوں کی سند کیا ہے۔ ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین۔

پھر ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ لکھ رہے ہیں کہ گیاوی صاحب نے یہاں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ پر بھی بہتان باندھا ہے، کیونکہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارت خود گیاوی صاحب نے با ترجمہ اس جگہ نقل کی ہے اس میں کہیں بھی ”مدینہ میں جوان عورتوں کے ساتھ حرام کاری و زنا کاری اور لوٹ مار چانے“ کے الفاظ نہیں، یہ اضافے گیاوی صاحب کے اندر کا وہ غصہ ہے جو نکل رہا ہے، یوں وہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جن کی کتاب پر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کیے گئے تبصرہ پر گیاوی صاحب اتنا غصہ فرما رہے ہیں، انہوں نے محمود احمد عباسی کی ایک بات پر یوں نقد کیا تھا:

”ظاہر ہے اصل ماخذ میں ”نحوھا“ کے ہوتے ہوئے اخذ کردہ اصل دعوے میں پانچ برس کے ساتھ لفظ ”صرف“ بڑھا دینا اصل پر اضافہ ہے جو اصل عبارت کی تحریف کو مستلزم ہے۔“^①

اور یہاں گیاوی صاحب نے حافظ ابن کثیر کی عبارت کے ترجمہ میں یہی حرکت

کی ہے۔

① شہید کربلا و یزید، صفحہ ۱۲۷ ادارہ اسلامیات، لاہور۔

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے جو ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں کہ گیاوی صاحب یہ بھی بتائیں کہ مسلمان امام وقت کے خلاف خروج کرنے والوں، اس کی بیعت کر کے پھر توڑنے والوں اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا جو احادیث نبویہ ہم نقل کر آئے ہیں ان میں ”صحابی“ اور ”غیر صحابی“ کی کوئی تفریق کی گئی ہے؟ کہ اگر ایسا اقدام کرنے والا کوئی صحابی ہو تو اسے کچھ نہیں کہنا، اور اگر غیر صحابی ہو تو اس کے ساتھ قتل و قتال کرنے کی اجازت ہے؟ بینوا تو جروا۔

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہ جو گیاوی صاحب نے مسئلہ بتایا ہے کہ ”غیر صحابی کا کسی بھی صحابی کو قتل کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے“، یہ مسئلہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ تاکہ وہاں یہ تفصیل بھی دیکھی جائے کہ یہ گناہ کبیرہ صرف اس صورت میں ہے جب کوئی ”غیر صحابی“ ایک ”صحابی“ کو قتل کرے، اور اگر کوئی ”صحابی“ دوسرے ”صحابی“ کو قتل کرے تو کیا یہ کام گناہ اور معصیت نہیں؟، یہ سوال اس لئے اہم ہے کہ سب جانتے ہیں کہ انہی کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ

”جنگِ جمل و صفین میں ہزاروں افراد قتل ہوئے جن میں بہت سے

صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے“۔ (چند حوالے آگے آرہے ہیں)

اور یہ اشکال خود گیاوی صاحب کو بھی پیش آیا جس کی تاویل کرنے کی انہوں نے یوں کوشش کی ہے کہ جنگِ جمل و صفین کے قاتلین میں کوئی ”غیر صحابی“ نہیں ہے، جو کہ صرف گیاوی صاحب کی دفع الوقتی ہے، کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ جنگِ جمل و صفین میں دونوں طرف سے لڑنے والے تمام کے تمام ”صحابہ“ تھے اور ان میں ایک بھی ”غیر صحابی“ نہیں تھا؟ اور پھر کیا وہ یقین و جزم کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان

جنگوں میں جو بھی صحابہ شہید ہوئے انہیں صرف دوسرے صحابہ نے ہی اپنے ہاتھ سے شہید کیا تھا؟ اور کسی غیر صحابی نے اس میں حصہ نہیں لیا تھا؟، بلکہ ہمارے سامنے معروف تابعی محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کا صحیح الاسناد اثر موجود ہے، امام ابو بکر الخلیل (متوفی ۳۱۱ ہجری) اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ:

فَرِيحٌ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَحْمَدَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: تَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: تَنَا
أَيُّوبُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: هَاجَبَتِ الْفِئْتَةُ وَأَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ
عَلَيْهِمُ السَّلَامُ عَشْرَةَ آلَافٍ، فَمَا حَضَرَ فِيهَا مِائَةٌ، بَلْ لَمْ يَبْلُغُوا ائْتَالِينَ ①

(خلاصہ) محمد بن سیرین نے کہا: جب فتنہ اٹھا (یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد) تو اس وقت دس ہزار کے قریب صحابہ کرام موجود تھے، لیکن اس فتنہ میں (یعنی اس کے نتیجے میں ہونے والی جنگوں میں کسی بھی فریق کے ساتھ) ان میں سے ایک سو بھی نہیں شامل ہوئے بلکہ ان کی تعداد تیس تک بھی نہیں پہنچتی۔

چلیں آپ جنگِ جمل و صفین میں دونوں طرف سے شامل ہونے والے صحابہ کی تعداد ایک سو بھی فرض کر لیں، تو گیا وی صاحب بتائیں کہ باقی ہزاروں لوگ کون تھے؟ غیر صحابی تھے یا نہیں؟، اگر غیر صحابی ہی تھے، تو پھر گیا وی صاحب نے جنگِ جمل و صفین کے بارے میں یہ دعویٰ کس بنیاد پر کر دیا کہ:

”یہاں قائلین میں کوئی غیر صحابی نہیں ہے“ ①۔

لہذا گیا وی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ کسی مستند اور قابل اعتماد سند سے یہ ثابت

① السنۃ لأبی بکر الخلیل، جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ دار الایض، الرياض، و اسنادہ صحیح۔

② گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۶۔

کرتے کہ ”یزید نے مدینہ میں زنا کاری، ناحق غارت گری، اور لوٹ مار کا حکم دیا تھا“، واقعہ حرہ کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے علماء نے کیا کہا؟ اس سے ہمیں غرض نہیں، وہ ان کی رائے ہوگی، آپ کو قابل وثوق واسطے سے یہ ثابت کرنا ہے کہ مدینہ میں زنا، اور لوٹ مار کی کاروائیاں ہوئی تھیں اور یزید کے حکم سے ہوئی تھیں۔ باقی باغیوں اور امام وقت کی اطاعت سے سرکشی کرنے والوں کے قتل کو تو بقول ابن کثیر گیاوی صاحب خود جائز قرار دے چکے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یزید کا حکم صرف سرکشی کرنے والوں کے خلاف کاروائی کا ہی تھا۔

پھر گیاوی صاحب کا ایک اور تضاد ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

”البتہ قاتلین حرہ میں کوئی بھی قاتل صحابی نہیں ہے (جیسے گیاوی صاحب وہاں موجود تھے اور جنگ میں شامل ایک ایک فوجی کو دیکھ رہے تھے ناقل) اس لئے پوری یزیدی فوج مع کمانڈر و یزید کے سب فاسق ہو چکے ہیں اور ان کو کوئی بھی ارتکاب فسق کے کبیرہ گناہ سے نہیں بچا سکتا“۔^①

غور فرمائیں! گیاوی صاحب فرما رہے ہیں کہ واقعہ حرہ میں خروج کرنے والوں اور بغاوت کرنے والوں کو قتل کر کے یزیدی کی پوری فوج مع یزید کے فاسق ہو چکی، اور ان کو اس الزام سے کوئی نہیں بچا سکتا، اب آگے پڑھئے اسی سے متصل لکھتے ہیں:

”زیادہ سے زیادہ وہی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں پناہ لینے پڑے گی کہ مقتول سارے کے سارے صحابہ خود باغی اور خلیفہ وقت سے بغاوت کرنے کے جرم میں مبتلا تھے، اس لیے ان کے قاتل فاسق نہ ہوئے، ٹھیک ہے یہ تاویل ان کو فسق سے بچانے کے لیے کفایت کر سکتی ہے، مگر جن کی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۶.

حرم میں لوٹی گئیں اور جن کے مال و اسباب لوٹے گئے ان کے بارے میں شرعاً کیا جواز ہے؟ وہ اور ان کے حمایتی اور اس عمل سے راضی رہنے والے یزید کے لئے فسق سے خلاصی کا کوئی راستہ پھر بھی نہیں نکل پاتا ہے۔^①

تو پہلے گیاوی صاحب نے لکھا کہ چونکہ یزیدی فوج کے ہاتھوں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم قتل ہوئے (بقول گیاوی صاحب) لہذا ان صحابہ کو قتل کر کے یزید اور اس کی ساری فوج ایسی فاسق ہو چکی کہ انہیں کوئی بھی اس فسق سے نہیں بچا سکتا، اور پھر اس کے متصل بعد انہی حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے قلم سے ان قاتلوں کو فاسق ہونے سے خود بچا بھی لیا، اور اقرار بھی کیا کہ: ”ٹھیک ہے یہ تاویل ان کو فسق سے بچانے کے لیے کفایت کر سکتی ہے“، یاد رہے یہ وہی حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی بات کو لے کر (بلکہ اپنے الفاظ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے کھاتے میں ڈال کر) گیاوی صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مدینہ میں جو ان عورتوں کے ساتھ حرام کاری اور زنا کا بازار گرم کرنے کا حکم یزید نے تاکید کے ساتھ دے رکھا تھا۔

اب گیاوی صاحب یا تو ”صحابی کو قتل کرنے والے“ کا حکم جنگ جمل و صفین والوں پر بھی لگائیں، یا اس اشکال کو دور کریں۔

گیاوی صاحب کا اقرار کہ یزید کا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینا یا اس

بات سے راضی ہونا ثابت نہیں

ایک اور بات یہاں گیاوی صاحب ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ یزید اور اس کی فوج کا فسق واقعہ حرم میں قتل و غارت اور حرام کاری و زنا کاری کی وجہ سے ثابت ہوا،
① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۶.

تو کیا گیا وی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ واقعہ حرہ سے پہلے یزید کے فسق کی ان کے پاس قابل اعتماد اور پختہ کوئی دلیل نہیں؟ جی یہی بتا رہے ہیں کیونکہ وہ یہیں بقلم خود صراحت کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ:

یہ تو سنہ ۶۳ ہجری کے بعد کا حکم ہوا، اور اس سے پہلے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کی شہادت سنہ ۶۱ ہجری کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے اس وقت یزید کی شراب نوشی کا اعلانیہ علم بھی نہ تھا (جبکہ ”خفیہ علم“ گیا وی صاحب کو تھا۔ ناقل) اور نہ ہی قتل کا حکم دینا یا راضی ہونا یزید سے ثابت ہے۔^①

میں الزام ان کو دیتا تھا، قصور اپنا نکل آیا

گیا وی صاحب کی ایک قلابازی:

گیا وی صاحب کا ایک لطیفہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں، آپ نے دیکھا کہ جہاں اپنی بات کو منوانا ہے وہاں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ

”اس بات کی ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تنہا خبر نہیں دے رہے بلکہ غیر واحد سے یہ بات ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی ہے۔“ (اگرچہ ان ”غیر واحد“ میں سے کسی ایک کی بھی سند گیا وی صاحب نے نہیں پیش کی)، لیکن جب انہی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی تو اس پر گیا وی صاحب کیا لکھتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں:

”جو ابابعرض ہے کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جملہ جو نقل فرمایا ہے، کیا اس واقعہ کے لیے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی

① گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۶.

ہے یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرمادیں۔^①

اس پر ہم اتنا ہی عرض کریں گے کہ:

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامہ عسیاہ میں تھی

جمل و صفین کی جنگوں کے مقتولین اور حرہ کے مقتولین کا عددی موازنہ:

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ جمل و صفین دونوں جنگوں میں مقتولین کی مجموعی تعداد ستر ہزار کے قریب بیان کی جاتی ہے، جس میں دس ہزار جنگ جمل میں اور ساٹھ ہزار جنگ صفین میں بتائے جاتے ہیں، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَكَانَ مَنجْمُوعٌ مِّنْ قِتْلِ يَوْمِ الْجَمَلِ مِنَ الْقَرِيقَيْنِ عَشْرَةَ آلَافٍ^②

جنگ جمل کے دن دونوں جانب سے قتل کیے جانے والوں کی تعداد دس ہزار تھی۔

وَقَدْ رَوَى النَّبِيهِيُّ مِنْ طَرِيقِ يَغْفُوبِ بْنِ سَفِيَّانَ، عَنْ أَبِي الْيَمَانِ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كَانَ أَهْلُ الشَّامِ سِتِّينَ أَلْفًا قَتِلَ مِنْهُمْ عَشْرُونَ أَلْفًا، وَكَانَ أَهْلُ الْعِرَاقِ مِائَةً وَعِشْرِينَ أَلْفًا قَتِلَ مِنْهُمْ أَرْبَعُونَ أَلْفًا^③

صفوان بن عمرو کہتے ہیں کہ: (صفین کی جنگ میں) شامی لشکر کی کل تعداد ساٹھ ہزار تھی جس میں سے بیس ہزار قتل ہوئے، اور عراقی لشکر کی کل تعداد

① گیاروی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۷

② البداية والنهاية، جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۹ دار ہجر.

③ ایضاً صفحہ ۵۵۰.

ایک لاکھ بیس ہزار تھی، جس میں سے چالیس ہزار قتل ہو گئے۔

اور گیادوی صاحب نے علامہ عینی (جن کی ولادت ۷۶۲ ہجری میں ہوئی) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

واقعہ حرہ میں: مہاجرین و انصار میں سے سات سو سربر آوردہ لوگ قتل کر دیے گئے۔^①

جبکہ تاریخ الاسلام للذہبی کے حوالہ سے خلیفہ بن خیاط سے یہ بات نقل کی ہے کہ:

”صرف مردوں میں انصار و قریش کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تین سو چھ افراد شہید کر دیئے گئے۔“^②

ہمارا گیادوی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو تا قیامت چیلنج ہے کہ وہ تین سو چھ نہیں بلکہ حرہ میں شہید ہونے والوں میں سے صرف پانچ انصاری صحابہ اور پانچ مہاجر صحابہ کے نام ہی بسند معتبر ثابت کر دیں۔ آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷ تا ۱۵۰ پر جو ۵۱ لوگوں کی فہرست لکھی ہے، اور دھوکہ دینے کے لیے یہ لکھا ہے کہ ”اب ان اصحاب کے نام درج کیے جاتے ہیں جو یزید بن معاویہ کی مخالفت میں شہید ہوئے“ آپ کے اس فریب پر ہم آگے بات کریں گے۔

بہر حال اگر علامہ عینی کی بیان کردہ مقتولین کی تعداد کو درست تسلیم کر لیا جائے (اگرچہ یہ مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں)، اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ یہ سات سو صرف وہ تھے جنہوں نے یزید کے خلاف خروج کیا، تو یقیناً یزید کی فوج کے کئی لوگ بھی تو قتل ہوئے ہوں گے کہ یہ دونوں جوں کے درمیان جنگ تھی، تو ہم ان کی تعداد بھی سات

① ایضاً صفحہ ۱۵۰۔

② گیادوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۱۔

سو فرض کر لیتے ہیں، یوں حرہ کے مقتولین کی کل تعداد ۱۴۰۰ ہو جائے گی (دونوں طرف کے مقتولین)، تو پھر بھی اس تعداد کو ستر ہزار سے کیا نسبت جو حمل و صفین میں قتل ہوئے؟ یہ عدد حمل و صفین کے مقتولین کا صرف دو فیصد بتا ہے، اور یاد رہے ان ستر ہزار میں خاص صحابہ کرام کی تعداد یقیناً نسبت حرہ کے مقتولین کے بہت زیادہ رہی ہوگی، اور وہ حرہ میں خروج کرنے والوں سے کئی گنا افضل و بہتر بھی تھے۔ تو گویا وی صاحب کو حمل و صفین میں صحابہ کرام کے قتل کے مرتکب ہونے والوں کے بارے میں بھی صراحت کے ساتھ اپنا فتویٰ دینا ہوگا۔ بیسوا تو جروا۔

پھر یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ حمل و صفین کی جنگیں سیدنا علیؑ نے اپنی بیعت نہ کرنے والوں سے بیعت لینے کے لیے لڑی تھیں کیونکہ وہ اسے اپنا شرعی حق سمجھتے تھے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہاں ایک بہت بڑی تعداد ایسے جلیل القدر صحابہ کی بھی تھی جو غیر جانبدار رہے تھے اور جنہوں نے سیدنا علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی، جنگوں میں شرکت کرنے والے تو ان کے علاوہ تھے، جبکہ جس وقت واقعہ حرہ ہوا اس وقت یزید کی سرے سے بیعت نہ کرنے والوں میں سیدنا عبداللہ بن زبیرؑ کے سوا کوئی نام نہیں ملتا، اور گویا وی صاحب کی غیر ثابت شدہ روایات کو بھی لے لیا جائے تو یہ نام دو تین سے زیادہ نہیں ثابت ہوتے، نیز گویا وی صاحب خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں ان لوگوں کے خلاف اقدام کیا گیا تھا جنہوں نے بیعت کر کے بعد میں توڑ دی تھی۔

واضح رہے یہاں یہ جذباتی اعتراض نہ اٹھایا جائے کہ یزید کا سیدنا علیؑ سے موازنہ درست نہیں، کہاں سیدنا علیؑ اور کہاں یزید؟ کیونکہ ہم صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر سیدنا علیؑ کا ان کی بیعت نہ کرنے والے حضرات صحابہؓ کے خلاف حمل و صفین والا اقدام صحیح اور درست تھا، تو شریعت کی رو سے

یزید کا ان لوگوں کے خلاف اقدام کیوں غلط شمار ہوگا جنہوں نے اس کی بیعت کر کے پھر توڑ دی اور نہ صرف توڑی، بلکہ اس کے مقابلے میں کسی اور کی بیعت بھی کی اور پھر اس کے خلاف خروج بھی کیا اور اس کے عامل کو مدینہ سے نکال دیا؟، جبکہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم ان لوگوں کو احادیث نبویہ سنا کر اس اقدام سے باز رہنے کی نصیحت بھی کرتے ہیں کہ تمہارا یہ اقدام نبوی تعلیمات کے بھی خلاف ہے، لہذا اصولی طور پر یہ سوال بہر حال اٹھتا ہے کہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ اقدامات غلط نہیں تھے تو جذبات کو ایک طرف رکھ کر بتلایا جائے کہ ایک صحیح کام جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ انجام دیں کیا دوسرے لوگ بھی وہی صحیح کام کر سکتے ہیں یا نہیں؟

نیز خود گیاوی صاحب بھی مبہم انداز میں یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ان خروج کرنے والوں کے خلاف لشکر کشی کا اقدام شریعت کی رُو سے غلط نہ تھا، انہیں اعتراض صرف اس بات پر ہے کہ یزیدی فوج نے حد سے تجاوز کر کے مدینہ میں لوٹ مار مچائی اور حرام کاری و زنا کا بازار گرم کیا (جس پر ہم بات کر آئے ہے) اسی لیے وہ یہ لکھتے ہیں کہ:

”بات اگر یہیں تک ہوتی تو تاویل کر سکتے تھے کہ خلیفہ وقت اور واجب

الاطاعت امام کے خلاف خروج اور بغاوت کرنے والوں کے ساتھ قتل

و قتل کرنے کی شریعت نے اجازت دے رکھی ہے۔“^①

مدینہ میں لوٹ مار مچانے اور عزتیں لُوٹے جانے کا افسانہ:

بیان کیا جاتا ہے کہ واقعہ حرہ میں جب مدینہ منورہ میں حکومت کے خلاف خروج

کرنے والوں کو شکست ہوگئی تو حکومتی فوج کے کمانڈر مسلم بن عقبہ نے یزید کے حکم کی بنا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۴-۵۵.

پر اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ تین دن تک مدینہ میں خوب لوٹ مار کریں، قتل و غارت گری چھائیں اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا کہ (العیاذ باللہ) مدینہ کی ایک ہزار کنواری عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں اور اس کے نتیجہ میں ہزار نازائے بچے بھی پیدا ہوئے، اور گیواوی صاحب نے تو اس پر یہ ”تڑکا“ بھی لگایا کہ:

”ظاہر ہے ان بدکاریوں کا شکار ہونے والی عورتوں میں خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی، زنا کاری کا شکار ہونے والی ان ہزار عورتوں کے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہوں گی“۔^①

اس پر عرض ہے کہ بنیادی تاریخی مصادر میں ”تاریخ طبری“ وہ پہلا مکمل تاریخی ذخیرہ ہے جس میں اس دور کے واقعات کی تفصیل مذکور ہے، اور عام طور پر سندوں کے ساتھ مذکور ہے، اور تاریخ طبری میں ہمیں واقعہ حرہ سے متعلق ایک طویل روایت ملتی ہے جس میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ جب یزید نے ”مسلم بن عقبہ“ کو مدینہ میں خروج کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا تو اسے حکم دیا کہ:

”ادع القوم ثلاثاً، فإن هم أجابوك وإلا فقاتلهم، فإذا أظهرت عليهم فأبھعھا ثلاثاً، فما فیھما من مال أو رقة أو سلاح أو طعام فهو للجنء، فإذا مضت الثلاث فاكفف عن الناس“۔^②

”لوگوں کو تین دن کی مہلت دینا، پس اگر وہ تمہاری بات قبول کر لیں تو ٹھیک، ورنہ ان کے ساتھ جنگ کرنا، اور جب تم ان پر غلبہ پا لو تو پھر مدینہ کو تین دن کے لیے مباح قرار دینا، اور وہاں جو کچھ مال و زر، اسلحہ اور

① گیواوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۳۹۔

② تاریخ الطبری، جلد ۵ صفحہ ۳۸۳ دار التراث، بیروت۔

خوراک کا ذخیرہ ملے وہ فوج کے لیے ہوگا (یعنی لوٹ مار کرنا) پس جب تین دن گزر جائیں تو اس کے بعد لوگوں سے تعرض نہ کرنا۔“
لیکن اس روایت کی سند جو طبری نے ذکر کی ہے وہ یوں ہے:

”ذکر هشام بن محمّد، عن أبي مخنف، عن عبد الملك بن نوفل بن مساحق، عن حبيب بن كرة.....“^①

”یعنی یہ بات ”ہشام بن محمد کلبی“ نے ”ابو مخنف“ سے نقل کی ہے، اور ابو مخنف کا حال تو ہم پہلے بیان کر چکے، یہاں یہ جو ایک اور صاحب ”ہشام بن محمد کلبی“ ہیں، ان کا مختصر حال بھی یہ ہے کہ یہ ”رافضی“، ”متروک“ اور ”ناقابل اعتماد“ ہیں۔“

لہذا تاریخ طبری کی جس روایت میں یہ ذکر ہے کہ ”یزید نے اپنی فوج کو مدینہ میں لوٹ مار چانے کا حکم دیا تھا“۔ اس روایت کا دار و مدار ”ابو مخنف“ اور ”ہشام بن محمد کلبی“ پر ہے۔

نیز اس میں اس بات کا اشارہ بھی نہیں کہ یزید نے مدینہ میں حرام کاری کرنے اور وہاں کی مستورات کی عزتیں لوٹنے کا حکم بھی دیا تھا یا ایسا ہوا تھا۔

رہی بات ابن اثیر (ولادت: ۵۵۵ ہجری ۶۳۰ قات ہجری) کی ”الکامل فی التاریخ“ کی، تو اس کتاب کا سب سے بڑا ماخذ وہی تاریخ طبری ہے، اس بات کا ذکر خود ابن اثیر نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے۔^②، لہذا اگر انہوں نے اپنی

① دیکھیں: میزان الاعتدال، جلد ۴ صفحہ ۳۰۴ دار المعرفۃ بیروت / لسان المیزان بتحقیق شیخ ابی غدۃ، جلد ۸ صفحہ ۳۳۸ دار البشائر الاسلامیۃ.

② دیکھیں: الکامل فی التاریخ لابن اثیر، جلد ۱ صفحہ ۶ طبع دار الکتاب العربی بیروت.

کتاب میں بلا سند اس طرح کی بات لکھی ہے تو وہ طبری کی ابو مخنف والی روایات کی بنیاد پر لکھی ہے، ورنہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ واقعہ حرہ کے تقریباً ۵۰ سال بعد پیدا ہونے ابن الاثیر نے اس بات کی سند کیا ذکر کی ہے؟۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۴۷ ہجری) کا جو قول گیا وی صاحب نے پیش کیا ہے (صفحہ ۵۳ پر) تو اس کی بھی کوئی سند ابن کثیر نے نہیں پیش کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بھی اس بارے میں بنیادی ماخذ تاریخ طبری کی ہی ابو مخنف والی روایت ہی ہوگی۔

الغرض! ہم گیا وی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ آپ نے جو دعویٰ کیا ہے کہ ”یزید کے حکم سے مدینہ میں لوٹ مار کی گئی، بے گناہ لوگوں کا قتل عام کیا گیا اور عصمتیں لوٹی گئیں“، اس پر کوئی قابل اعتماد سند لائیں، آپ نے جو بیہقی کی ”دلائل النبوة“ کے حوالے سے ”مغیرہ بن مقسم الضبی“ کی روایت پیش کی تھی اس کا منقطع السند ہونا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، ایسے الزامات کے اثبات کے لیے کچی اور مستند دلیل درکار ہوا کرتی ہے۔

مسجد نبوی میں اذان و اقامت بند ہونے کا افسانہ:

گیا وی صاحب نے ”سنن دارمی“ کی ایک روایت ”مشکوٰۃ المصابیح“ کے حوالے سے نقل کی ہے جو کہ مع مکمل سند یہ ہے:

أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ أَيَّامَ الْحَزْرَةِ لَمْ يُؤَدَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا، وَلَمْ يَقُمْ، وَلَمْ يَنْزُحْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتُ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهِمْ هَمَّةٌ يَسْمَعُهَا مِنْ

قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ" ①۔

(ترجمہ از گیادی صاحب) سعید ابن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب حرہ کے دن آئے، تین دن مسجد نبوی میں نہ اذان دی گئی اور نہ اقامت کہی گئی اور سعید بن مسیب نے مسجد نبوی نہیں چھوڑی اور وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایسی دھیمی آواز سے جو قبر نبوی علی صاحبہ الصلاة والسلام سے سنتے تھے۔ ②۔

تو اس پر مختصر طور پر عرض ہے کہ یہ بات بیان کرنے والے "سعید بن عبدالعزیز بن ابی یحییٰ التنوخی" ہیں،

جن کی پیدائش ہی واقعہ حرہ کے تقریباً ۲۷ سال بعد سنہ ۹۰ ہجری میں ہوئی ہے، اور ان کی وفات سنہ ۱۶۷ یا ۱۶۸ ہجری میں ہوئی۔

چنانچہ امام ذہبی ان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

”وُلِدَ: سَنَةَ ثَمَنِينَ، فِي حَيَاةِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ - ﷺ“ ③۔

ان کی پیدائش سنہ ۹۰ ہجری میں سیدنا سہل بن سعد اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی زندگی میں ہوئی تھی۔

لہذا "سعید بن عبدالعزیز" نے تو واقعہ حرہ پایا ہی نہیں، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات "سعید بن المسیب" سے ہی سنی ہو، کیونکہ سعید بن المسیب کا سن وفات ابو نعیم اور علی بن المدینی کے حوالہ سے سنہ ۹۳ ہجری بتایا جاتا ہے،

① سنن دارمی، جلد ۱ صفحہ ۲۲۷ دار المعنی للنشر والتوزیع، السعودیہ۔

② گیادی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳۲۔

③ سیر اعلام النبلاء، جلد ۸ صفحہ ۳۲ مؤسسة الرسالة بیروت / نیز دیکھیں: تہذیب التہذیب، جلد ۳ صفحہ ۵۹ طبع دائرة المعارف، الہند۔

اور اسی قول کو امام ذہبی نے ”زیادہ صحیح“ بتایا ہے۔^① یوں سعید بن المسیب کی وفات کے وقت ”سعید بن عبد العزیز“ کی عمر تین سال کے قریب ہی رہی ہوگی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بات انہوں نے سعید بن مسیب سے بھی نہیں سنی۔ یوں اس روایت کی سند بھی منقطع ہے۔

پھر گیاوی صاحب نے ”زبیر بن بکار“ کی اپنے چچا ”مصعب بن عبد اللہ الزبیری“ سے ایک روایت نقل کی ہے۔^②

جس کے جواب کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مصعب بن عبد اللہ الزبیری کی ولادت تو واقعہ حرہ کے تقریباً ۹۳ سال بعد ہوئی تھی (جیسا کہ پہلے بیان ہوا، ان کی وفات ۲۳۶ ہجری میں بمر ۸۰ سال ہوئی)، لہذا یہ روایت بھی قابل قبول نہیں۔

گیاوی صاحب کا ایک زبردست مغالطہ:

گیاوی صاحب واقعہ حرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا مشہور و متواتر واقعہ ہے، جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، اس کا شکار وہ صحابہ و تابعین ہوئے جنہوں نے یزید کی بیعت توڑی اور اس کے خلاف خروج کیا کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ یزید فاسق ہو چکا ہے شراب پیتا ہے تو جب واقعہ مشہور و متواتر ہے تو صحابہ و تابعین کا بغاوت کرنا اور یزید کا شراب پینا یہ بھی مشہور و متواتر ہی ہوا، کیونکہ اس کے بغیر صحابہ و تابعین کا بغاوت کرنا اور قتل و قتال کا واقع ہونا درست ثابت ہو ہی نہیں سکتا۔“^③

① سیر اعلام النبلاء، جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ مؤسسة الرسالة بیروت.

②③ دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۳۳.

تو اس پر گزارش ہے کہ، اس واقعہ سے کسی کو انکار نہیں (جیسا کہ گیاوی صاحب نے لکھا ہے) کہ مدینہ کے کچھ لوگوں نے بیعت توڑی اور بغاوت کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجے میں حکومت وقت نے ان کے خلاف کارروائی کی، اور خروج کرنے والوں کے خلاف اس کارروائی کو گیاوی صاحب بھی ”دبے لفظوں میں ہی سہی“، لیکن شرعاً جائز ہی تسلیم کرتے ہیں، انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ سنہ ۶۳ ہجری میں اٹھنے والی اس بغاوت سے حکومت کی متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا۔^①

لیکن ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ ایک تو گیاوی صاحب کی یہ بات درست نہیں کہ ان تمام صحابہ و تابعین کا یہ کہنا تھا کہ: ”یزید فاسق ہو چکا ہے اور شراب پیتا ہے“، ایسی بات ایک دو لوگوں سے ہی منقول ہے (جیسے عبداللہ بن مطیع، وہ بھی بشرط صحت سند)، لیکن ان کا یہ اقرار بھی ساتھ ہی منقول ہے کہ ”ہم نے یزید کو ایسا کرتے خود نہیں دیکھا“، یوں یزید پر لگائے گئے ان الزامات کو وہ حضرات اسلامی ضابطہ شہادت کے تحت ثابت کرنے سے قاصر رہے تھے، اور جو گواہیاں گیاوی صاحب نے بزم خود پیش کی ہیں ان کا تفصیلی جائزہ ہم لے چکے ہیں، لہذا یزید کا شرابی ہونا شرعاً سرے سے ثابت ہی نہیں ہوا، تو اس پر تو اتر کا کیا معنی؟، اسی بات کو محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ:

”ہر افواہ جو پھیل جائے اس کو خبر متواتر کہنا تو اتر کی سخت توہین ہے، تو اتر کے لیے جہاں اور شرطیں ہیں اس کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اگر خبر کا تعلق دیکھنے کی چیز سے ہو تو ضروری ہے کہ اس کا مستند انتہا مشاہدہ ہو، ورنہ وہ متواتر نہیں ہو سکتی۔ پس یزید کی بد اعمالیوں کو متواتر کہنے سے پہلے

① دیکھیں: گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۲۸-۱۲۹.

یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان خبروں کا سلسلہ اوپر جا کر جہاں ختم ہوتا ہے، وہاں بکثرت ایسے لوگوں کے بیانات پائے جاتے ہیں یا نہیں جو یہ کہتے ہوں کہ ہم نے ان بد اعمالیوں کا ارتکاب کرتے ہوئے یزید کو دیکھا ہے، اگر خبروں کا سلسلہ ایسے بیانات پر ختم ہوتا ہے تو ان کو متواتر کہنا بے شک صحیح ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ان کی آخری کڑی محض افواہ اور سنی سنائی باتیں ثابت ہوتی ہیں، تو ان کو متواتر کہنا بالکل غلط اور صریح مغالطہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آنکھ سے دیکھ کر کہنے والا ایک شخص بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ جم غفیر، اور دعویٰ کر دیا جاتا ہے تو اتر کا، حالانکہ اس صورت میں تو اتر تو درکنار، شرعی اصول سے بد اعمالیوں کا مطلقاً ثبوت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں یزید پر شرعی اصول سے فاسق ہونے کا حکم کیسے لگے گا؟“^①

تو گویا وی صاحب کو یہ مغالطہ دینے سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے تھا کہ یزید کے خلاف خروج کرنے والوں اور بغاوت کا ارتکاب کرنے والوں نے اگر کوئی الزام لگایا تھا تو اس کا ثبوت کیا پیش کیا تھا؟ اس کے بعد ہم دیکھتے کہ اگر تو وہ ثبوت شرعی ضابطہ شہادت کے مطابق تھا تو ٹھیک، وہاں تو صرف صحیح روایات ہی کافی تھیں، تو اتر کی بھی ضرورت نہ ہوتی، ورنہ صرف الزام لگانے کا ذکر ہونے سے یزید کا ان اعمال کا مرتکب ہونا متواتر نہیں ثابت ہو سکتا، صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس پر الزامات لگائے گئے اور بس، اگر کسی پر الزام لگانا ہی شرعاً وہ جرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جس کا الزام لگایا گیا ہے تو پھر جیسا کہ ہم پہلے متعدد بار نقل کر آئے ہیں کہ صحابی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زنا کی شہادت دی تھی جو رو کر دی گئی تھی اور خلیفہ راشد

① محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: صفحہ ۵۰-۵۱.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگوائی تھی، تو کیا گیا وی صاحب کی منطق سے یہ لازم نہیں آتا کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو زنا کا مرتکب ضرور تسلیم کیا جائے کیونکہ دوسری صورت میں ایک صحابی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تکذیب لازم آئے گی؟ بینوا تو جوہر والے۔
الغرض ہمیں گیا وی صاحب جیسے عالم سے ایسے مغالطے اور سطحی استدلال کی توقع نہیں تھی۔

نیز ملاحظہ فرمائیں! یہاں گیا وی صاحب یزید کا فسق اور شراب نوشی وغیرہ واقعہ حرہ یعنی سنہ ۶۳ ہجری سے ثابت کر رہے ہیں، جبکہ پہلے وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش میں رہے کہ یزید تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی فسق و شراب نوشی کا مرتکب تھا، اور قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو دعویٰ ہی یہ کیا تھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف نکلنا اس وقت ہوا تھا۔

”جب یزید کا فسق و فجور اس کے دور کے سب لوگوں پر نمایاں ہو گیا تھا“۔^①

یعنی قاری صاحب کے نزدیک یزید کا فسق و فجور سنہ ۶۰ ہجری کے آخر میں ہی تمام لوگوں پر نمایاں ہو چکا تھا، تو کیا گیا وی صاحب، مہتمم صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے؟ اگر کرتے ہیں تو پھر گیا وی صاحب کو یزید کے فسق و فجور کا ”تواتر“ واقعہ حرہ سے نہیں بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے فوراً بعد سے بتانا چاہیے تھا، اور اگر انہیں مہتمم صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں تو الگ بات ہے۔

کیا واقعہ حرہ میں اس وقت موجود تمام ”حدیثی صحابی“ شہید ہو گئے؟:

گیا وی صاحب نے واقعہ حرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

① دیکھیں: شہید کربلا و یزید، صفحہ ۸۵-۸۶ ادارہ اسلامیات لاہور۔

”اسی واقعہ میں تمام بچے کچھ بیعت رضوان والے صحابہ ختم ہو چکے تھے، یہ بات تو بخاری میں ہی موجود ہے، دیکھئے:

"لَمْ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْغَالِيَةُ، - يَغْنِي الْحِزَّةَ - فَلَمْ تَبْقَ مِنْ أَصْحَابِ الْخِدَائِيَّةِ
أَحَدًا" ①

”پھر دوسرا فتنہ واقع ہوا، یعنی واقعہ حرہ ہوا تو اس نے حدیبیہ والے کسی صحابی کو باقی نہ چھوڑا۔“ ②

اس سے گویا وی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں سرکاری فوج نے ان تمام صحابہ کرام کو قتل کر دیا جو حدیبیہ (بیعت رضوان) میں شریک تھے اور واقعہ حرہ کے وقت زندہ تھے۔

تو اس پر پہلی گزارش تو یہ ہے کہ عام طور پر واقعہ حرہ کے مقتولین کا ذکر کرتے ہوئے یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگ بھی اس واقعہ میں قتل ہوئے وہ سب کے سب سرکاری فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے اور وہ سب کے سب خروج کرنے والوں کے ساتھ تھے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ حرہ میں باقاعدہ جنگ ہوئی تھی، اور جنگ میں دونوں طرف کے لوگ مارے جاتے ہیں، اب صرف یہ بیان کرنے سے کہ واقعہ حرہ میں کل اتنے لوگ قتل ہوئے، یہ کیسے لازم آ گیا کہ یہ سب سرکاری فوج کے مخالف اور اس کے خلاف خروج کرنے والے تھے اور انہیں سرکاری فوج نے ہی قتل کیا تھا؟ کیا خروج اور بغاوت کرنے والوں کے ہاتھوں کوئی بھی قتل نہ ہونے کی کوئی دلیل موجود ہے؟۔ جب کہ دوسری طرف اس بات کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ مدینہ منورہ میں اس وقت ایسے

① صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۴۳.

② گویا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۱.

بہت سے لوگ تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی اور نہ ہی اس کے خلاف خروج کیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ گیاوی صاحب نے صحیح بخاری کی روایت کا صرف ایک ٹکڑا نقل کیا ہے، جبکہ اس سے پہلے بھی اسی روایت میں ایک بات مذکور ہے جسے شاید گیاوی صاحب نے اس لیے نقل نہیں کیا تاکہ کوئی اس روایت میں بیان کردہ بات کا صحیح مفہوم نہ سمجھ جائے، تو آئیے دیکھتے ہیں اس روایت میں کیا ہے، ان الفاظ پر غور کریں:

وَقَالَ اللَّيْثُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَقَعَتِ الْفِئْتَةُ الْأُولَى يَغْنَى مَقْتَلِ عُفْمَانَ فَلَمْ تَبْقَ مِنْ أَصْحَابِ بَدْرٍ أَحَدًا، ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِئْتَةُ الثَّانِيَةُ يَغْنَى الْحَزْرَةَ فَلَمْ تَبْقَ مِنْ أَصْحَابِ الْخُدَيْبِيَّةِ أَحَدًا... ①

”سعید بن مسیب نے بیان کیا کہ جب پہلا فتنہ واقع ہوا یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہوا تو اس نے اصحاب بدر میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا، پھر جب دوسرا فتنہ یعنی حرہ کا واقعہ ہوا تو اس نے اصحاب حدیبیہ میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا.....“

اب غور فرمائیں! اس روایت کے ایک ٹکڑے کو لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یزید نے واقعہ حرہ میں تمام اصحاب حدیبیہ کو شہید کر ڈالا تھا، جبکہ یہاں شہید کرنے والوں کا کوئی ذکر نہیں، اب اگر کوئی اسی طریق استدلال پر قدم جماتے ہوئے اسی روایت کے پہلے حصے کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ:

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ جب ہوا تو ان کے ساتھ اس وقت موجود تمام اصحاب بدر بھی شہید کر دیئے گئے“

① صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۰۲۳.

تو کیا یہ استدلال درست ہوگا؟ ہمارے نزدیک تو یہ بات درست نہیں، لیکن جو لوگ اس روایت کے دوسرے ٹکڑے کی بنیاد پر یزید کو واقعہ حرہ میں تمام اصحاب حدیبیہ کا قاتل ثابت کر رہے ہیں ان کے لیے یہاں جواب دینا مشکل ہوگا۔

اب آئیے تحقیقی جواب کی طرف، دراصل اس روایت کا یہ مفہوم ہے ہی نہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام کے تمام اصحاب بدر اور واقعہ حرہ میں تمام کے تمام اصحاب حدیبیہ شہید ہو گئے تھے، کیونکہ ناقابل تردید سے ثابت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک لمبے عرصہ تک بہت سارے بدری صحابہ زندہ تھے، اسی لیے بعض نے اس بیان کے ظاہری مفہوم کے غلط ہونے کی وجہ سے اس بیان کو ہی غلط قرار دے دیا اور بعض نے اس پہلے فتنہ سے مراد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ لیا۔^①

نوٹ: جس نے ”پہلے فتنہ“ سے مراد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ لیا ہے، اس کی بات درست نہیں، کیونکہ یہی روایت تاریخ ابن ابی خیشمہ میں بھی موجود ہے اور وہاں صاف طور پر پہلے فتنہ کے ساتھ ”وقعة الدار“ کے لفظ ہیں، اور ”وقعة الدار“ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو کہا جاتا ہے، نیز سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کے وقت بدری صحابہ میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔^②

لہذا اس روایت کا مفہوم یہ نہیں کہ پہلے فتنہ یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام کے تمام بدری صحابہ شہید ہو گئے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پہلے فتنہ کے وقت جو بدری صحابہ موجود تھے ان میں سے کئی بدری صحابہ (نہ کہ سب) اس فتنہ کے بعد

① دیکھیں: فتح الباری، جلد ۷ صفحہ ۳۲۵ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

② دیکھیں: حوالہ بالا۔

پیش آنے والے فسادات اور جنگوں میں شہید ہو گئے، یا بقول حافظ ابن حجر اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت جو بدری صحابہ موجود تھے، وہ دوسرے فتنہ یعنی واقعہ حرہ سے پہلے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور بقول حافظ ابن حجر، آخری بدری صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات واقعہ حرہ سے چند سال پہلے ہی ہوئی تھی۔^①

اسی طرح اس روایت کے دوسرے حصہ کا یہ معنی نہیں لیا جاسکتا کہ واقعہ حرہ کے وقت موجود تمام حدیسی صحابہ اسی واقعہ میں قتل ہو گئے تھے، کیونکہ واقعہ حرہ کے بعد بھی کئی حدیسی صحابہ کے زندہ رہنے کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً:

واقعہ حرہ کے بعد بھی زندہ رہنے والے چند حدیسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

یہ اصحاب حدیبیہ میں سے ہیں، حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ حدیبیہ، غزوہ خیبر، عمرۃ القضاء، فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شریک تھے:

"وَشَهِدَ الْحُدَيْبِيَّةَ وَخَيْبَرَ، وَعُمْرَةَ الْقَضَاءِ، وَالْفَتْحَ، وَحُنَيْنًا، وَالطَّائِفَ،

وَمَا بَعْدَ ذَلِكَ"۔^②

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی وفات مشہور قول کے مطابق سنہ ۹۳ ہجری میں ہوئی تھی

① دیکھیں: فتح الباری، جلد ۷ صفحہ ۳۲۵ طبع دار المعرفۃ بیروت۔

② البداية والنهاية، جلد ۸ صفحہ ۳۰۱ طبع دار ہجر۔

(یعنی واقعہ حرہ کے تقریباً ۳۰ سال بعد)۔^①

سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ:

آپ بھی حدیث صحابی ہیں، خود ان سے صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ:
 حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سَفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا يَوْمَ
 الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَع مِائَةً۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو تھی۔^②

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۷۳ یا ۷۷ یا ۷۸ ہجری میں (علی اختلاف
 الاقوال) ہوئی۔^③

نوٹ: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا صحیح سند کے ساتھ
 غزوہ بدر میں شریک ہونا بھی ثابت ہے۔^④

سیدنا سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ:

آپ بھی حدیث صحابی ہیں، ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ ان سے روایت نقل
 کی ہے کہ آپ نے خود فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی
 ہے، اور ان میں آپ نے "حدیبیہ" کا بھی ذکر کیا:

أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلْمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ:

① البداية والنهاية، جلد ۸ صفحہ ۳۰۱ طبع دار ہجر۔

② صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۸۳۰۔

③ الاستيعاب، جلد ۱ صفحہ ۲۱۹ طبع دار الجیل بیروت / الاصابة، جلد ۱ صفحہ ۵۳۵ طبع دار الکتب العلمیة

بیروت۔

④ الاصابة، جلد ۱ صفحہ ۵۳۵۔

عَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَبْعَ عَزَوَاتٍ۔ فَذَكَرَ الْحَدِيثِيَّةَ وَحَبِيزَ وَحَنِينًا
وَيَوْمَ الْقَرْدِ قَالًا وَنَسِيتُ بَقِيَّتَهُنَّ۔^①

سیدنا سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی وفات بقول حافظ ابن حجر، صحیح قول کے مطابق
سنہ ۷۴ ہجری میں ہوئی۔^①

نیز امام بخاری نے انہی سیدنا سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرمائی
ہے جس میں انہوں نے اپنے حجاج بن یوسف کے پاس جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔^②
اس کی تشریح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

كَانَ ذَلِكَ لَمَّا وَلِيَ الْحَجَّاجُ امْرَأَةَ الْحِجَازِ بَعْدَ قَتْلِ بْنِ الزُّبَيْرِ فَسَارَ مِنْ مَكَّةَ
إِلَى الْمَدِينَةِ وَذَلِكَ فِي سَنَةِ أَرْبَعٍ وَسَبْعِينَ۔^③

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حجاج
(بن یوسف) حجاز کا والی بنا تھا اور پھر مکہ سے مدینہ کی طرف گیا ہے، یہ سنہ
۷۴ ہجری کی بات ہے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ:

یہ غزوہ بدر میں چھوٹے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں جنگ میں
شرکت کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی تھی، لیکن اس کے بعد چودہ یا پندرہ غزوات میں
آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت فرمائی، جن میں حدیبیہ کا سفر بھی تھا۔ ان کی

① الطبقات الكبرى لابن سعد، جلد ۳ صفحہ ۲۲۸ دار الکتب العلمیہ بیروت / ایضاً الاستیعاب، جلد ۲
صفحہ ۲۳۹ دار الجیل بیروت.

② الاصابۃ، جلد ۳ صفحہ ۱۲۷ دار الکتب العلمیہ بیروت.

③ صحیح بخاری: حدیث نمبر: ۷۰۸۷.

④ فتح الباری، جلد ۱۳ صفحہ ۴۱ دار المعرفۃ بیروت.

وفات تقریباً ۷۲ ہجری میں ہوئی۔^①

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

یہ بھی اہل حدیبیہ میں سے ہیں، آپ نے یزید کی نہ صرف بیعت کی تھی بلکہ واقعہ حرہ کے وقت بیعت توڑنے والوں کو ایسا کرنے سے روکا تھا، آپ کی وفات سنہ ۷۲ یا ۷۳ ہجری میں ہوئی۔^②

سیدنا ابوسعید خدری (سعد بن مالک بن سنان) رضی اللہ عنہ:

واقعہ حرہ کے دوران ان کا ایک قصہ بیان ہوا جس میں ہے کہ یہ ایک غار میں تھے جب ایک شامی فوجی وہاں داخل ہوا اور اسے جب علم ہوا کہ یہ ابوسعید خدری ہیں تو اس نے آپ کو قتل نہیں کیا بلکہ آپ سے دعا کروائی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ حرہ کے دوران زندہ رہے تھے، ان کا نام کسی نے بھی مقتولین حرہ میں ذکر نہیں کیا۔
یہ بطور مثال چند معروف حدیثی صحابہ ہیں جو واقعہ حرہ کے بعد بھی زندہ رہے اور طبعی وفات پائی۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ اپنے مفہوم میں غیر واضح ہے، کیونکہ اس کا یہ مفہوم لیا ہی نہیں جاسکتا کہ عین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام بدری صحابہ شہید ہو گئے تھے اور عین واقعہ حرہ میں تمام حدیثی صحابہ شہید ہو گئے تھے، لہذا اس روایت کی ضرور کوئی تاویل کرنی ہوگی، اس لئے اس روایت کے ایک ٹکڑے کو لے کر گیا وی صاحب کا یہ دعویٰ کہ:

”اسی واقعہ میں تمام بچے کھچے بیعت رضوان والے صحابہ ختم ہو چکے تھے“

① الاستیعاب، جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ دار الجیل بیروت / الاصابة، جلد ۱ صفحہ ۳۱۱ دار الکتب العلمیہ بیروت.

② ایضاً جلد ۳ صفحہ ۹۵۰ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ دار الکتب العلمیہ بیروت.

درست نہیں ہو سکتا، ورنہ انہیں یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ واقعہ حرہ کے بعد حدیسی صحابہ میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا.....

نیز انہیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کے بعد کوئی ایک بدری صحابی بھی زندہ نہیں رہا تھا، کیونکہ اسی روایت کے پہلے حصے میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے۔

ہم پہلے یہ عرض کر چکے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ واقعہ حرہ میں سات سو مہاجرین و انصار صحابہ شہید ہوئے، بات نہیں بنے گی، ہمارا گیاوی صاحب سے مطالبہ ہے کہ وہ سند صحیح و متصل سات سو نہیں بلکہ صرف سات نام مہاجرین صحابہ کرام کے اور صرف سات نام انصار صحابہ کرام کے ثابت کرویں جو واقعہ حرہ میں شہید ہوئے ہوں، اور ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ یہ تمام سرکاری فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ یہ کوئی سند نہیں ہوتی کہ فلاں عالم نے اتنے نام لکھے ہیں اور فلاں نے اتنے نام گنوائے ہیں، صحابی کے قتل کا الزام کسی پر ثابت کرنے کے لیے اس واقعہ کے کئی سو سال بعد پیدا ہونے والے کسی عالم یا مورخ کی بلا سند کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

گیاوی صاحب کی پیش کردہ مقتولین واقعہ حرہ کی فہرست پر ایک نظر:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخری حصہ میں لکھا ہے:

”اب ان اصحاب کے نام درج کیے جاتے ہیں جو یزید بن معاویہ کی

مخالفت میں شہید ہوئے“۔^①

اور پھر گیاوی صاحب نے نمبر لگا کر مجموعی طور پر ۵۱ (اکیاون) افراد ذکر کیے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہاں بھی گیاوی صاحب نے سید لعل شاہ بخاری صاحب کی

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۳ تا ۱۵.

کتاب سے خوب استفادہ کیا ہے۔^①

بہر حال گیاوی صاحب خود ۱۰۰ نام بھی پورے نہیں کر سکے، اور پھر جناب کا یہ کمال ملاحظہ ہو کہ یہ باور کروا رہے ہیں کہ یہ ۵۱ لوگ "اصحاب" یعنی "صحابہ" ہیں، ہم نہیں سمجھتے کہ گیاوی صاحب نے یہ بات غلطی سے لکھ دی ہوگی، کیونکہ ان جیسا عالم اچھی طرح جانتا ہوگا کہ ان ناموں میں زیادہ تر نام ایسے لوگوں کے ہیں جو صحابی نہیں، مثلاً:

منذر بن زبیر:

یہ نام گیاوی صاحب نے اپنی لسٹ میں نمبر: ۵ پر ذکر کیا ہے، اور مزے کی بات خود ہی ساتھ لکھا ہے کہ:

”یہ سیدنا عمرؓ کی خلافت میں پیدا ہوئے۔“

سیدنا عبداللہ بن حنظلہ کے آٹھ بیٹے:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۳ پر ان کا ذکر کیا ہے، ان آٹھوں بیٹوں میں کوئی بھی صحابی نہیں۔

محمد بن ثابت بن قیس بن شماس:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۴ پر ان کا اور ان کے تین بیٹوں کا ذکر کیا ہے، محمد بن ثابت بن قیس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے "ابن مندہ" کا قول نقل کیا ہے کہ

ولا يصح لمحمد بن ثابت صحبة

محمد بن ثابت کے لیے صحبت ثابت نہیں۔^②

① دیکھیں: استخلاف یزید، مصنفہ سید لعل شاہ بخاری، طبع اول صفحہ ۳۸۲ و مابعد.

② دیکھیں: الاصابہ، جلد ۶ صفحہ ۱۹۴.

اور رہے ان کے تین بیٹے، تو ان میں سے تو بالاتفاق کوئی بھی صحابی نہیں۔

محمد بن عمرو بن حزم:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۵ پر ان کا اور ان کے گھر کے ۱۳ افراد کا ذکر کیا ہے، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ محمد بن عمرو بن حزم کی ولادت سنہ ۱۰ ہجری میں ہوئی تھی اور اس وقت ان کے والد مدینہ سے دور نجران کے علاقے میں عامل تھے، ان کی ولادت کی خبر بھی نبی کریم ﷺ کو خط کے ذریعے دی گئی تھی،

نیز حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ مشہور قول کے مطابق انہیں نہ صحبت حاصل ہے اور نہ ہی رویت اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں یہ مدینہ لائے گئے ہوں، باقی ان کے خاندان کے ۱۳ افراد اگر شہید ہوئے تھے تو ان میں سے بھی کوئی صحابی نہیں، گیاوی صاحب کے مدوح سید لعل شاہ بخاری صاحب نے جہاں ان کا ذکر کیا ہے وہاں یہ تو لکھا کہ ان کے والد (یعنی عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ) کو آنحضرت ﷺ نے نجران کا والی مقرر فرمایا تھا، اس وقت ان کی عمر سترہ برس تھی، اور ان کے بیٹے کا نام خود آنحضرت ﷺ نے ”محمد“ رکھا تھا، لیکن لعل شاہ صاحب یہ بتانا بھول گئے یا جان بوجھ کر ہضم کر گئے کہ محمد بن عمرو بن حزم کی ولادت بھی نجران میں ہوئی تھی اور یہ اطلاع خط کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو دی گئی تھی اور خط کے ذریعے ہی انہیں بیٹے کا نام ”محمد“ رکھنے کا فرمان آیا تھا۔^①

نیز انہی لعل شاہ صاحب کا ایک قول بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”بعض محدثین نے ان حضرات کو جو رسول اللہ ﷺ کے عہد حیات میں پیدا ہوئے انہیں بھی محض اس لئے صحابہ میں شمار کیا ہے کہ شاید دستور کے

① دیکھیں: استخلاف یزید، صفحہ ۳۹۴.

مطابق وہ بچے بھی حضور ﷺ کے دربار میں لائے گئے ہوں، پس بہت صغیر السن بچے بالخصوص جو مدینہ کے نہ ہوں انہیں صحابہ کی فہرست میں شمار کرنا درست نہیں“ ①۔

سلیمان، بیچی، عبداللہ:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۶ پر لکھا ہے کہ یہ تینوں حضرات بھی یومِ حرہ میں شہید ہوئے، کوئی پتہ نہیں کہ یہ صحابی تھے یا نہیں، گیاوی صاحب نے کہیں سے نام نقل کر دیے، یا ان سے مراد سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تین بیٹے ہیں جن کے نام گیاوی صاحب نے دوبارہ اس فہرست کے آخر میں ذکر کیے ہے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن زید بن ثابت بن ضحاک:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۱۷ پر یہ نام ذکر کیا ہے، اور کمال کی بات یہ ہے کہ نمبر ۱۶ اور ۱۷ میں پہلے ”زید بن ثابت رضی اللہ عنہ“ کے چار بیٹوں کا ذکر کیا ہے، پھر اس کے بعد نمبر ۱۸ میں ایک ساتھ ان کے سات بیٹوں کا ذکر کیا ہے (جن میں یقیناً پہلے چار بھی شامل ہیں)، اور اس سے بھی زیادہ کمال کی بات یہ کہ اس فہرست میں نمبر ۳۵ تا ۵۱ میں ایک بار پھر ان سات کا الگ الگ ذکر بھی کیا ہے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سات صلیبی لڑکے:

گیاوی صاحب نے اپنی لسٹ میں نمبر: ۱۹ پر سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سات لڑکوں کی شہادت کا ذکر کیا ہے، گیاوی صاحب نے کوئی ثبوت نہیں دیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی صحابی ہے؟

① دیکھیں: استخلافِ زید، صفحہ ۳۹۹۔

سیدنا عبداللہ بن مطیع کے سات لڑکے:

اسی طرح گیاوی صاحب نے نمبر: ۲۰ پر سیدنا عبداللہ بن مطیع کے سات لڑکوں کی شہادت کا ذکر کیا ہے، ان سات میں سے بھی کوئی صحابی نہیں، بلکہ خود عبداللہ بن مطیع کی صحبت بھی متفق علیہ نہیں، نیز سیدنا عبداللہ بن مطیع واقعہ حرہ میں شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ مکہ کی طرف چلے گئے تھے۔

یزید بن عبداللہ بن زعمہ:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۲۱ پر ان کا ذکر کیا ہے، ان کے والد تو صحابی تھے لیکن ان کا صحابی ہونا گیاوی صاحب کو ثابت کرنا ہے۔

ابوبکر بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب:

گیاوی صاحب نے نمبر: ۲۲ پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ”ابوبکر“ کا بھی نام لکھا ہے، یہ بھی صحابی نہیں، دوسرا اگر کہا جائے کہ انہیں شہید کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے خروج کیا تھا تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے خاندان کے کسی فرد کے بارے میں بیعت توڑنا اور حکومت کے خلاف خروج کرنا ثابت نہیں، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

”وَاعْتَزَلَ النَّاسَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ " زَيْنُ الْعَابِدِينَ " وَكَذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ

عمر بن الخطاب لم يخلعوا يزيده، ولا أحد من بيت ابن عمر“^①

”سیدنا علی بن الحسین یعنی زین العابدین اور اسی طرح عبداللہ بن عمر بن الخطاب دونوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی، اور نہ ہی ابن عمر کے گھر

① البدایة والنہایة، ج ۸ ص ۲۳۸ طبع دار ہجر۔

والوں میں سے کسی نے توڑی تھی۔“

ابو بکر بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب:

اسی طرح گیا وی صاحب نے نمبر: ۲۳ پر سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ’ابو بکر‘ کا بھی ذکر کیا ہے، یہ بھی صحابی نہیں۔

نیز کتب تاریخ میں صاف لکھا ہے کہ بنی عبد المطلب میں سے کسی فرد نے بھی بیعت نہیں توڑی تھی:

”لَمْ يَخْرُجْ أَحَدٌ مِنْ آلِ أَبِي طَالِبٍ وَلَا مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَيَّامَ الْحَرَّةِ۔“

”یعنی واقعہ حرہ کے دنوں میں آل ابی طالب اور بنی عبد المطلب میں سے کسی نے بھی خروج نہیں کیا تھا“^①۔

تو اگر یہ واقعہ حرہ میں شہید ہوئے تھے تو انہیں بیعت توڑنے والوں نے ہی قتل کیا ہوگا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی بیٹی ام محمد کا نکاح یزید بن معاویہ کے ساتھ ہوا تھا۔^②

یوں سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما، یزید کے سرسختے۔

ہم نے بطور مثال اوپر چند نام ذکر کر دیئے ہیں جن کو گیا وی صاحب نے ’اصحاب‘ بنا کر پیش کیا ہے، جبکہ درحقیقت ان میں سے کوئی ایک بھی صحابیت کی تعریف پر پورا نہیں اترتا، گیا وی صاحب کی مہیا کردہ لسٹ میں اکثریت ایسے ہی ناموں کی ہے جن کا صحابی ہونا محتاج دلیل ہے، وہ الگ بات ہے کہ گیا وی صاحب نے

① البدایة والنہایة، ج ۱۱ ص ۶۵۳۔

② دیکھیں: جمہور أنساب العرب لابن حزم، صفحہ ۶۹ دار الکتب العلمیة بیروت، اور دوسری کتب۔

یہ سارے نام نقل کرنے سے پہلے یہ بے بنیاد دعویٰ پورے مطراق سے کر دیا کہ
 ”یہ ان اصحاب کے نام ہیں جو یزید بن معاویہ کی مخالفت میں شہید ہوئے۔“
 اب آئیے آپ کے سامنے گیاوی صاحب کی تحقیق کے دو تین مزید نمونے بھی
 رکھ دیں، جیسا کہ آپ نے پڑھا، گیاوی صاحب نے اپنی اس ۵۱ ناموں پر مشتمل
 فہرست سے پہلے لکھا ہے:

”اب ان اصحاب کے نام درج کیے جاتے ہیں جو یزید بن معاویہ کی
 مخالفت میں شہید ہوئے۔“ لیکن اس میں ایسے نام بھی ہیں جو یزید کے تخت
 نشین ہونے سے پہلے ہی طبعی وفات پا چکے تھے، یا ان کی وفات یزید کی
 وفات کے بعد ہوئی، مثلاً:

سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما:

ان کی وفات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی ہو چکی تھی، اور جب یزید خلیفہ
 بنا تو یہ زندہ نہیں تھے، لیکن گیاوی صاحب نے اپنی فہرست میں ان اصحاب کا نام
 دوسرے نمبر پر لکھا ہے، اور یہ باور کروایا ہے کہ جیسے انہیں یزید نے شہید کیا تھا۔
سعید بن زید رضی اللہ عنہ:

ان کا نام گیاوی صاحب نے نمبر: ۳ پر لکھا ہے، اور آگے خود یہ بھی لکھا ہے کہ
 ان کا انتقال سنہ ۵ ہجری میں ہوا، اور سب جانتے ہیں کہ یزید سنہ ۶۰ ہجری میں مسند
 اقتدار پر بیٹھا، تو جب سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ، اس سے نو سال پہلے ہی وفات پا چکے
 تھے تو گیاوی صاحب کا ان کو بھی یزید کی مخالفت میں ”شہید“ ہونے والوں میں شمار کرنا
 کمال کی تحقیق ہے، جبکہ ان کی وفات طبعی ہوئی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما:

ان کی شہادت، یزید کی وفات کے بعد عبدالملک بن مروان کے دور میں ہوئی تھی، نہ جانے گیا وی صاحب نے ان کا نام اس فہرست میں کیوں لکھ دیا؟

گیا وی صاحب سے ہمارا مطالبہ

لہذا ہمارا گیا وی صاحب سے یہ مطالبہ ہے کہ انہوں نے جو ۵۱ ناموں پر مشتمل یہ فہرست پیش کی ہے اور یہ باور کروایا ہے کہ یہ سب کے سب صحابی تھے اور یہ سب یزید کی مخالفت میں شہید کیے گئے، تو وہ صحیح اور قابل اعتماد اسناد کے ساتھ یہ ثابت کریں کہ:

نمبر ۱: یہ تمام ۵۱ لوگ ”صحابی“ تھے۔

نمبر ۲: یہ تمام ”شہید“ کیے گئے، اور ان میں سے کسی نے بھی طبعی وفات نہیں پائی۔

نمبر ۳: جب یزید مسند خلافت پر بیٹھا تو یہ سب ۵۱ زندہ تھے۔

نمبر ۴: یہ سب وہ تھے جنہیں یزید کی فوج نے شہید کیا (کیونکہ حرہ کے دن دو فریقوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی، لہذا اس میں شہید ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام کی شہادت صرف ایک ہی فریق کے ہاتھوں ہوئی تھی، جبکہ یہ ثابت شدہ ہے کہ مدینہ میں ایسے کئی بزرگ موجود تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی تھی اور اس کے خلاف خروج نہیں کیا تھا)۔

نمبر ۵: ان اکیاون ناموں میں سے گیا وی صاحب صرف سات انصاری صحابہ اور

سات ہی مہاجرین صحابہ کے نام الگ کر دیں، اور صحیح سند کے ساتھ ان کا حرحہ میں سرکاری فوج کے ہاتھوں شہید ہونا ثابت کر دیں۔

نمبر ۶: گیاوی صاحب نے علامہ عینی (جن کی ولادت ۷۶۲ ہجری میں ہوئی) کے حوالے سے نقل کیا تھا کہ واقعہ حرحہ میں مہاجرین و انصار میں سے سات سو سر بر آوردہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔^① تو یہاں آپ نے صرف ۵۱ نام نقل کیے، باقی ۶۳۹ نام کہاں ملیں گے؟

یاد رہے! مولانا حبیب الرحمن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک صحابی سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر لکھا تھا کہ:

”مہتمم صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر یزید با تفاق صحابہ، فاسق ہوتا تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اس فاسق و فاجر کے ساتھ ساتھ ہرگز لگے نہ رہتے، ہماری عقیدت اس بات کو کسی طرح قبول نہیں کرتی کہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی، ایک شرابی، زانی اور بے نمازی امیر کی مجلسوں میں برابر شریک ہوں گے، اس کی طرف سے سفارت کی خدمت انجام دیں گے اور اس کی طرف سے حمص کے امیر بن کر اس کی حکومت کو قوت پہنچائیں گے۔“^②

تو اس کے جواب میں گیاوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

”جو ابوا عرض ہے کہ نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کا یزید کی مجلسوں میں برابر شریک ہونا ثابت نہیں ہے، اور فاسق امیر کی اطاعت یا اس کی حکومت کا حصہ بننا

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۵۱.

② محدث اعظمی کا تبصرہ: صفحہ ۷۳-۷۵.

گناہ نہیں ہے، بہت سے بہت جو ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے یزید کے دور حکومت میں، حکومت کی بعض ذمہ داریاں قبول کیں، لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے یزید کے تمام موقف کو صحیح سمجھا ہو تاریخ میں ایسی روایات موجود ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا نعمان بن بشیر نے کبھی کسی کی بے جا حمایت نہیں کی.....“^①

تو گیا وی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ بھی تو اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ واقعہ حرہ کے سات سو نہیں بلکہ اپنی فہرست کے مطابق صرف ۵۱ مقتولین کے بارے میں یہ ثابت کر دیں کہ یہ تمام لوگ "اصحاب" تھے، اور یہ تمام سرکاری فوج کے ہاتھوں قتل ہوئے اور یہ سب کے سب یزید کو فاسق اور شرابی سمجھنے والے تھے، یا آپ کا دینے اور لینے کا پیمانہ الگ الگ ہے؟ جہاں ایک صحابی کا یزید کی حکومت میں اہم عہدوں پر رہنا اور اس کے لیے خدمات انجام دینا پیش کیا جائے تو آپ کہتے ہیں کہ ایک فاسق امیر کی اطاعت کوئی گناہ تو نہیں، نہ ہی اس کی حکومت میں بعض ذمہ داریاں قبول کرنا ہی غلط ہے، لیکن آپ خود یہ چاہتے ہیں کہ رجب ۶۰ ہجری سے لے کر یزید کی وفات (ربیع الاول، ۶۳ ہجری) تک وفات پانے والے، چاہے طبعی موت سے وفات پائی ہو یا قتل ہوئے ہوں، ان سب کو یزید کے کھاتے میں ڈالا جائے، بلکہ یزید کے مسند اقتدار پر بیٹھنے سے پہلے وفات پانے والے (سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ) اور یزید کی وفات کے بعد شہید ہونے والے (سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) کا قتل بھی یزید کے کھاتے میں ڈال دیا جائے، اور آپ سے کوئی دلیل بھی نہ مانگی جائے؟، اسی طرح آپ کے اس دعوے کو مان لیا جائے کہ

① گیا وی صاحب کی کتاب: صفحہ ۱۵۱۔

واقعہ حرہ میں سات سو مہاجرین و انصار صحابہ کو قتل کیا گیا، اور آپ سے ہم صرف سات نام انصاری صحابہ کے اور سات ہی نام مہاجرین صحابہ کے صحیح اور مستند طریقے سے ثابت کرنے کا مطالبہ بھی نہ کریں؟

گیاوی صاحب کی کتاب کی آخری سطر:

گیاوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں "واخرو دعوانا....." سے پہلے آخری سطر یہ لکھی ہے:

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ غیر نبی کی ہر خاموشی کسی بات کی تائید نہیں کرتی ہے۔^①

اگر گیاوی صاحب اس بات پر ہی غور فرمائیں تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا، اور وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم جنہوں نے یزید کی خلافت کی بیعت کی اور اسے امیر تسلیم کیا، وہ تمام صحابہ کرام و تابعین جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی، بلکہ بیعت توڑنے والوں کو ایسا کرنے سے روکا، اور وہ تمام صحابہ جنہوں نے یزید کے خلاف خروج کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا، ان میں سے کسی ایک سے بھی بسند صحیح یزید کو فاسق، فاجر، شرابی، زانی کہنا ثابت نہیں، تو ان سب کا یہ سکوت وہ کس کھاتے میں ڈالتے ہیں؟، یہاں یہ موشگافیاں کیوں نکالی جاتی ہیں کہ یزید کے فاسق و فاجر اور شرابی و زانی ہونے کی وہ بھی تائید کرتے سچے، البتہ صرف فتنہ اور خون ریزی کے ڈر سے انہوں نے یہ سب قبول کیا اور اس کی بیعت نہ توڑی؟؟

① گیاوی صاحب کی کتاب صفحہ ۱۵۲.

ہماری آخری گزارش

ہم نے اپنی طرف سے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اپنی ان معروضات کو مختصر رکھیں، لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی بات کچھ طویل ہو گئی، ہماری ان گزارشات کا مقصد اور لب لباب صرف یہ ہے کہ تاریخی روایات و واقعات کی بنیاد پر تحقیق کر کے آدمی جو چاہے موقف اختیار کر لے، لیکن تاریخی واقعات کی بنیاد پر قائم اختلافی مواقف میں اپنی تحقیق کو ایسا قطعی و یقینی اور خواجواہ ایسا اتفاقی و اجماعی بنانے لگ جانا کہ دوسری جانب کے نفس جواز کی بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑنا، اصول و قواعد کی رو سے نہایت ہی نامناسب ہے، یزید کی بیعت و خلافت کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا، اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم عظام کا آپس میں اختلاف تھا جو کہ خالصتاً اجتہادی نوعیت کا تھا، گیاوی صاحب کا میلان اگر یزید کو فاسق، فاجر، شرابی، زانی وغیرہ وغیرہ بنانے کی طرف ہی تھا تو آپ بڑی خوشی سے یہ موقف رکھتے، لیکن اس میں اتنا غلو آپ کی شان کے لائق نہ تھا جس سے دوسری جانب کے صحابہ کرام و تابعین عظام کی عزت و حرمت مجروح ہوئے بغیر نہیں رہی، اور پھر آپ نے ایسی موضوع روایات بھی اپنے موقف کے حق میں پیش کر دیں جن سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم میں یہ بات تھی کہ یزید شراب پیتا ہے اور آپ نے بجائے اسے سزا دینے کے یہ نصیحت فرمائی کہ وہ شراب نوشی وغیرہ جیسی حرکات رات کے اندھیرے میں کیا کرے جب دشمن کی آنکھ سو جاتی ہے (العیاذ باللہ)۔^①

① گیاوی صاحب کی کتاب: صفحہ ۲۳-۲۴۔

نیز ایک مقام پر آپ کو یہ لکھنا پڑا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے حصول کے لیے زور اور زر کا استعمال بھی کیا تھا۔ ①

آپ نے یزید کے بیٹے کی طرف منسوب ایک بلا سند اور غیر ثابت روایت کی بنیاد پر یہ لکھ دیا کہ اس نے اپنے دادا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ: یہاں تک کہ ان کو موت آگئی اور اپنی قبر میں اپنے ذنوب کے ساتھ مدفون ہو گئے۔ ②
آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا کہ:

انہوں نے آخر دم تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہ خلیفہ برحق تسلیم کیا اور نہ طاقت کو متحد ہونے دیا۔ ③

حتیٰ کہ آپ نے یہ تک لکھ دیا کہ

”واقعہ حرہ میں (بقول آپ کے) مدینہ کی جن ایک ہزار مستورات کی عزت تار تار کی گئی ان میں خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی، زنا کاری کا شکار ہونے والی ان ہزار عورتوں کے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہوں گی“۔ ④ (نعوذ باللہ من هذا

(المقال)

دوسرے لفظوں میں آپ نے یہ ثابت کرنے پر اتنا زور لگایا کہ امت اسلامیہ کے سب سے بہتر زمانے والے لوگ ایسے تھے کہ انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف نصف صدی بعد ہی اسی نبی کے شہر میں رہنے والی ہزار عورتوں کی عزتیں لوٹیں، اپنے نبی کی مسجد میں اذان بند کر دی، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خوب لوٹ مار مچائی لیکن یہ سب ہونے کے باوجود سوائے چند لوگوں کے باقی ساری امت اسلامیہ پھر

①②③④ گیاروی صاحب کی کتاب صفحات: ۱۲۱، ۶۳، ۱۲۸، ۳۹.

بھی ایسے ظالموں، فاسقوں، شرابیوں، زانیوں کے خلاف نہ کھڑی ہوئی، بلکہ امت کے بڑے بزرگ ایسے فاسقوں اور شرابیوں کی بیعت توڑنے والوں کو ایسا کرنے سے منع کرتے رہے۔

آپ نے "واقدی"، "ابو مخنف" اور "محمد بن زکریا الغلابی" جیسے راویوں کی وکالت کر کے بھی ہم جیسے طالب علموں کو مایوس کیا ہے، نیز منقطع السند روایات کو "صحیح" بتا کر اصول حدیث کے طلبہ کو بھی حیرت زدہ کیا ہے۔

اس لیے آپ کی پیش کردہ روایات اور دلائل و براہین کی حیثیت واضح کر کے بتانا یہ مقصود تھا کہ قیل و قال ان پر بھی ہو سکتا ہے، وہ بھی قطعی اور سو فیصد قابل اعتماد نہیں، اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ محدث جلیل و محقق کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی نور اللہ مرقدہ کے تبصرہ میں اٹھائے گئے نکات اور سوالات بے بنیاد نہیں تھے، بلکہ قابل غور ہیں، ان پر فکر و نظر کرنے کی ضرورت ہے اور اصولی طور ان کے موقف کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں، لہذا ہم محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے "خلاصہ مباحث" سے سو فیصد متفق ہیں کہ:

"یزید کافر و مرتد نہیں تھا، بلکہ اس کے فسق کا بھی کوئی لائق اعتماد ثبوت نہیں ہے، علماء اسلام نے اس کے مسلمان ہونے کی تصریح کی ہے، اور کسی مسلمان کو بلا ثبوت و دلیل فاسق کہنا جائز نہیں ہے، کوئی شہرت جو عینی شہادوں کی شہادت پر مبنی نہ ہو لائق اعتماد و حجت نہیں ہے۔"

اور

"عقیدہ فسق یزید کا تعلق سنیت سے نہیں ہے، نہ اثباتاً نہ نفیاً، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک علمی تحقیق کی ہے، اگر کسی عالم کے نزدیک شرعی قواعد کے ماتحت اس کا فسق ثابت ہو، اور وہ اس کو فاسق مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے، اور

کسی عالم کے نزدیک ان قواعد کی رُو سے اس کا فسق ثابت نہ ہوتا ہو، اس لئے وہ اس کو فاسق نہ مانتا ہو تو وہ بھی سنی ہے" ①۔

ہم اپنی بات کا اختتام حافظ تقی الدین عبد الغنی بن عبد الواحد بن علی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۰۰ ہجری) کے ایک فتوے پر کرتے ہیں، جو حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۹۵ ہجری) نے نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"وَسئَلُ عَنْ يَزِيدِ بْنِ مَعَاوِيَةَ؟ فَأَجَابَ: خِلَافَتُهُ صَحِيحَةٌ. قَالَ: وَقَالَ بَغُضِ الْعُلَمَاءِ: بَابِعَهُ سِتُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، مِنْهُمْ ابْنُ عَمْرٍو. وَأَمَّا مُحِبَّتُهُ: فَمَنْ أَحْبَبَهُ فَلَا يَنْكُرُ عَلَيْهِ، وَمَنْ لَمْ يَحِبَّهُ فَلَا يَلْزِمُهُ ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنَ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ صَحَبُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَيَلْتَزِمُ مُحِبَّتَهُمْ إِكْرَامًا لَصَحْبِهِمْ وَلَيْسَ لَمْ أَمْرٍ يَمْتَازِيهِ عَنْ غَيْرِهِ مِنْ خِلَفَاءِ التَّابِعِينَ، كَعَبْدِ الْمَلِكِ وَبَنِيهِ. وَإِنَّمَا يَمْنَعُ مِنَ التَّعَرُّضِ لِلْوُقُوعِ فِيهِ؛ خَوْفًا مِنَ التَّسَلُّقِ إِلَى أَبِيهِ، وَسَدِّ بَابِ الْفِتْنَةِ" ②۔

ان سے (یعنی حافظ عبد الغنی المقدسی سے۔ ناقل) یزید کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا: اس کی خلافت صحیح ہے، نیز یہ فرمایا کہ: بعض علماء کا کہنا ہے کہ یزید کی بیعت، رسول اللہ ﷺ کے ساٹھ صحابہ کرام نے کی تھی، ان میں سے ایک سیدنا ابن عمر بھی تھے، جہاں تک اس سے محبت رکھنے کا تعلق ہے؟ تو جو اس سے محبت کرے اس پر نکیر نہیں کی جائے گی، اور جو اس سے محبت نہ رکھے، اس پر اس کی محبت رکھنا ضروری

① محدث اعظمی کا تبصرہ، صفحہ نمبر: ۱۰۹ طبع سنو، انڈیا۔

② ذیل طبقات الحنابلة لابن رجب، جلد ۳ صفحہ ۵۵ مکتبۃ العبيکان

بھی نہیں، کیونکہ یزید، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے نہ تھا جن کی محبت ان کے صحابی ہونے کی وجہ سے لازمی ہے، اور یزید میں ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں تھی جس کی بنا پر اسے دوسرے تابعی خلفاء جیسے عبد الملک (بن مروان) اور اس کے بیٹوں سے ممتاز سمجھا جائے، تاہم اس سے تعرض کرنے (یعنی اسے برا بھلا کہنے سے نقل) ایک تو اس لیے منع کیا جاتا ہے کہ اس میں اس کے والد (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) ناقل) کی ذات تک پہنچنے کا ڈر ہے اور دوسرا قننہ کے دروازہ کو بند کرنے کے لیے۔

نوٹ: یہ حافظ عبدالغنی المقدسی الحسینی رضی اللہ عنہ وہی ہیں جن کی کتاب "الکمال فی أسماء الرجال" کی تہذیب، حافظ جمال الدین مزنی رضی اللہ عنہ نے "تہذیب الکمال" کے نام سے کی ہے، ان کا تعارف علامہ ذہبی نے یوں کروایا ہے:

"الإمام، العالم، الحافظ، الكئيب، الصادق، القدوة، العابد، الأثري،
المتبع، عالم الحفظ" ①۔

اللهم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔